علامہ صادق حسن
خدا کے دین کی جو گر اشاعت ہو تو ایسی ہو
مذہب و ملت کی حفاظت ہو تو ایسی ہو
تجسس کے ساتھ دیکھنا تیرا دنیا کے ہنگاموں کو
خدا کرے کہ عالم کی بصارت ہو تو ایسی ہو
بالائے منبر دیکھی جب میں نے سادگی تیری
تو لکھا گر نزاکت ہو، شرافت ہو تو ایسی ہو
ہلا کر رکھ دینا تیرا کفر کے ایوانوں کو
خدا کے عاشق میں جو حرارت ہو تو ایسی ہو
حق بیاں کرتا ہے تو کتنی خوش اسلوبی سے
اپنوں سے بھی انداز شکایت ہو تو ایسی ہو
بے نیاز ہو جانا تیرا مجمع کی اداؤں سے
دعا ہے ہر خطیب کی جو عادت ہو تو ایسی ہو
حق ادا کرتا ہے تو نبیؐ کی جانشینی کا
قوم و مذہب سے گر جو ارادت ہو تو ایسی ہو
محظوظ کرنا تیرا ہم کو سیدھی سادھی باتوں سے
میں کہتا ہوں حقیقت میں عبادت ہو تو ایسی ہو
پاؤں میں روندنا تیرا فرنگی کی ثقافت کو
ثقافتِ فرنگ سے عداوت ہو تو ایسی ہو
نام بھی تیرا صادق اور کام بھی صادق
محمدؐ کے جو وارث میں صداقت ہو تو ایسی ہو
تمہیں بھی جو شوق ہو محسن خطیب بننے کا
پھر تم بھی یاد رکھنا گر خطابت ہو تو ایسی ہو
150

حقیقی اسلام اور تخلیقی اسلام

گفتار سخن

علامہ صادق حسن

آف کراچی

افتخار بک ڈپو اسلام پورہ لاہور

مؤلف: رائے افتخار حیدر

(ایم۔اے)

اظہار تشکر

کسی بھی انسان کی زندگی کی قدر و قیمت کا دارو مدار اس پر ہے کہ
وہ اپنی قوم وملت کو اپنی زندگی وجود اور فکر سے کیا کچھ دیتا ہے۔

ہم ان تمام احباب کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ جن کی مشترکہ کاوشوں سے اور دعاؤں سے یہ عظیم کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔ خاص طور پر محترم شیخ محمد رئیس صاحب، خواجہ محمد عباس صاحب، رائے وریام خان، رائے نوشیر خاں، ماسٹر رائے منیر احمد، رائے محمد علی رائے محمد حسین ولد رائے پہلوان خان، عقیل احمد سیال، محمد سبطین مظہر، حسن مظاہر جعفری، رائے احسان حیدر، (معظمہ بنت ثناء اللہ صاحبہ) کے شکر گزار ہیں کہ جنہوں نے دامے، درمے، سخنے اس عظیم کاوش میں مدد فرمائی۔ خداوند عالم بحق جناب سیدۃ سلام اللہ علیہا ان کی اس سعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ اور ان احباب کو دنیا و آخرت میں ہر قسم کے مصائب ومشکلات سے محفوظ فرمائے اور ان کے رزق میں خیر و برکت نازل فرمائے۔

آخر میں قارئین کی خدمت میں التماس ہے کہ تمام مومنین مرحومین تمام مومنات مرحومات بالاخص محترم خواجہ محمد اشرف، رائے امیر خان، رائے منظور ولد امیر خان، سیدۃ نشاط انجم زیدی زوجہ سید قمر عباس زیدی، راجن بی بی زوجہ رائے امیر خان مرحوم، رائے محمد سلیم ولد نور خان، رائے پہلوان خان، رائے سلیم ولد محمد علی کے ایصال ثواب وبلندی درجات کے لئے ایک مرتبہ سورہ الحمد اور تین مرتبہ سورہ اخلاص کی تلاوت فرمائیں۔

مشخصات کتاب

نام کتاب: حقیقی اسلام اور تخلیقی اسلام

گفتارِ سخن: علامہ صادق حسن آف کراچی

مولف: رائے افتخار حیدر کھرل

کمپوزنگ: تنویر حسین صدیقی

ڈیزائننگ: قاسم علی (اقراء گرافکس Ph:042-724987)

پروف ریڈنگ: محمد شہباز علوی، رائے عبدالغفور

نظرِ ثانی: مولانا ارتضیٰ عباس

اشاعت اول: جنوری 2004ء

ہدیہ: 150 روپے

پبلشرز: السید پرنٹرز اردو بازار لاہور فون 7249868

ناشر: انجمن غلامان امام رضا علیہ السلام

چاہ لودھی والہ ضلع شیخوپورہ تحصیل ننکانہ صاحب

فہرست

صدق اللہ العظیم

عرض ناشر

دین کا علم پھیلانا بہترین صدقہ جاریہ ہے (فرمان رسولؐ)

دشمنانِ اسلام تحریر سے، تقریر سے مال سے اسلام کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ تحریر و تقریر و مال اور میڈیا (کیبل و انٹرنیٹ) کے ذریعے اسلام کی حفاظت اور دشمنان اسلام کا مقابلہ کریں۔

اسلام کی ایک گراں قدر اور تعمیری اثرات کی حامل تعلیم یہ ہے کہ مسلمان خداوند عالم کی بے پایاں نعمتوں کا شکر گزار رہے۔ درحقیقت قدر شناسی کی حس باطنی ... ادی کی تسکین کا ذریعہ ہے معاشرہ میں انسانی فضائل کو فروغ دینے کے لئے جذبات کی تحریک و تشویق ایک موثر و مفید عامل ہے۔ اگر لوگ نیک و کاروں کے لئے خوشگوار اور بدکاروں کیلئے ناگوار ردعمل کا مظاہرہ کریں تو معاشرہ سلامتی و کمال کی جانب راہ پر آگے ہی آگے بڑھے گا۔ کیونکہ جب افراد معاشرہ کے دلوں میں بروں کے لئے سخت اور تنفر آمیز جذبات پائے جائیں اور نیک و پرہیزگار لوگوں کے بارے میں قدردانی و ستائش کے جذبات موجود ہوں تو قدرتی طور پر معاشرہ کا رجحان فضیلت و تقویٰ کی جانب ہوگا۔ قدر و قیمت کا معیار و ملاک روشن ہونے کی وجہ سے اچھے اور برے افراد علیحدہ علیحدہ صفوں میں کھڑے نظر آئیں گے۔

امیر المومنین حضرت مالک اشتر سے فرماتے ہیں تمہاری نظر میں نیکوکار اور بدکار کو ایک ہی مقام حاصل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ طرز عمل نیکوکاروں کو نیکی و پرہیزگاری کے کاموں سے دور کر دے گا اور بدکاروں کو بدی کی ترغیب دے گا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کی اختیار کردہ راہ و روش کے مطابق اجر و پاداش دو۔ یہ معیار انسان کب پیدا کر سکتا ہے جب انسان حقیقت اسلام سے آگاہ ہو۔ اگر انسان حقیقت اسلام سے آگاہ نہ ہو تو انسان یہ فرق نہیں کر سکتا اس معیار کو مغربی دنیا نے ختم کر دیا ہے۔ حقیقت اسلام پر پردہ اور اپنے بنائے ہوئے اصولوں کی نشر و اشاعت ا۔ اپنا دو اولین فرض سمجھتے ہیں پس یہی وجہ ہے کہ ہر انسان چاہے جس مقام پر کھڑا ہے پریشان ہے چاہے مرد ہے یا عورت، بوڑھا

ہے یا جوان، عالم ہے یا جاہل اپنے فرائض سے بے خبر نظر آتا ہے والدین ہیں تو اپنے فرائض نہیں جانتے اولاد اپنے فرائض کو نہیں جانتی والدین ہو یا اولاد، شوہر ہو یا بیوی مرد ہو یا عورت سب اپنے درمیان بنائے گئے اصولوں کو ختم کیے بیٹھے ہیں کوئی بھی ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کو نہیں نبھاتا ابھی بھی ہم نے اس چیز کے بارے میں غور و فکر نہ کی تو ہم ظلمت کی ان اتھاہ گہرائیوں میں چلے جائیں کہ جہاں سے لوٹنا مشکل ہو جائے گا۔

مغربی ثقافت کی یلغار اسقدر شدید ہے کہ کوئی بھی اسکے اثرات سے نہیں بچ پا رہا ہے اگر ہم واقعاً آنیوالی اپنی نسلوں کو دین اہلبیت کی حقیقی تعلیمات سے آشنائی کروانا چاہتے ہیں تو ہمیں ایسے شیعہ سکولز قائم کرنا ہونگے۔ جہاں دوسری تعلیم کے ساتھ ساتھ ہر روز ایک پیریڈ میں ایک بہترین عالم مختلف موضوعات (عقائد، فقہ، اخلاقیات، تفسیر، تاریخ وغیرہ) پر لیکچر دے۔ البتہ ایسے سکولز کی انتظامیہ اور خصوصاً سرپرست کا مخلص ہونا ضروری ہے تا کہ اپنے مقصد سے ہٹ کر صرف پیسہ کمانے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ ہر روز کا ایک جامع لیکچر ایسا ہو کہ نتیجۃً وہ حقیقی شیعہ / پیروکار بن کر نکلیں لیکن افسوس کہ ابھی تک ہماری قوم اس طرف خاص متوجہ نہیں ہوئی قوم تب بیدار ہوگی جب پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔

یہ بس اسلیے کہ ہم نے باعمل علماء کی صحبت کو چھوڑ دیا ہے۔ باعمل علماء کی تقاریر کو سننا چھوڑ دیا ہے۔ جبکہ حدیث قدسی میں ہے حضرت داؤد پر خدا کی ذات وحی بھیجتی ہے کہ اے داؤد میرے ماننے والو کو میرا یہ پیغام سنا دو کہ میرے اور اپنے درمیان رابطہ (یعنی دین حاصل کرنے کا ذریعہ) ایسے عالم کو نہ بنائیں کہ جو حب دنیا رکھتا ہو کیونکہ حب دنیا رکھنے والے شخص تمہیں دین کا وہ حصہ تو بتائے گا کہ جسکا اسے نقصان نہیں۔ البتہ ایسا شخص دین کی وہ باتیں نہیں بتائے گا جسکے بتانے سے اسے نقصان ہوتا ہو یہ سنہرا اصول صرف حضرت داؤد کے دور تک محدود نہیں بلکہ آج بھی لاگو ہوتا ہے۔ اور موجودہ دور کے پیشہ ور لاکھوں روپے لینے والے مقررین کے اوپر FIT آتا ہے کہ ایسے دنیاداروں سے ہمیں دین حاصل نہیں کرنا بلکہ دین کو دینداروں (حب دنیا نہ رکھنے والوں) سے حاصل کرنا ہے۔

تو اسوقت تک ہم علوم آل محمدؐ سے فیضیاب اور ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ہم نے

اس دور حاضر کے باعمل عالم دین کہ جن کی تقاریر اور دروس کو سن کر پتا چلتا ہے کہ دین آل محمد کیا ہے، اخلاق آل محمد کیا ہے، مقصد آل محمد کیا تھا اور جنہوں نے سینکڑوں موضوعات پر ہزاروں تقاریر کی ہیں اور جن کی ہر تقریر، سننے والے کے لیے باعث ہدایت ہے۔ اسلیے ہم نے عالم باعمل دور حاضر کی عظیم شخصیت جناب علامہ صادق حسن صاحب آف کراچی کی تقاریر کو کتابی شکل میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب میں کچھ ان کی مجالس ہیں اور کچھ ان کے دروس ہیں۔ اس کتاب کو مزید مفید بنانے کیلیے ان تقاریر میں مناسب مقامات پر سرخیاں Headings لگائی گئی ہیں تا کہ قارئین اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں۔ اور حاشیے میں امام المتقین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حکمت بھرے کلمات نقل کیے ہیں۔

اس کتاب میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے سب کچھ ان کی زبان سے جاری ہونے والے کلمات ہیں۔ چند مقامات پر مزید سلیس بنانے کے لیے ان کے الفاظ میں تبدیلی کی گئی ہے لیکن مفہوم وہی ہے۔

امید ہے قارئین محترم ہماری اس کوشش کی پذیرائی فرمائیں گے۔ قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اس کتاب میں اگر کوئی شکایت یا تجویز ہو تو ہمیں ضرور ارسال فرمائیں۔ خداوند رحمن ہم سب کو علوم آل محمد حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذُنُوْبَنَا وَلِمَنْ لَہٗ
حَقٌّ عَلَیْنَا بِحَقِّ اَئِمَّۃِ الْمَعْصُوْمِیْنَ

ناشر: رائے احسان حیدر

تقریظ از جناب حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی مدظلہ العالی۔

بسمہ سبحانہ

جناب مولانا صادق حسن صاحب کا مجموعہ تقاریر بعنوان "حقیقی اسلام اور تخلیقی اسلام" چند مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا۔ عناوین وقت کے تقاضوں کے مطابق ہیں جنہیں بہترین انداز میں بیان و منفرد اسلوب تبلیغ میں کوثر و سلسبیل سے دھلی ہوئی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف کے دلکش انداز خطابت موضوعات کو جاذب بنا دیا ہے۔ یہ مجموعہ جہاں عوام الناس کے لیے حقیقی اسلام کے تعارف کا ایک موثر ذریعہ ہے وہاں مقررین وخطباء کو بھی مفید روش تبلیغ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

عزیز القدر مولانا رائے افتخار حیدر نے اپنی تعلیمی مصروفیات کے باوجود اس گراں قدر مجموعہ کو بڑی محنت سے مرتب کیا تاکہ مومنین و مومنات، طلباء کرام، مقررین عظام سبھی مستفیذ ہوسکیں۔

بارگاہ ربوبیّت میں دعا ہے کہ جناب مولانا صادق حسن صاحب کی تخلیقی و تبلیغی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے اور انہیں اپنے منفرد انداز تبلیغ و خطابت میں خدمت دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ اور قارئین کو کماحقہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

حافظ سید ریاض حسین نجفی

حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر ماڈل ٹاؤن لاہور

19 جنوری 2004ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا. وَمَا كُنَّ لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ. لَقَدْ جَاءَ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَق. وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ اَشْرَفِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَشَفِیْعِ ذُنُوْبِنَا وَطَبِیْبِ قُلُوْبِنَا وَ مَوْلَانَا وَ مُقْتَدَانَا اَبِی الْقَاسِمِ محمد وَعِتْرَتِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی اَعْدَائِهِمْ اَجْمَعِیْنَ. اَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ كِتَابِهِ الْحَكِیْم. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

حقیقی اسلام اور تخلیقی اسلام:ا

﴿ انّ الدِّیْنَ عِنْدَاللہ اْلاسْلَامُ ﴾(آل عمران ۱۹)

بے شک خدا کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔لیکن اس دین کے ماننے والے مختلف تہذیبوں کے زیر اثر رہ چکنے کی وجہ سے کچھ ایسے نظریات وعقائد اور کچھ ایسے رسم ورواج اس دین میں داخل کر چکے ہیں کہ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ اسلام کی دو قسمیں ہیں۔اسلام کی ایک قسم وہ جو اللہ کا نبیؐ لے کر آیا اور بارہ آئمہ نے ساری زندگی اسکا تحفظ کیا اور ایک وہ دین کہ جو ہمارے گھروں میں اسوقت موجود ہے۔

علمِ دین کی کمی 'تحریفِ دین کا سبب:

ہماری اور خصوصاً علمِ دین سے ناواقف عورتوں کی وجہ سے کچھ ایسا تبدیل ہوا کہ اب ہمارے گھروں میں موجودہ دین' اُس حقیقی دین سے بالکل مختلف نظر آنے لگا۔یہ جو دو دین بن گئے ہیں یہ اس وقت تک کیلئے ہیں جب تک امامؑ کا ظہور نہ ہو جائے اور ظہور کے بعد دین کو حتمی طور پر ایک ہونا ہے۔ اس وجہ سے کہ امامؑ کی حکومت کے ابتدائی قوانین میں یہ قانون شامل ہے کہ جس شخص کی عمر ۲۰ سال ہو جائے اور وہ حلال وحرام کا علم نہ رکھتا ہو' خواہ مرد ہو یا

عورت تو قتل کر دیا جائے گا۔اور جب حلال وحرام کا علم ہمارے اور آپ کے پاس پہنچ جائے تو پھر جو ہمارا بنایا ہوا دین خود بخود اس دنیا سے ختم ہو جائے گا۔اور امام زمانہ کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔

انقلابِ صغرٰی کے بعد انقلابِ کبرٰی:

ایک خاص الخاص غلط فہمی جو ذہنوں میں کثرت کیساتھ داخل کی گئی ہے کہ ظہورِ امامؑ تو اسی وقت ہی ہوگا جب ہر طرف گناہ ہی گناہ ہو جائیں گے۔جتنے زیادہ گناہ ہوں گے' اتنا ظہورِ امامؑ میں آسانی کا امکان ہو جاتا ہے۔جتنی زیادہ برائیاں بڑھیں گی' اتنی ہی جلدی ظہور ہوگا۔جتنے زیادہ فعلِ حرام ہوں گے اتنی زیادہ ظہور میں تعجیل ہوتی چلی جائے گی۔چنانچہ مذاق مذاق میں ہمارے یہاں ایک محاورہ ہی بن گیا ہے کہ اگر کسی کو نماز روزے کی نصیحت کرو اگر کسی کو دین کے واجبات اور حرام کے بارے میں یاد دلاؤ تو کہا جاتا ہے کہ آپ تو ظہورِ امامؑ میں تاخیر کروا رہے ہیں۔آپ کی وجہ سے تو امامؑ اگر آتے بھی ہوں تو نہ آئیں کیونکہ امامؑ کو تو اس وقت آنا ہے جب کوئی دیندار باقی نہ رہ جائے۔یہی غلط تصور ہے کہ جس کی وجہ سے آلِ محمدؐ کے ماننے والے ۱۴۰۰ سالوں کے بعد اب اس دور میں جمود کا شکار ہو گئے ہیں۔

لیکن یہ بالکل غلط بات ہے۔بلکہ احادیث میں تو اس کے بالکل الٹ بات بتائی گئی ہے کہ ﴿''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنْفُسِھِمْ'' سورہ رعد 11﴾ خدا اُس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔

جب تک کہ وہ خود اپنی حالت بدلنے کو تیار نہ ہو جائیں۔ تمام روایتیں اس چیز پر متفق ہیں کہ ظہورِ امامؑ ہو نہیں سکتا جب تک کہ ظہورِ امامؑ سے قبل ایک چھوٹا سا اسلامی انقلاب نہ آ جائے۔ جب تک ایک ایسا انقلاب نہ آ جائے جو درحقیقت آنیوالے امامؑ کے انقلاب کا پیش خیمہ ہو۔ یہ تو معصومؑ نے حتمی طور پر کہا اور ساتھ ساتھ علامتوں کی روشنی میں یہ طے کیا گیا کہ وہ انقلاب اسی ایران کی سرزمین پر آئے گا۔ الٰہی عالمی انقلاب آ نہیں سکتا' امامؑ ظہور نہیں کریں گے۔ جب تک ایک جماعت نہ کھڑی ہو جائے کہ جس کا نعرہ یہ ہو کہ ہم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا چاہتے ہیں۔

اور جب تک وہ جماعت اپنے انقلاب کو نزدیکی ممالک میں درآمد نہ کریں۔ بس ایک چھوٹے انقلاب کا آنا ضروری ہے اور یہ چھوٹا انقلاب اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب فوج کا انتخاب کیا جاتا ہے تو پہلے تحقیق کی جاتی ہے کہ ان میں سے کون ہیں جو بزدل نہیں ہیں اور میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے والے نہیں ہیں۔ وہ کون ہیں جو اپنی جان قربان کرنے کے لیے ۱۰۰ فیصد ہی تیار اور آمادہ ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کتنی چھان بین کی جاتی ہے' کتنے انٹرویو لئے جاتے ہیں۔ جسمانی اور ذہنی صحت کا جائزہ لیا جاتا ہے اور پھر ایک شخص اس دنیاوی فوج میں ملازمت کر سکتا ہے۔

تو امامؑ کو ایسی فوج چاہئے کہ جس میں کوئی منافق، کوئی بزدل نہ ہو۔ کوئی ایمان اور عمل کے اعتبار سے کمزور نہ ہو۔ تو یہ چھوٹا انقلاب درحقیقت امتحان ہو

گا جسمیں دیکھا جائیگا کہ وہ کون کون ہیں' جو امامؑ کے انقلاب کیلئے تمام تر قربانی دینے کیلئے آمادہ ہیں۔ یہ ایک طرح سے فوجی بھرتی کی جا رہی ہے۔ اور اس امتحان سے فیصلہ ہو جائے گا کہ کھرا کون ہے کھوٹا کون ہے۔

اس لئے روایتوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امامؑ کے آنے کے بعد امامؑ پر سب سے بڑا اعتراض ماننے والے کریں گے اور اعتراض یہ ہوگا کہ یہ شخص (یعنی امامؑ) ایک نیا دین لے کر آیا ہے۔ یہ تو ایسی ایسی باتیں بتا رہا ہے جو ہم نے اور ہمارے باپ دادا نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ ایک اعتراض یہ ہوگا کہ یہ قتل و غارت گری کرنیوالا ہے۔ اس کو سوائے تلوار چلانے کے اور کچھ نہیں آتا۔ تو لشکرِ امامؑ میں وہی شخص شامل ہوگا جو ذہنی طور پر بھی امامؑ کا فرمانبردار ہو۔

لہٰذا وہ شخص لشکر امامؑ میں کیسے شامل ہو سکتا ہے کہ جو یہ اعتراض کرے کہ جی ہم نے تو اس ایرانی انقلاب کے بعد نئی نئی باتیں سنی ہیں۔ نئے نئے فتوے آ رہے ہیں۔ نئے نئے احکامات بتائے جا رہے ہیں۔ یہ کیسا اسلام ہے؟ اور کبھی امتحان بس یہی ہوگا۔ جو آج اس چھوٹے انقلاب پر اعتراض کر رہا ہے وہ کل اس بڑے انقلاب پر بھی اعتراض کرے گا۔ جو آج ایک نائب امامؑ پر اعتراض کر رہا ہے کل وہ امامؑ پر بھی اعتراض کرے گا۔ جو آج اعتراض کرنیوالوں کی صف میں شامل ہے وہ کل دشمنانِ امامؑ کی صف میں شامل ہوگا۔

دنیا والوں کو اندازہ ہو گیا ہے کہ یہ چھوٹا انقلاب بڑے انقلاب کی تیاری ہے۔ اسی لیے اس چھوٹے انقلاب کو پھلنے پھولنے نہ دو۔ اسے باقی نہ رہنے

دو۔ جتنا ہو سکے اس انقلاب کو ناکام بناؤ۔ اور اس کو ناکام بنانے کے لئے دشمنانِ اسلام نے پہلے اپنے جاسوسی کے نظام کو مضبوط کیا اور ان تمام لوگوں کو استعمال کیا جو شاہ پسند اور ساواک کے ایجنٹ تھے۔ اور جب دیکھا کہ اس سے کام نہیں چل رہا تو علی الاعلان عراق نے سرزمین ایران پر حملہ کیا اور جب دیکھا کہ اس میں بھی ہمیں منہ کی کھانا پڑ رہی ہے اور اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہم بھاگنا چاہتے ہیں لیکن ہمیں بھاگنے نہیں دیا جا رہا۔ ہم جان بچانا چاہتے ہیں لیکن پھندے میں پھنس چکے ہیں۔ تو انہوں نے یہ سازش کی کہ دیکھو کہ یہ انقلاب آیا کیسے اور کامیاب کیسے ہوا۔ پتہ چلا کہ اس انقلاب کے لانے اور کامیاب کرنے میں ۲ چیزیں بہت اہم تھیں۔

1۔ عزاداری امام حسینؑ کہ جس نے ایران کی عوام میں وہ جذبۂ شہادت بھر دیا کہ لوگوں نے سوچا کہ ہم اپنے جوان بیٹوں کی جان بچائیں جبکہ حسینؑ اپنا علی اکبرؑ اسلام کیلئے قربان کر رہے ہیں۔ ہمارے بیٹے تو علی اکبرؑ کی پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ نتیجۃً ایرانی ماؤں نے کفن پہنا پہنا کر اپنے بیٹوں کو میدان جہاد میں بھیجا۔ جب یہ سوچ آئی کہ اگر شوہر شہید ہو جائے تو عورت کتنی پریشان ہوتی ہے مگر یہ سوچا گیا کہ جب ربابؑ اور اُمّ لیلیٰؑ نے اسلام کی خاطر اپنا سہاگ قربان کر دیا تو ہمارا ان کے سامنے کیا مقابلہ۔ نتیجۃً ایرانی بیویوں نے خود اپنے شوہروں کو میدانِ جہاد کیلئے رخصت کیا۔ بس انقلابِ اسلامی ایران کا تمام جذبہ عزاداری حسینؑ سے آیا۔

2۔ اور دوسرا انقلاب کا سبب ایران کے عوام کا اپنے مراجع (یعنی مجتہدین) پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ کسی ایک مرجع کی بات نہیں۔ تمام مراجع کرام پر اعتماد اور سب کا احترام۔ پورے حوزۂ علمیہ کی عزت۔ یعنی روحانیت کی عزت کہ جس کے بارے میں آیۃ اللہ خمینی فرماتے ہیں کہ قم اور نجف کے علماء تو وہ ہیں کہ میں ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ تو یہ سازش سوچی گئی کہ ان کی عزاداری کو ایسا بدل دو کہ صرف رسمی عزاداری رہ جائے اور یہ بھی سوچا گیا کہ انہیں مراجع سے دور کیا جائے۔

(نوٹ: ڈاکٹر مائیکل برائٹ کے انکشافات میں بھی یہی دو سازشیں ذکر ہیں)

مجتہدین کی عزت ان کے دلوں سے ہٹائی جائے۔ اب وہ ایک مقام پر آ کر مجبور ہو گئے۔ آیۃ اللہ خمینی کے بارے میں کوئی زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ ہر قسم کے پروپیگنڈے کے باوجود ایران کی سرزمین کے اندر کسی شخص میں یہ ہمت و جرأت نہیں ہوئی۔ اس لئے دشمنانِ شیعیت اور دشمنانِ اسلام نے یہ سوچ لیا کہ ابھی آیۃ اللہ خمینی کو تو کچھ نہیں کہنا۔ مگر دیگر مراجع کی کردار کشی کی جائے اور اب یہ سازش شروع ہو چکی ہے۔ عزاداری کیلئے یہ سازش کی گئی کہ ذہنوں کے اندر اعتراضات ڈالے گئے اور ذہنوں کو پریشان کیا گیا اور کیا جاتا ہے۔ اور کسی عزادارِ حسینؑ کو تحقیر کی نگاہ میں دیکھنا صحیح نہیں ہے۔ عزادارِ حسینؑ کی آئمہ معصومینؑ کی نگاہ میں عزت اور مرتبہ و مقام جاننے کے لئے احادیث دیکھئے اور ملاحظہ فرمائیے ایک واقعہ۔ آقائے حسین بروجردی کہ جو امام خمینی کے استاد

تھے۔اور امام خمینی، تمام زندگی آقائے بروجردی کے دستِ راست رہے تھے۔ آقائے بروجردی کی بہت عظیم الشان مرجعیت تھی۔آقائے سید حسینِ بروجردی کے شاگردوں میں شہید مطہری جیسا جلیل القدر فلسفی بھی موجود ہے۔

آقائے بروجردی کا واقعہ:

ایک مرتبہ ان کے عزیز ترین شاگردوں میں سے کسی نے سوال کر لیا۔آقائے بروجردی بڑھاپے کی عمر میں ہیں ۸۰ سال سے زیادہ عمر ہو چکی ہے۔تمام سر کے بال سفید ہو چکے ہیں۔اور بڑھاپا جن جن چیزوں کو اپنے ساتھ لے کر آتا ہے وہ تمام چیزیں موجود ہیں۔لیکن ایک چیز کا مشاہدہ کیا گیا کہ آقائے بروجردی کی بینائی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔جوانوں سے بھی زیادہ بینائی مضبوط ہے۔جب کہ تمام عمر ہی کام لکھنے پڑھنے کا رہا۔شاگرد سوال کرتا ہے کہ مضبوط قوتِ بصارت کا سبب کیا ہے؟ جواب دیا کہ جوانی کے دور میں میرے دل میں ارادہ تھا کہ مجھے مجتہد بننا ہے اور اس کیلئے میں بہت محنت کرتا تھا۔لیکن میں بیمار پڑ گیا۔میری آنکھوں کی روشنی کم ہو گئی اور اتنی کم ہو گئی کہ حالتِ جوانی میں بڑی مشکل سے پڑھتا تھا۔میں بڑا پریشان ہوا۔میں نے امامِ زمانہ کی بارگاہ میں استغاثہ اور فریاد کی۔کہ مولا میں آپ کا نائب بننا چاہتا ہوں۔میں دینِ خدا کا خادم بننا چاہتا ہوں۔لیکن ابھی سے آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں تو میں آگے چل کر کیا کروں گا۔استغاثہ کرتا رہا۔چالیسویں دن، رات کو

مجھے ایک بشارت ہوئی۔اس بشارت پر میں نے عمل کیا اور اب تک میری آنکھیں اسی طرح کام کرتی ہیں۔جس طرح عینِ جوانی میں کرتی تھیں۔شاگرد نے سوال کیا کہ وہ بشارت کیا تھی۔جواب دیا کہ مجھے یہ بتایا گیا کہ چہلم قریب آرہا ہے۔چہلم کے موقع پر جب جلوس نکالا جائے گا اور ماتمی حضرات ماتم کریں گے تو ان کے سروں میں خاک ڈالی جارہی ہوگی۔انھیں پسینہ آرہا ہوگا۔کسی ماتمی کے سر پر سے گرنے والی مٹی، جو اس کے جسم کے پسینہ سے آلودہ ہو کر گرے، اسے اٹھا کر اپنی آنکھ پر لگا لینا۔پھر تمہاری بینائی پہ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔میں نے چہلم کے جلوس میں شرکت کی اور ایک ماتمی جو بڑے خلوص کے ساتھ ماتم کررہا تھا۔میں نے اس کے جسم سے مس ہو کر گرنے والی مٹی کو اٹھایا اور اپنی آنکھوں سے لگایا۔

مرجع کی نظر میں تو ایک عزادارِ حسینؑ کا یہ مقام ہے۔عزادارانِ حسینؑ کو حقیر مت سمجھا جائے۔(کمی اور خرابی ہر ایک میں ہوتی ہے۔اس خرابی کو دور کرنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے)۔عزاداری کی اہمیت کو نہ گھٹایا جائے یہ سوچ کر کہ عزاداری میں فعلِ حرام ہو رہے ہیں۔یقیناً جس انداز میں ہماری عزاداری ہے، اس میں بعض مقامات پر جذبات زیادہ ہو جانے کی بناء پر اور علم کم ہونے کی بناء پر کچھ ایسے امور بھی شامل ہو گئے ہیں جن کا عزاداری اور دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔مگر ان خرابیوں کی بناء پر ہم پوری عزاداری کو غلط نہیں کہہ سکتے۔یہ کون سی منطق ہے۔کونسی عقل کے اندر یہ بات آتی ہے۔

مثلاً اگر کسی مسجد میں کوئی غلط کام ہونے لگے تو اس غلط کام کو روکنا چاہئے۔ مگر اس غلط کام کی وجہ سے مسجد کو گرانا بیوقوفی ہے۔ لہذا ایسے موقع پر مسجد کی توہین و بے حرمتی نہ کرو۔ یہ مت کہو کہ اس مسجد میں کون جائے' وہاں تو فعلِ حرام ہوا کرتے ہیں۔ مسجد مسجد ہی رہے گی۔ اس کے احترام میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ اگر چہ اس مسجد میں فعلِ حرام بھی ہو رہا ہے۔ لہذا اگر عزادارانِ حسینؑ نماز نہیں پڑھتے یا پردے کا اتنا خیال نہیں رکھتے تو انھیں سمجھانا اور بتانا ہے۔ مجالس میں بھر پور شرکت کریں لیکن ساتھ کوئی حرام کام نہ ہو۔ ماتم کیجئے لیکن اس انداز سے کہ نماز پر کوئی فرق نہ آئے۔

نماز میں آنیوالے خیالات کا علاج:

کسی نے معصومؑ سے سوال کیا مولا جب میں نماز پڑھتا ہوں تو ادھر ادھر کے خیالات آتے ہیں کیا حل ہے؟ فرمایا۔ جب تو نماز پڑھے تو یہ خیال ذہن میں رکھ کر نماز پڑھ کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ خیال نہ رکھ پائے تو یہ تصور کم از کم ذہن میں رکھ لے کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔

نماز جان بوجھ کر ترک کرنیوالا: کافر: مفہومِ حدیث؟

ایک شخص نے آکر سوال کیا۔ مولا اَکْبَرُ الْکَبَائِر کونسے ہیں؟ اکبر الکبائر یعنی بڑے بڑے گناہان کبیرہ۔ گناہانِ کبیرہ میں سے بھی اہم اہم۔ فرمایا۔ ۱۔ کفر، ۲۔ قتل المومن متعمدًا، ۳۔ عقوق والدین، ۴. اَکْلُ مَالِ الْیَتِیم، ۵. اَکْلُ مَالِ الرِّبَاءِ، ۶. الفرار مَن الجهاد، ۷. تَعَرُّب بَعْدَ الهجرة۔ دوبارہ اعرابی بن جانا/ ایسے

علاقہ میں چلے جانا جہاں رہ کر اسلام پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے۔ پھر اسی صحابی نے یہ سوال کیا۔ اَتَرْکُ الصلوۃ اَکْبَرُ مِنْ اَکْلِ مَالِ الْیَتِیم ؟ فرمایا بے شک ایسا ہی ہے۔ پوچھا۔ تو پھر مولا فہرست میں ترکِ صلوۃ نہیں آیا۔ فرمایا۔ دوبارہ دوہرا اور راوی نے کہا۔ مولا نہیں ہے۔ فرمایا۔ پہلا کونسا ہے؟ اس نے کہا کفر۔ فرمایا۔ اسی میں ترکِ نماز کا گناہ آگیا ہے کیونکہ تَرَکَ الصلوٰۃ متعمدًا فَقَدْ کَفَرَ. اور فرمانِ پیغمبر بھی کچھ یہی بتاتا ہے کہ "کفر اور ایمان کے درمیان فرق صرف نماز ہی کا تو ہے"۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا ہے کہ تارک الصلوۃ اس جیسا کافر نہیں کہ جس کا جھوٹا پانی نجس، پسینہ نجس ہوتا ہے۔ جس سے دائمی شادی کرنا حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ فَقَدْ کَفَرَ۔ امامؑ نے اس لئے فرمایا کہ ترکِ صلوٰۃ کرنیوالا شخص کافر سے اتنا متشابہہ ہو جاتا ہے کہ اس کیلئے امامؑ نے "کافر" کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ کفر کے بہت قریب پہنچ جاتا ہے۔ ترکِ صلوۃ کیوجہ سے۔

بہتر یہ ہے کہ زنجیر زنی واجب نماز کی ادائیگی کے بعد کیا جائے کیونکہ اگر نماز کی حالت میں خون نکلا۔ تو خون کے نجس ہونے کی وجہ سے لباس اور جسم نجس ہو جائے گا اور اگر یہ نجاست صاف کرنا ممکن نہ ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھنا ہوگی۔ اس لئے ان مسائل کو پہلے سے سوچ کر اس وقت ماتم کیا جائے کہ جب نماز پڑھ چکے ہوں۔ مثلاً ظہر اور عصر کی نماز پڑھ لی' اب مغرب وعشاء میں کافی دیر ہے۔ اب جتنا چاہے ماتم کیا جائے۔ لہذا اگر ماتمی حضرات ان چیزوں کا خیال نہ کریں تو ہمیں ماتم پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

وہ حضرات جو زنجیر کا ماتم نہیں کرنا چاہتے ہیں ان کیلئے بہتر یہ ہے کہ وہ خون کا عطیہ دیں۔ بجائے اس کے کہ وہ نہ حسینؑ کے نام پر خون نکالیں اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کی مدد کریں۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ یہ حضرات خون کا عطیہ دیں۔ البتہ خون کا عطیہ دیتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ کسی نامحرم عورت کا ہاتھ نہ لگے کیونکہ یہ جائز نہیں اور عورتیں صرف لیڈی ڈاکٹر یا نرس کے ذریعے خون کا عطیہ دیں۔ ایسے دیندار جوان بھی ہیں۔ جوان شرعی مسائل کا خیال رکھتے ہیں۔ بطورِ مثال ایرانی طلباء کی انجمن جس نے خون کے عطیے لینے کا انتظام کیا۔ باقاعدہ لیڈی ڈاکٹر کا انتظام کیا گیا اور پھر اعلان کیا گیا کہ عورتیں بھی خون کا عطیہ دے سکتی ہیں۔ یقیناً عورتوں کے لیے زنجیر کا ماتم / زنجیر زنی تو صحیح نہیں ہے۔ ان کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ خون کا عطیہ دیں۔ لہٰذا ماتمِ حسینؑ کو باقی رکھا جائے۔

زنجیر وقمہ زنی وآگ پر ماتم کے بارے میں آقا خمینیؒ و دیگر مراجع کا نظریہ:

آیۃ اللہ خمینی کا فتویٰ میں آپکی خدمت میں پیش کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ آقائے خمینی نے زنجیر اور قمہ کا ماتم حرام قرار دیا ہے۔ آیۃ اللہ خمینی سے پوچھا جا رہا ہے کہ آپکا نظریہ کیا ہے قمہ زنی کے بارے میں، شبیہہ کے بارے میں، مصائب بیان کرنے کے بارے میں اور عزاداری کے بارے میں۔ انہوں نے صرف جواب دیا اور یہ جواب انسانی فطری لحاظ سے بھی صحیح ہے۔

﴿در وضع موجود قمہ نزنند۔۔۔۔۔ تا آخر۔﴾

ترجمہ: ''جس انداز سے آجکل لوگ قمہ مارتے ہیں' قمہ نہ ماری جائے اور شبیہہ خوانی صحیح ہے' اگر اس میں کوئی فعلِ حرام نہ ہو۔ منکر عورتوں کی بے پردگی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور سب سے بہتر عمل مصائب کا بیان کرنا ہے۔ اور عزاداری افضل ترعمل ہے۔ خدا کے سب سے زیادہ قریب کرنے والی چیز سید الشہداءؑ کی عزاداری ہے''۔

اب اس تحریر میں کہاں پہ موجود ہے کہ عزاداری کو ختم کیا جائے یا زنجیر یا قمہ کا ماتم نہ کیا جائے۔ صرف انہوں نے اتنا فرمایا ہے جو کہ تمام علماء کہتے ہیں کہ جب خوفِ ضرر ہو تو پھر قمہ یا زنجیر یا ماتم جائز نہیں۔ یعنی جب یہ یقین ہو کہ ہماری جان چلی جائے گی۔ یا ہمارے جسم کا کوئی عضو ضائع ہو جائے گا مثلاً آنکھ پھوٹ جائے گی یا کان کام کرنے کے قابل نہیں رہیں گے یا ہاتھ کٹ جائے گا یا ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ تو اس صورت میں یقیناً ایسا قمہ یا زنجیر یا ماتم کرنا صحیح نہیں ہے کہ جس سے خوفِ ضرر ہو۔ اور باقی مجتہدین بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر خوف ہے کہ جسم یا جسم کا کوئی حصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو جائے گا۔ یا ہڈی ٹوٹ جائے گی یا انسان مر جائے گا تو پھر یہ صحیح نہیں ورنہ بالکل صحیح ہے۔

اور آقا خمینی نے کہا کہ ''جس انداز سے آجکل قمہ ماری جاتی ہے'' کہ ہر سال ایران میں اس قمہ زنی سے یقینی طور پر کچھ لوگوں کی جان بھی جاتی تھی اور

اکثر لوگوں کے جسم کی ہڈی ٹوٹتی تھی اور اگر ایسا نقصان نہ ہو تو نہ قمہ کے ماتم میں کوئی حرج ہے، نہ زنجیر اور نہ آگ کے ماتم میں۔ آیۃ اللہ خمینی کا یہ بھی فتوی ہے کہ تھوڑا بہت جو خون نکلے گا یا اگر اتنا خون نکل آئے کہ چہرے کے اوپر جیسے کسی نے روغن مل دیا ہو تو یہ جائز اور بالکل صحیح ہے۔ اسیطرح خون کا نکل آنا، کھال کا پھٹ جانا، گوشت کا نکل آنا، پاؤں کا جل جانا ان میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ اور یہ جو دلیل دی جاتی ہے کہ جسم اللہ کی امانت ہے اس میں ہم ذرہ برابر تصرف کرنے کے حقدار نہیں تو اس سے مراد صرف اتنا ہے کہ جو چھٹے امامؑ کا فرمان تھا کہ ﴿ ''اَلْمُؤْمِنُ لا یَقْتُلُ نَفْسَهٗ'' ﴾ یعنی مومن کبھی اپنے آپ کو قتل نہیں کرے گا۔ لیکن تھوڑا خون نکل آیا، تھوڑی کھال کٹ جانا، تھوڑا گوشت جل جانا، تھوڑا گوشت کٹ کر گر جانا۔ چونکہ قتل نہیں لہٰذا شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

مولانا دلدار علی المعروف بہ غفران مآب کا جہاد:

اسیطرح بعض مقامات پر ماتم میں جو ڈھول بجایا جاتا ہے یا آگ کے ماتم کے وقت جو چھانج بجائی جاتی ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہندوستان و پاکستان میں جو عزاداری اس وقت آپ کے سامنے ہے یہ عوام کی قائم کردہ نہیں۔ خیال یہی ہوتا ہے کہ عزاداری عوام نے قائم کی ہوگی۔ کسی عالم سے مشورہ نہیں لیا ہوگا۔ اسی لئے اس میں اتنی خرابیاں ہیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ پہلے ہندوستانی مجتہد جن کا اسمِ گرامی جناب مولانا

دلدار علی المعروف بہ غفران مآب تھا۔ اس وقت انہوں نے دیکھا کہ اس عزاداری میں کچھ غلط باتیں شامل ہوگئیں۔ شہنائی بجائی جاتی ہے، روشن چوکی ساتھ میں ہوتی ہے۔ بالکل اسی انداز سے جس طرح شادیوں میں بینڈ باجا بجایا جاتا ہے۔ تو انہوں نے تہیہ کیا کہ عزاداری کو پابندِ شریعت کیا جائے گا۔ چنانچہ ڈھول اور چھانج بجانے کی انہوں نے اجازت دی۔ یہ بالکل جائز ہے کیونکہ یہ آلاتِ موسیقی نہیں۔ موسیقی اور آلاتِ موسیقی کسے کہتے ہیں۔ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن بعض مقامات پر ماتم کے وقت جو چیز بجائی جاتی ہے یا عَلَم کو چڑھاتے وقت جو ڈھول بجایا جاتا ہے یہ بالکل جائز ہے، شرعاً حرام نہیں۔ ہاں عورتوں کا اس انداز سے مجالس یا جلوس میں شرکت کرنا کہ ان کی بے پردگی ہو یہ بالکل حرام ہے۔

یہ خیال نکال دیجئے کہ عزاداری جاہل عوام کی قائم کردہ ہے بلکہ ایک مجتہد نے اپنی نگرانی میں عزاداری کو قائم کیا۔ تعزیہ نکالنا، ذوالجناح نکالنا، یہ بھی اُنہی مجتہد نے رائج کیا تھا۔ یہ سب شریعت کے مطابق چیزیں ہیں۔ جب مولانا دلدار علی المعروف بہ غفران مآب صاحب ہندوستان تشریف لائے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ آلِ محمدؐ کے ماننے والوں پر ہندوؤں کا بہت زیادہ اثر پڑا ہے۔ چنانچہ قسم قسم کے حرام کام عزاداری میں داخل ہوگئے تھے۔ انہوں نے حرام کاموں کو عزاداری سے باہر نکالا۔ پھر انہوں نے یہ دیکھا کہ شادی بیاہ میں بھی بہت سی حرام رسومات آگئی ہیں۔ لہٰذا وہ حرام رسومات نکالیں۔ پھر

انہوں نے یہ دیکھا کہ نذر و نیاز میں بہت سی حرام چیزیں شامل ہوگئی ہیں چنانچہ نذر و نیاز کو بھی شریعت کے مطابق حرام چیزوں سے پاک کیا۔

صحیح نذر و نیاز اور منّت:

ایک اور مسئلہ آپکے سامنے بیان کرنا ہے۔ وہ یہ کہ بعض مقامات کی عورتیں منت مان کر مختلف قسم کے پھلوں کا پھالا اُٹھاتی ہیں اور آنکھ بند کر کے اسمیں سے ایک پھل اُٹھایا جاتا ہے۔ اور جو پھل ہوتا ہے چاہے کیلا ہو یا سیب ہو یا مُسمّی ہو اس پھل کو 40 دن تک اور کبھی منت پوری نہ ہونے تک کھانا حرام سمجھا جاتا ہے۔ کیا اس قسم کی منت جائز ہے؟ اسی طریقے سے ایک وہ منت بھی ہوتی ہے جس میں آدھے دن کا روزہ رکھا جاتا ہے۔ ایک وہ منت ہے جس کی شرط یہ ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا پڑے گا بیٹھ کر نہیں کھا سکتے۔ ایک اور منت ہے کہ عورت غسل خانے میں نہائے اور سیدھی کمرے میں آئے کسی مرد کی اس پر نگاہ نہیں پڑنی چاہیئے۔

چنانچہ وہ مقامات جہاں Attach Bath کا سلسلہ رائج ہے وہاں پر تو اس منت پر عمل کرنا عورتوں کیلئے آسان ہے۔ لیکن وہ مقامات جہاں غسل خانے سے کمرے تک آنے کیلئے فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ وہاں ان بے چاری عورتوں کو بہت زیادہ زحمت اُٹھانا پڑتی ہے۔ اپنی اِس منت کو پورا کرنے کیلئے غرض یہ کہ اسی قسم کی اور بہت قسم قسم کی منتیں ہیں۔ تو منت کے بارے میں ایک مسئلہ سنتے جائیے۔ جبکہ مجھے پتہ ہے کہ جب میں یہ مسئلہ بیان کروں گا تو

مردوں اور عورتوں دونوں کی جانب سے اعتراض ہوگا۔ ایک مرتبہ کہا جائے گا کہ جی ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ نذر و نیاز کے قائل نہیں۔ دیکھئے آج تو انہوں نے منبر سے یہ مسئلہ بیان کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ لوگ صحیح ہیں جو آجکل نذر پر اعتراض کر رہے ہیں۔

مجھے یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ پیدا ہوگیا ہے جس کا یہ کہنا ہے کہ نذر و نیاز صحیح نہیں ہے۔ تم کس کو پکارتے ہو؟ تم کس کو یہ نذر دیتے ہو۔ وہ معصومینؑ تو سارے مر چکے ہیں۔ اللہ کے رسولؐ تو مٹی میں مل چکے ہیں۔ اب رسولؐ کو کیسے پکار رہے ہو۔ رسولؐ کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے۔ اب کس نے کہا ہے (محمد بن عبدالوہاب)۔ میں کیا اس کی وضاحت کروں لیکن اس کا یہ فقرہ کتابوں میں موجود ہے کہ ﴿عَصَایَ خَیْرٌ مِنْ مُحَمَّد﴾ اُس کے ہاتھ میں چھڑی / عصا تھا۔ کہنے لگا کہ میرا یہ عصا حضرتِ محمدؐ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ محمدؐ تو مر گئے۔ وہ تو معاذ اللہ قبر کی مٹی میں مل گئے۔ اب وہ ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن میرا یہ عصا‘ اس سے میں ٹیک لگا کر کھڑا ہوتا ہوں۔ اس سے میں راستہ چلتا ہوں۔ اس سے میں جانوروں کو ہانک سکتا ہوں۔ تو یہ عصا فائدہ پہنچانے والی چیز ہے اور رسولؐ کیا فائدہ پہنچائیں گے۔

لیکن نذر کا مسئلہ یہ ہے کہ تمام فقہاء کا فتویٰ ہے کہ نذرِ شرعی بھی ایک عبادت ہے۔ (توضیح المسائل میں نذر سے متعلقہ مسائل پڑھیں)۔ دورِ آخر کے مجتہدین فرماتے ہیں کہ صحیح نذر، ایسی نذر ہے جو خدا سے کی جائے‘ اس لئے

کہ نذر ایک عبادت ہے اور عبادت صرف خدا کی جائز ہے غیرِ خدا کی جائز نہیں۔

سورہ دہر کو اٹھا کر دیکھ لیں۔ وہ سورۃ جو اہلبیتؑ کی نذر پوری ہونے کے بعد ان کی قربانی و ایثار کرنے پر نازل ہوا۔ اس میں یہ واضح طور پر موجود ہے کہ یہ لوگ اللہ کیلئے نذر کرتے ہیں۔ لوگ سے مراد اہلبیتؑ ہیں کہ جن کا ذکر اسی سورۃ میں آیا ہے۔ تو شرعی نذر صرف خدا کیلئے کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس نذر کا متعلق معصومینؑ کو قرار دیا جا سکتا ہے یعنی نذر اللہ سے کریں اور نذر پورے ہونے کی جگہ معصومینؑ کو قرار دیں۔ مثلاً میں اللہ سے نذر کرتا ہوں کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں بی بی سیّدہؑ کے نام پر کچھ شیرینی یا کچھ پھل صاحبانِ ایمان کو کھلاؤں گا۔ میں اللہ سے نظر کرتا ہوں کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں حسینؑ کی زیارت کیلئے جاؤں گا۔ آپ نذر اللہ سے کریں اور نذر پوری ہونے کے بعد والا وعدہ معصومینؑ سے متعلق کریں۔ یہ ہے صحیح اور عمدہ نذر کا طریقہ۔ لیکن نذر میں یہ خیال رہے کہ اس میں غیر شرعی کام نہ ہونے پائیں اور فضول قسم کے رسم و رواج داخل نہ ہونے پائیں۔ مثلاً یہ کہ نذر میں کھڑے ہو کر نذر کھائی جانے کی ایک شرط لگا دی جاتی ہے۔ اکثر مجتہدین نے اس شرط کو مباح قرار دیا ہے۔ لیکن کھڑے ہو کر کھانا کھانا کسی بھی مجتہد کے نزدیک نہ ہی بہتر ہے اور نہ ہی سنت۔ اسیطرح کھڑے ہو کر کھانا کھانا مکروہ ہے۔ جبکہ ہم نے نذر میں یہ شرط لگا دی کہ کھڑے ہو کر کھانا ہے۔ یعنی نذر کی انجام

دہی / دورانِ عبادت مکروہ کام کرنا ہے۔

یہ کونسی عقل ہے؟ یہ کونسی شریعت ہے؟ یہ کونسا اسلام ہے؟ ہاں یہ ہمارے گھروں کا بنایا ہوا اسلام ہے۔ جس میں ہر وہ کام ہوگا جو معصومینؑ کی سیرت کے خلاف ہوگا۔ مثلاً وہ نذر کہ جس میں آنکھیں بند کر کے ایک پھل اٹھایا جائے گا اور اس پھل کو کھانا حرام سمجھا جاتا ہے کہ جب تک منّت پوری نہ ہو جائے۔ سوچنے کی بات ہے کہ آپ نے منت اللہ سے کی ہے۔ اور اللہ کسی مصلحت کے تحت وہ نذر پوری نہیں کر رہا تو اس بے چاری مُسَمّی یا سیب نے کیا قصور کیا ہے؟ کہ ہم اسے گھر میں لا کر رکھیں' 40 دن تک یا منت کے پوری ہونے کی مدت تک اور اس طرح اس نعمتِ خدا کو ضائع کریں۔ جبکہ کوئی بھی چیز ضائع کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ اسراف میں آتا ہے اور اسراف یعنی فضول خرچی حرام ہے۔

اپنے مال کو ضائع کرنا حرام ہے:

مجتہدین کا فتویٰ ہے کہ آپ اپنے مال کو آگ نہیں لگا سکتے۔ مجتہدین یہ بھی فرماتے ہیں کہ مثلاً میں نے مرغی پالی ہے۔ چونکہ میری مرغی ہے۔ اب میں اسے مار دوں۔ میں نے پتھر اٹھایا اور اسے مار دیا۔ مجتہدین فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے۔ کیونکہ بے شک یہ میری ملکیت تھی لیکن اس سے فائدہ اٹھانا تو ممکن تھا۔ اسے آپ نے ضائع کیا۔ یہ اسراف اور فضول خرچی ہے۔ مجتہدین فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک روپے کا نوٹ لیا اور اس کو آگ لگا دی کہ یہ میرا

پیسہ ہے۔ میں چاہے جو مرضی کروں۔ میں اس کو ضائع کر رہا ہوں۔ شریعت اس چیز کی اجازت نہیں دیتی۔ کیونکہ یہ بھی اسراف اور حرام ہے۔

ایک اور مسئلہ سنتے چلیں۔ جو آیۃ اللہ خمینی سے پوچھا گیا کہ یہ جو ہم گھروں میں نل/ٹونٹی کھول کر چلے جاتے ہیں۔ پانی بہتا رہتا ہے۔ اس کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ فرمایا کہ اگر اتنا پانی بہہ جائے کہ عام آدمی کہے کہ پانی کا اِسراف ہوا ہے' تو یہ بھی حرام ہے۔ ہم اپنے گھروں سے چلے جاتے ہیں۔ جیسا کہ Tube lights یا Bulb یا پنکھے چلتے چھوڑ گئے کہ خیر ہے' پیسے دیدیں گے۔ بعد میں بجلی کا بل ادا کر دیں گے۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر لوگ یہ کہیں کہ فضول خرچی کر رہے ہو یعنی اس کو عرفِ عام میں فضول خرچ شمار کیا جائے تو یہ بھی فعلِ حرام ہے۔ کیونکہ شریعت مومن کے مال کو محترم سمجھتی ہے۔ یہ بھی فعلِ حرام اور گناہ ہے کہ ایک پھل کو ضائع کیا جائے۔ آپ خدا سے جھگڑا کیجیے جس نے مصلحت کے تحت آپ کی منت کو پورا نہیں کیا اس بیچارے پھل کا کیا قصور ہے؟ آپکا غصہ اس پھل پر کیوں نازل ہو رہا ہے؟۔ یہ شرعاً بالکل غلط منت ہے اور خلافِ عقل ہے۔

لہٰذا بعض ایسے کام ہماری عورتیں کرتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اہلبیتؑ کا مذاق اڑایا جاسکتا ہے۔ مجتہدین نے دو شرطیں مختلف امور عزاداری (قمہ' زنجیر' ماتم' ڈھول' تعزیہ نکالنا، ذوالجناح نکالنا' وغیرہ) کے بارے میں لگائی ہیں۔

۱۔ یہ کہ خوفِ ضرر نہ ہو۔

۲۔ یہ مذہب کے مذاق اڑائے جانے کا سبب نہ بن جائے۔

اگر مذہب کا مذاق اڑ رہا ہے تو فرماتے ہیں کہ اس میں بھی آپکو احتیاط کرنا پڑے گی۔ جب وہ چیزیں کہ جو اہم ترین ہیں (یعنی عزاداری)' جب ان کیلئے یہ شرط ہے کہ مذہب کے مذاق اڑائے جانے کا سبب نہ بنے تو اس قسم کی نذر و نیاز میں' یہ خلافِ شریعت اور خلافِ عقل چیزیں کہاں سے آئیں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ہر سال دو سال کے بعد ایک نئی قسم کی منت ایجاد ہو جایا کرتی ہے۔ اور بڑی تیزی سے رائج ہو جاتی ہے۔ صرف اس لئے کہ ہماری عورتوں کو نہ شریعت کا پتہ نہ فقہی مسائل کا۔ کیونکہ علمِ دین حاصل نہیں کرتیں۔

یہ کیا حماقت کی باتیں ہیں کہ اگر آپ غسل خانے سے نہا کر نکلیں اور اگر مرد کی نگاہ پڑ گئی تو آپ کی منت بیکار ہو گئی۔ آپ کی منت باطل ہو گئی۔ یہ کیسی عجیب منت ہے۔ یہ کیسی عجیب نذر ہے۔

یہ کچھ باتیں بہت technical ہوتی ہیں۔ مجھے تو پتہ نہیں ہے یہ نذر کرنے والے اور کرنے والیاں جانتی ہیں۔ اور اتنی زیادہ technical ہوتی ہیں کہ جس طرح ہم ایک ریڈیو یا T.V خرید کر لائیں تو ساتھ میں ایک چھوٹا سا کتابچہ ملتا ہے۔ جس میں تفصیل لکھی جاتی ہے کہ اس طرح کیا جائے' اس طرح کیا جائے۔ یہ پرزہ فلاں مقام پر ہے۔ یہ تار فلاں مقام پر ہے۔ اگر یوں ہو

گیا تو یہ خرابی ہو جائے گی اور اگر یوں ہو گیا تو وہ خرابی ہو جائے گی۔ میں نے سنا ہے کہ ان منتوں کے بارے میں بھی کوئی چھوٹی سی کتاب چھپتی ہے کہ اس طرح نہایا جائے' ایسے کپڑے پہنے جائیں۔ اس طرح کا دسترخوان ہو۔ یہ یہ چیزیں ہوں۔ اب میری بدقسمتی کہ میں اس عظیم کتاب کا مطالعہ نہیں کر سکا ہوں۔ لیکن شاید اس میں کہیں یہ بھی موجود ہو کہ کسی کی بھی نگاہ پڑ جائے چاہے شوہر کی بھی' تو منت باطل ہو جائے گی۔ اگر یہ شرط موجود ہوئی تو یہ منت ماننا حرام بن سکتی ہے۔

اس لئے کہ بیوی کے لیے اپنے شوہر سے پردہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (یہ جدید جدید منتیں ہماری عورتوں کے عقیدہ کے کمزور ہونے کا نتیجہ ہے)۔ اس قسم کی منتیں نہ قرآن میں نظر آتی ہیں' نہ کتبِ اربعہ میں' نہ سیرتِ معصومینؑ میں' نہ بحارُ الانوار میں۔ یہی تو شکوہ ہے کہ ایک اللہ کا اسلام، معصومینؑ کا اسلام، اور ایک ہمارے گھر کی فیکٹریوں میں بنایا گیا اسلام ہے جس میں دنیا بھر کی لغویات کو بھر دیا گیا ہے۔

مصائب:

ایک یہ عورتیں ہیں ہمارے گھروں کی جو دین کو بگاڑ رہی ہیں اور ایک وہ عورتیں ہیں جنہوں نے دین کو سنوارا تھا۔ وہ سیدانیاں جو اپنے لعل تیار کر کر میدانِ جہاد میں بھیجتی تھیں۔ یہاں تو بیبیوں نے اتنی قربانیاں دیں لیکن ان کے دل میں کیا کیا نہ آیا ہو گا کہ ہمارا نانا رسولؐ ہے، ہمارے ساتھ یہ ظلم کیا جا رہا

ہے۔ یہاں بیبیاں کچھ نہ کہہ سکیں لیکن جب بارگاہِ الٰہی میں پہنچیں گی، جب میدانِ حشر میں الٰہی عدالت لگے گی' وہاں ضرور شکوہ کریں گی۔ خداوندا تیرے دین کو بچانے کیلئے ہم نے اتنی قربانیاں دیں اور ہم پر اتنے مظالم ڈھائے گئے۔ چنانچہ مقررین اور ذاکرین پڑھتے ہیں کہ سید ابن طاؤس "مقتلِ لہوف" میں لکھتے ہیں کہ جب میدان قیامت میں لوگوں کو صف در صف کھڑا کیا جائے گا۔ ایک مرتبہ صدا آئے گی۔

﴿یا اَهلَ المَوقِف غُضُوا اَبصارَکُم﴾۔ اے میدانِ قیامت میں کھڑے ہوئے لوگو! اپنی آنکھیں بند کر لو اس لئے کہ رسولؐ کی بیٹی فاطمہؑ آ رہی ہیں۔ یہ حکم نہ صرف تمام انسانوں کو ہو گا بلکہ انبیاء کو بھی ہو گا۔ آدمؑ تم بھی اپنی آنکھیں بند کرو۔ نوحؑ تم بھی اپنی آنکھیں بند کرو۔ ابراہیمؑ' موسیٰؑ، عیسیٰؑ آنکھیں بند کرو' بنتِ رسولؐ آ رہی ہے۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ ایک مرتبہ رسولؐ سے کہا جائے

وَیلٌ لِاَولادِ آخِرِ الزَّمانِ، مِنْ آبائِهِم فَقِیلَ یا رَسُولَ اللّٰه .مِنْ آبائِهِمُ المُشرِکِینَ ؟فَقالَ لا ،مِنْ آبائِهِمُ المُؤمِنِینَ ، لا یُعَلِّمُونَهُم شَیئًا مِنَ الفَرائِضِ وَاِذا تَعَلَّمُوا اَولادُهُم مَنَعُوهُم وَرَضُوا عَنهُم بِعَرَضٍ یَسِیرٍ مِنَ الدُّنیا فَاَنا مِنهُم بَرِیءٌ وَهُم مِنِّی بُراءُ

(مستدرک الوسائل جلد دوم)

آخری زمانے کی اولاد پر انکے والدین کی غلط روش کی وجہ سے مصیبت ہے۔ پوچھا گیا مشرک والدین کی روش کی وجہ سے فرمایا نہیں مومن والدین کی وجہ سے جو اپنی اولاد کو دینی واجبات کے متعلق کچھ نہیں سکھاتے اور اگر وہ بچے دین سیکھنا چاہیں تو انہیں منع کر دیتے ہیں اور اس اولاد کے ذریعے دنیا کا تھوڑا سا مال آنے پر راضی ہو جاتے ہیں میں ایسے والدین سے اور وہ اپنے عمل کے ذریعے مجھ سے بیزاری کا اعلان کر رہے ہیں

اے میرے حبیب! آپ بھی اپنی آنکھیں بند کرلیں۔علیؑ، آپ بھی اپنی آنکھوں کو بند کرلیں۔ یقیناً رسولؐ اور علیؑ دریافت کریں گے۔ خداوندا ہم اپنی آنکھیں کیوں بند کریں۔۔رسولؐ فرمائیں گے میری بیٹی آرہی ہے۔علیؑ کہیں گے میری بیوی آرہی ہے۔آوازِ قدرت آئے گی نہیں۔آج فاطمہؑ ایسی حالت میں آرہی ہیں کہ آپ فاطمہؑ کو نہ دیکھ سکیں گے۔فاطمہؑ کے ایک ہاتھ میں علی اصغرؑ کا کرتہ، ایک ہاتھ میں عباس کے کٹے ہوئے بازو، فاطمہؑ کے ساتھ محسنؑ کی سقط شدہ لاش، فاطمہؑ کے ہاتھ میں علی اکبرؑ کا کرتہ، حسینؑ کا عمامہ، فاطمہؑ کے ہاتھ میں امام حسنؑ کے جگر کے ٹکڑے، ایسی حالت میں فاطمہؑ آئیں گی۔اور عدالتِ خدا کا دروازہ کھٹکھٹائیں گی۔خداوندا دیکھ مجھ پر کیسا ظلم ہوا۔دیکھ میرے جگر گوشے میدانِ کربلا میں کس طرح ذبح کئے گئے۔اور فریاد کریں گی۔خداوندا ایک مرتبہ میرے لعل حسینؑ کو مجھ دکھیاری ماں سے ملادے۔میرا حسینؑ کدھر ہے۔ندا آئے گی۔﴿ اُنظُر اِلٰی قَلبِ المحشر﴾۔میدانِ قیامت کی جانب دیکھو۔اور فاطمہؑ دیکھیں گی۔﴿الحسینُ هو قائمٌ بِلا رَاْس۔﴾

دکھیاری ماں اپنے لعل کو دیکھے گی کہ میرا بیٹا حسینؑ اور اس کا سر کٹا ہوا ہے۔بس ایک مرتبہ' ہائے میرا لعل' ہائے میرا بیٹا' ہائے میرا حسینؑ کہہ کر بیہوش ہو جائیں گی۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

حقیقی اسلام اور تخلیقی اسلام۲

﴿اِنَّ الدِّینَ عِندَاللہ اُلاِسلام﴾

بے شک اللہ کے نزدیک دین تو بے شک اسلام ہے۔

کیا حقیقی اسلام اور اس اسلام میں جو ہمارے اور آپکے گھروں میں، ہمارے اور آپکے معاشرے میں' ہماری آپکی زندگیوں میں رائج ہے یا دونوں میں کوئی فرق ہے؟ اور یہ اسلامِ حقیقی ہمیں تب تک نہ مل سکے گا کہ جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ کونسی ہستیاں ایسی ہیں جو حقیقی اسلام دیں گی۔ جب تک ہمیں اس گھر کا پتہ نہ چلے' جب تک ہمیں اس در کا پتہ نہ چلے تب تک ہم خدا کا منتخب شدہ دین حاصل نہ کر سکیں گے۔

فضائلِ مولا علیؑ:

چنانچہ شیخ بہائی اپنی کتاب ''کشکول'' میں یہ واقعہ درج کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص امیرالمومنینؑ کے پاس آیا۔آنیوالا دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا علیؑ حقیقی وارثِ قرآن ہیں یا نہیں؟ اور ایک ایسے مسئلے کے بارے میں پوچھا جو جانوروں کے مالکوں کو پیش آسکتا ہے۔کہا: یا امیرُ المومنینؑ، میرے پاس بکریوں کا ایک گلہ ہے اور میں نے ان کی نگرانی کے لئے ایک کتا رکھا ہوا ہے' جو اِن بکریوں کو بکھرنے سے بچاتا ہے۔لیکن اب میری ایک بکری کے ہاں

ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس میں کتے کی بھی صفات ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بکری ہے یا کتا۔ اگر بکری ہے تو پاک بھی ہے اور اس کا کھانا حلال بھی اور اگر کتا ہے تو نجس بھی ہے اور اس کا کھانا حرام بھی ہے۔ یا امیر المومنینؑ آپ بتایئے کہ میں کیا کروں؟۔ مولا نے فرمایا اے شخص اس کی بولی کو سُن۔ اگر یہ کتے کی طرح منہ اٹھا کر روتا ہے تو یہ کتا ہے اور اگر یہ دیکھ کہ بکری کی طرح بولتا ہے تو سمجھ لے کہ یہ بکری کا بچہ ہے۔

وہ سائل کہتا ہے یا امیر المومنینؑ، میں یہ کر کے دیکھ چکا ہوں۔ کبھی وہ کتے کی طرح منہ اٹھا کر رونے لگتا ہے اور کبھی بکری کی طرح بولنے لگتا ہے۔ میرے مولا نے کہا: پھر اسے پانی پیتا ہوا دیکھ، اگر کتے کی طرح زبان سے چاٹ کر پیتا ہے تو کتا اور اگر بکری کی طرح پاؤں کو موڑ کر جھکتا ہے اور گھونٹ لے لے کر پانی پیتا ہے تو سمجھ لینا کہ بکری ہے۔ کہا یا امیر المومنینؑ یہ بھی کر چکا ہوں۔ کبھی کتے کی طرح پانی پیتا ہے، کبھی بکری کی طرح۔ مولا نے فرمایا: ایسا کر اپنے گلّے کے ساتھ لے کر چل، اگر گلّے کے درمیان بکریوں کے ساتھ چلتا ہے تو سمجھ جا کہ یہ بکری ہے اور اگر گلّے سے ہٹ کر کنارے کنارے چلتا ہے' جس طرح حفاظت کرنیوالا کتا' تو سمجھ لے کہ یہ کتا ہے۔ اس شخص نے کہا۔ یا امیر المومنینؑ یہ بھی کر کے دیکھ چکا ہوں۔ کبھی گلّے کے بیچ میں چلنے لگتا ہے' کبھی گلّے سے ہٹ کر کنارے کنارے چلنے لگتا ہے۔

مولا نے فرمایا اس کے آگے گوشت کا ٹکڑا ڈال دے۔ اگر گوشت کو منہ

لگا لیتا ہے تو سمجھ لے کہ یہ کتا ہے اور اگر منہ پھیر لیتا ہے تو سمجھ لے کہ بکری۔ کہا، یا امیر المومنینؑ، یہ بھی کر کے دیکھ چکا ہوں "بعض اوقات گوشت کھانے لگتا ہے اور بعض اوقات منہ موڑ لیتا ہے۔ مولا نے فرمایا اسے ذبح کر، اگر اس کے پیٹ میں ایک آنت نکلے، جس طرح کتے کے پیٹ میں ہوتی ہے تو اسے کتا سمجھ اور اگر بکری کی طرح کئی آنتیں نکلیں تو بکری سمجھ۔ ایک مرتبہ یہ کہتا ہوا، امیر المومنینؑ کے قدموں میں گرا کہ یا امیر المومنینؑ! نہ میرے یہاں کوئی بکری ہے نہ کوئی کتا، نہ میرے یہاں کوئی ایسا بچہ پیدا ہوا ہے۔ میں تو آپکا امتحان لینے آیا تھا لیکن آپ نے تو میرے سوال کے جواب میں علم کا دریا بہا دیا۔

آنیوالے نے سوچا تھا کہ اہل بیتؑ کا علم بھی ہماری طرح مشاہدے پر مبنی ہوگا۔ جس چیز کا مشاہدہ کیا ہوگا اسی کا جواب دے سکیں گے۔ کتا اتنا نجس ترین جانور ہے کہ اہلبیتؑ کی طہارت کا تقاضہ یہ ہے کہ نجس ترین جانور کتے کے نزدیک اہل بیتؑ کبھی نہ جائیں اور گئے بھی نہیں' پالا بھی نہیں۔ آنیوالا سوچ رہا تھا کہ اگر اس کے بارے میں سوال کروں گا تو کیسے اہل بیتؑ جواب دیں گے۔ اُسے کیا پتہ تھا کہ وہ جن سے سوال کرنے جا رہا ہے، ان کا علم نہ کسی استاد کا محتاج ہے، نہ تجربے اور مشاہدے کا محتاج ہے۔ وحیِ ربانی سے حاصل کیا ہوا علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معصومینؑ نے یہ فرماتے ہوئے زندگی گزار دی کہ اَلْعِلْمُ حَرْبِیْ۔ جب ہم کسی سے لڑتے ہیں تو ہمارا اسلحہ تیر نہیں، تلوار نہیں، بلکہ علم ہوتا ہے۔ میری جنگ علم کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ علم ہے کہ

جس کے ذریعے ہم اپنی امامت ثابت کرتے ہیں۔اسی لئے مسلسل تین معصوموںؑ سے یہ حدیث ہے کہ دنیا میں جتنی عورتیں ہیں اور دنیا میں جتنے مرد ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔عالم ۲۔طالب علم ۳۔کوڑا کرکٹ، خس و خاشاک، کیڑے مکوڑے، جن کی کوئی اہمیت نہیں۔ پھر فرمایا: ہم ہیں عالم اور طالب علم ہمارے ماننے والے ہمارے شیعہ ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب کے سب خس و خاشاک ہے۔میرے مولا نے بتایا کہ علیؑ کا جو ماننے والا طالب علم نہیں ہے، علم حاصل نہیں کر رہا، وہ کوڑا کرکٹ کے برابر ہے وہ اٹھا کر پھینک دینے کے قابل ہے۔اور جب کبھی علیؑ کے ماننے والوں نے علمِ دین حاصل کرنا چھوڑا تو اسلام ان کے گھروں سے رخصت ہو گیا۔

شیطان کا انٹرویو:

وہ روایت تو آپ نے سنی ہی ہوگی کہ جس میں معصومؑ فرماتے ہیں کہ شیطان کو اس کے خدا سے مانگنے پر انسان کو بھٹکانے اور گمراہ کرنے کیلئے کچھ اختیارات دیئے گئے۔اس کے بعد حضرت آدمؑ نے بھی اختیارات طلب کئے تو خداوند تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ انسان کیلئے مرتے دم تک کھول دیا۔ ہر بڑے سے بڑا گناہ کر لینے کے بعد، اگر توبہ کرے گا تو خدا اسے معاف کر دے گا۔گناہ چاہے کوئی بھی ہو، کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ ہو۔خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اگر گناہگار حقیقی توبہ، خلوصِ نیت کیساتھ توبہ کرے تو خدا معاف کر دے گا۔یہ سن کر آدمؑ نے فرمایا خداوندا تیرا شکر ہے۔ایک مرتبہ اب پھر شیطان خدا

کی جانب مڑا۔

شیطان کے سوالات:

خداوندا، اتنا تو بتا کہ تیرے دین کا کچھ لوگ پیغام لے کر آئیں گے۔تیرے دین کے قاصد ہوں گے۔تو میرے دین کا قاصد کون ہے؟

خدا نے فرمایا: نجومی، جادوگر، فال نکالنے والے اور حاضری بلانیوالے۔یہ سب شیطانی دین کو آپ تک پہنچائیں گے۔

پھر شیطان نے سوال کیا: خداوندا تیرا کلام قرآن مجید اور صحفِ انبیاء ہیں۔میرا کلام کیا ہے؟۔

خدا نے فرمایا: تیرا کلام جھوٹ ہے۔جو جھوٹ بولے گا، وہ تیرا کلام کہے گا۔

پھر شیطان نے سوال کیا: میری کتاب کیا ہے؟

خدا نے فرمایا: تیری کتاب، اَشعار اور گانا بجانا ہے۔

شیطان نے سوال کیا: خداوندا تیرے دین کا موذِن ہوگا۔میرے دین کا موذن کون ہے؟

آوازِ قدرت آئی۔آلاتِ موسیقی تیرے پیغام کو عام کریں گے۔

شیطان نے سوال کیا: خداوندا تیرا گھر مسجد ہوگی۔میرا گھر کونسا ہوگا؟

خدا نے فرمایا: بازار۔اور بازاروں کو جاننے والے جانتے ہیں کہ بازاروں سے زیادہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں شیطانی امور انجام دیئے جاتے ہوں۔

شیطان نے پوچھا کہ میرا کھانا کیا ہے؟

فرمایا: ہر نجس چیز اور ہر وہ چیز کہ جسے ذبح کرتے وقت میرا نام نہ لیا جائے۔

پوچھا کہ میرا مشروب کیا ہے؟

فرمایا: شراب۔

ایک آخری سوال: خداوندا میرے شکار کا ذریعہ کیا ہے یعنی ان بندوں کو گناہ میں مبتلا کرنیوالی چیز کونسی ہے۔

فرمایا: عورتیں تیرے شکار کا ذریعہ ہیں۔

اور حدیث معصومؑ ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ بِاَبِیْھِن۔ میرے ماں باپ قربان ہوں ان عورتوں پر۔ ان کا احسان مجھ پر ہے۔ جب میں نیک لوگوں کی لعنتوں سے گھبرا جاتا ہوں۔ جدھر جاؤں لاحَول، لاحَول پڑھا جا رہا ہے۔ تو متقین کی نفرین کے بعد مجھے پناہ بے دین عورتوں کے پاس ہی ملتی ہے۔ جب میں ان کے بیچ میں آکر بیٹھا، میں نے دیکھا کہ یہ میرا مقصد کس طرح پورا کر رہی ہیں۔ کہیں عورتوں میں غیبت ہو رہی ہے، کہیں حسد کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ معصوم امامؑ شیطان کا کلام بتا رہے ہیں۔ یہ شیطان کو سکون کس وجہ سے ملتا ہے؟ اس لئے سکون ملتا ہے کہ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اگر سب مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں تو بھی ایک گروہ ایسا ہے جو ہمیشہ میرے احکامات پر عمل کرتا رہتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کیسے کیسے نیک لوگ، پرہیزگار لوگ کہ جن کے کان کھڑے ہو جاتے تھے اگر کبھی کہیں سے گانے کی آواز پڑ گئی تو لیکن آج

آپ کو ان کے گھر ریڈیو، Tv بلکہ مہینے دو مہینے بعد VCR کی زیارت ہوتی نظر آئے گی۔ صرف اس لئے کہ گھر کی عورتوں کے احتجاج کے آگے قدم اکھڑ گئے ہیں۔

ایسے ایسے شب زندہ دار لوگ لیکن آج ان کی بیویاں بیٹیاں، پوتیاں یا نواسیاں ان کے سامنے ہوتے ہوئے بھی بے پردہ گھر سے باہر نکلتی ہیں اور ان نیک بزرگوں کیلئے سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے کہ ذرا ہم نے نہی عن المنکر کیا تو گھر کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ شیطان یہی تو کہہ رہا ہے کہ جب کوئی بندہ میرے قابو میں نہیں آتا تو میں اسے عورت کے ذریعے گناہ میں مبتلا کرتا ہوں۔ شیطان کہتا ہے کہ یہ میری سردار ہیں۔ یہ میری کمر کو سیدھا کرنے والی اور میری آنکھوں کو روشنی دینے والی ہیں۔ معاذ اللہ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ساری عورتیں ایسی ہیں۔ میں کسی بھی مومنہ کے بارے میں سوءِ ظن سے کام نہیں لے رہا۔ یقینی طور پر اگر عورت نیک و پرہیزگار ہو تو نیک عورت کا مقام ہے کہ معصومؑ کہہ رہے کہ حوروں کا حسن و جمال نیک عورت کے سامنے کچھ نہ ہوگا، جو نیک اور راہِ خدا پر چلنے والی ہو۔

لیکن نیک عورتوں کی تعداد کم اور بری عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ وہی چیز ہے جسے چھٹے امامؑ نے یوں بیان کیا ''مومن کا سب سے بڑا دشمن (بعض اوقات) اس کی بیوی اور اس کی اولاد دشمن ہوتی ہیں''۔

اور جو کچھ شادیوں میں گناہ ہوتے ہیں ان کے بارے میں بھی کچھ

باتیں کرنی ہیں۔ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ میری شادی میں ان غلط رسومات کی ادائیگی نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ سیرتِ معصومینؑ ایسی ایسی ہے تو آپکا یہ کہنا ایسا ہے کہ جیسے آپ نے بارود کو آگ لگادی ہو۔ ایک ایسا دھما کہ ہوگا آپ کے گھر کے اندر، ایک ایسے فتنے کی آگ بھڑ کے گی کہ کوئی تعجب نہیں کہ ماں یہ کہہ دے کہ ''دودھ نہیں بخشا جائے گا'' اور یہ کہے کہ ''ارے میں اسی امید میں جی رہی ہوں کہ تیری شادی ہو اور یہ تمام رسم ورواج انجام دیئے جائیں''۔ عام جملہ ماؤں کا یہی ہوتا ہے کہ اسی امید میں تو میں جی رہی ہوں۔

بہترین عورت کون؟

ایک حدیث سنئے کہ ''باپ بیٹی سے سوال کرتا ہے اور بعض روایتوں کے مطابق باپ امتِ رسولؐ سے سوال کرتا ہے۔ یہ روایت معتبر ترین روایت ہے۔ بس اختلاف اتنا ہے کہ کیا پیغمبرؐ نے براہِ راست بنتِ رسولؐ سے پوچھا یا بعض روایتوں میں ہے کہ مسجد میں سوال کیا کہ یہ بتاؤ سب سے بہتر عورت کون سی ہے؟ اصحاب کا حلقہ ہے۔ باری باری جواب دیا جا رہا ہے۔ ہر جواب پر رسولؐ انکار کر دیتے ہیں۔ مثلاً جواب یہ ہوگا کہ سب سے بہتر عورت وہ ہے جو نماز پڑھتی ہو یقیناً نماز پڑھنا ایک اچھی صفت ہے۔ اسیطرح، گھر کے کام کرتی ہو۔ مگر سب سے بہترین یہ عورت نہیں۔ نماز پڑھنے والی سے بہتر عورت اور ہوسکتی ہے۔ روزہ رکھنے والی۔ اس سے بہتر کوئی اور عورت ہے۔ اطاعت شوھر اور اطاعتِ والدین کرنے والی نہیں۔ سب اصحابِ رسولؐ اپنی اپنی عقل

کے مطابق جواب دے رہے ہیں۔ حضرت سلیمانِ فارسی نے دیکھا کہ کسی کا جواب صحیح نہیں نکل رہا۔ اٹھ کر حجرہ فاطمہؑ پر آئے۔ اب یہ نہ سمجھیں کہ سلیمان گئے اور واپس آئے تو بہت دیر ہوگئی ہوگی کیونکہ مسجدِ نبوی اور حجرہ فاطمہؑ میں بہت تھوڑا فاصلہ ہے۔ بالکل قریب قریب ہیں۔ اتنے قریب کہ جب رسولؐ خطبہ دیتے ہیں تو فاطمہؑ گھر میں سنتی ہیں۔

سلمان نے دستک دی۔ شہزادی کی آواز آئی۔ کون۔ کہا میں سلمان فارسی'' بی بی نے پوچھا۔ کیا حاجت ہے؟۔ سلمان نے کہا کہ آپ کے بابا نے مسجد میں سوال کیا ہے۔ مجھے اس کا جواب چاہئے۔ بی بی نے جواب دیا۔ سلمان جواب یاد کر کے آئے۔ جب سلیمان کی باری آئی تو جواب دیا۔ اللہ کے رسولؐ، سب سے اچھی عورت وہ ہے کہ جسے کوئی نامحرم مرد نہ دیکھے اور وہ بھی کسی نامحرم مرد کو نہ دیکھے۔ ''﴿خَیْرٌ لِلْمَرْاَةِ اَنْ لَا تَرٰی رَجُلاً وَلَا یَرَیْھَا رَجُلٌ۔'' ﴾ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ سلیمان تم نے بالکل ٹھیک کہا لیکن یہ تمہارا جواب نہیں لگتا۔ سلیمان نے کہا ہاں اللہ کے رسول۔ میں شہزادی سے پوچھ کر آیا ہوں۔ رسول نے فرمایا۔ ہاں ''﴿فاطمۃُ بضعۃٌ مِنّیٌ ''﴾ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے، وہی کہا جو میں کہنا چاہتا تھا۔ یہ آخری جملہ صاحب منتخب التواریخ کا ہے۔ ''وہی کہے گی جو میں کہنا چاہتا تھا۔'' مگر یہ بہترین عورت آلِ رسولؐ کے اسلام میں ہے لیکن ہمارے معاشرے میں موجود اسلام میں بدترین عورت کونسی ہے۔ وہ جو پردہ کرتی ہے۔ اس سے وہی شادی کرے گا جو بقول بعض

لوگوں کے۔کہ جس مرد کا دماغ بھی اس پردہ دار عورت کی طرح کھسکا ہوا ہوگا ۔یا وہ مرد کہ جس کو اور کہیں رشتہ نہیں مل رہا ہوگا۔جو کسی کام کاج کے لائق نہیں ہوگا۔جبکہ ہمارے اسلام میں بہترین عورت کون ہے۔وہی ہے جو شوہر کیساتھ باریک سے باریک لباس پہن کر گھر سے نکل سکے۔جو شوہر کیساتھ parties کو attend کر سکے۔شوہر کے دوستوں کے ساتھ اتنی بے تکلفی سے بات چیت کر سکے کہ اتنی بے تکلفی کے ساتھ تو اپنے بھائی سے بھی بات چیت نہیں کر سکتی ہے۔جب شوہر بازاروں میں جائے تو وہ آگے آگے اور شوہر پیچھے پیچھے ہو۔بہترین عورت وہ ہے جسے atticates آتے ہوں۔جسے معاشرے میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ آتا ہو۔اب میں بہت کھل کر کیا کہوں۔کہ جس میں اتنی صلاحیت ہو کہ اپنے زور پر اپنے شوہر کو ترقی دلوا سکے اور دنیاوی کامرانیاں اس کی گود میں ڈال سکے۔یہی عورت ہمارے معاشرے میں پڑھی لکھی اور تہذیب یافتہ کہلواتی ہے۔جبکہ شہزادی حضرت فاطمہؑ کے نزدیک بہترین عورت وہ ہے کہ جسے کوئی نامحرم مرد نہ دیکھے اور نہ وہ کسی نامحرم مرد کو دیکھے۔اگر اس پر پورا پورا عمل نہیں کر سکتی تو کم از کم شریعت کے واجب پردے کی پابندی کرے۔شہزادی نے مستحب پردہ بتایا۔آج کے معاشرے میں اس سے زیادہ بے وقوف کوئی لڑکی نہیں سمجھی جاتی ہے جو پردہ کرنے پر تیار ہو جائے۔یہ پردہ وغیرہ فرسودہ چیزیں ہیں۔دقیانوسی باتیں ہیں۔بعض جدید ذہن کے لوگوں کے بقول اور اسلام بھی ہمارے نزدیک ایک دقیانوسی مذہب بن کر رہ گیا ہے۔

بے دینی کی حد ایک واقعہ:

آغا سید علی موسوی لاہور کے مقدس اور بزرگ علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔جامع مسجد شیعہ اندرون موچی دروازہ کے پیش امام ہیں۔وہ یہ نقل کرتے ہیں اور یہ ہر پیش نماز اور عالم کیساتھ ہوتا ہے۔لوگ دعائیں لینے، تعویز لینے، وظیفے لینے آتے ہیں۔ان کے پاس بھی ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور یہ عرض کی کہ میں بڑی پریشانی کا شکار ہوں۔ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔آغا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ پتہ نہیں کتنی بڑی پریشانی ہوگی۔کوئی رزق کا مسئلہ ہوگا یا کوئی بیماری ہوگی۔کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی دشمن نے نقصان پہنچا دیا ہو۔پوچھا کہ آپکا مسئلہ کیا ہے؟۔جواب دیا کہ میں اپنی بیٹی کی جانب سے بہت پریشان ہوں۔بیٹی کی جانب سے عام طور پر ایک ہی پریشانی ہوتی ہے کہ شادی کے قابل ہوگئی ہے اور رشتہ نہیں آرہا۔پوچھا کیا پریشانی ہے؟۔اُس نے کہا۔میں اپنے دوستوں کے ہاں جاتا ہوں۔رشتہ داروں کے ہاں جاتا ہوں۔پڑوسیوں کے ہاں جاتا ہوں۔اب ہر ایک کی بیٹیاں ہیں۔میرے سامنے آکر بیٹھتی ہیں۔مجھ سے بات چیت کرتی ہیں۔بے تکلفی کے ساتھ گھلتی ملتی ہیں۔جو معاشرے کے atticates ہیں ان کی پابندی کرنیوالی ہیں۔اور ایک میری بیٹی ہے پتہ نہیں خدا نے کیسی بیٹی عطا کی ہے۔اتنی گم سم، اتنی خاموش، کہ کوئی غیر مرد آئے۔کوئی باہر کا آدمی آئے۔میں بار بار کہتا ہوں جاؤ۔اس سے ہاتھ ملاؤ۔خیریت دریافت کرو۔بات چیت کرو۔اس کے پاس بیٹھو لیکن وہ کسی کے پاس جانے کو تیار نہیں ہوتی۔آپ کتابیں دیکھ کر کوئی ایسا تعویز بتا دیں کہ میری بیٹی اس قابل ہو جائے۔کہ وہ

مجمع میں جا سکے۔اجنبی لوگوں کے بیچ بیٹھ سکے۔آنیوالا تعویز مانگ رہا ہے۔تعویز کونسا؟۔لازمی طور پر اس کے ذہن میں ہوگا کہ یا امیر المومنینؑ نے کوئی تعویز بتایا ہو گا۔جناب سیّدہ کی کوئی دعا ہوگی۔یا چھٹے امامؑ نے کوئی تعویز بتایا ہوگا۔ایک عالم کے پاس سے تو یہی ملے گا۔کسی سامری کا تعویز تو نہیں ملے گا۔معصومینؑ ہی کے تعاویز یا دعائیں ہونگی۔چنانچہ اسے جوابدیا کہ میں نے بڑی بڑی کتابیں دیکھ ڈالی ہیں۔تعویزوں کی کتابیں، دعاؤں کی کتاب، معصومینؑ کے احادیث اور فرامین۔سب دیکھے ہوئے ہیں۔مجھے بیماری کا تعویز ملا ہے۔مجھے پریشانیوں کو دور کرنے کا تعویز ملا ہے۔مجھے رزق کی کمی کا تعویز ملا ہے۔لیکن اب تک بے حیائی اور بے غیرتی کا کوئی تعویز کسی کتاب میں نظر نہیں آیا۔ہاں جس دن کسی امامؑ کا بتایا ہوا اس طرح کا کوئی تعویز مل گیا کہ معاذ اللہ فلاں امامؑ نے کہا کہ اگر اپنی بیٹی کو بے حیاء اور بے غیرت بنانا چاہو تو یہ تعویز ہم سے لیتے جاؤ تو اس دن میں آپ کے گھر میں تعویز پہنچادوں گا۔

دیکھئے کہ معاشرے کی حالت یہ ہوگئی کہ آ کر تعویز مانگا جا رہا ہے۔اور افسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ کہنے اور کرنے والے کون ہیں۔جو آلِ محمدؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔شام اور کوفہ کے مصائب پر گریہ کرتے ہیں۔اور یزید کو برا بھلا کہتے ہیں۔کیوں یزید بے چارے کا کیا قصور ہے؟اگر بے پردگی، چادر کا اتار دینا، گھر والوں کو بے پردہ کر کے گھمانا یہ کوئی خوبی ہے، یہ کوئی اچھی بات ہے، تو یزید نے کیا قصور کیا تھا۔کوفہ و شام میں زینبؑ اور سیدانیوں کو کیا تکلیف پہنچائی تھی۔اب تو مسئلہ ہی ختم ہوگیا۔اگر بے پردگی کوئی برائی نہیں ہے تو یزید کو برا کہنے کا کم از کم شام اور کوفے میں، کوئی حق نہیں پہنچتا ہے۔اگر

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ کربلا کے مصائب آلِ محمدؐ کیلئے کچھ نہ تھے۔آلِ محمدؐ کے اصل مصائب کوفہ و شام میں پیش آئے تو مانیے کہ بے پردگی سے بڑی کوئی مصیبت نہیں آئی۔ارے ننھی سکینہ کا ماتم کرنیوالو۔اس ننھی بچی کو بابا کا پرسہ دینے والو۔حسینؑ کی اس بچی کے گالوں پر طمانچے لگیں، کان زخمی ہو جائیں، کوڑے کھانا پڑیں۔تمہارے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔مگر دیکھو تو سہی سکینہؑ اصل اہمیت کس کو دے رہی ہے؟۔سکینہؑ کو اپنے کانوں کے زخمی ہونے کا زیادہ احساس ہے یا کوڑوں کے لگنے کا احساس ہے۔جل جانے کا رنج زیادہ ہے یا سب سے زیادہ خیال ہے تو پردے کا۔

مصائب:

شامِ غریباں سے قبل جب حسینؑ کا سر نوکِ نیزہ پر بلند ہو گیا۔حسینؑ کے لاشے پہ گھوڑے دوڑ گئے اور ایک مرتبہ وہ فوج جو گھوڑے دوڑا رہی تھی۔اب خیموں کی جانب آئی۔ایک ایک خیمے کو آگ لگائی۔ایک خیمہ جلتا تو علیؑ اور فاطمہؑ کی بیٹیاں دوسرے خیمے میں چلی جاتی ہیں۔جب دوسرا خیمہ جلا تیسرے خیمے میں گئیں۔جب تمام خیمے جلے، آخری خیمے کو آگ لگی۔سید سجادؑ کی اجازت سے سیّدانیاں باہر آئیں۔حمید ابن مسلم کہتا ہے، میں نے دیکھا کہ تمام بیبیاں جلتے ہوئے خیموں سے نکلتے ہوئے ﴿وَاحُسَیْنَا وَعَبَاسَا﴾ کی صدائیں بلند کر رہی تھیں۔میری نگاہ اتنے میں ایک چھوٹی سی بچی پر پڑی۔جس کے گالوں پر طمانچوں کے نشان نظر آ رہے تھے۔جس کے زخمی کانوں سے بہتا خون، جس کے کرتے میں آگ لگی ہوئی تھی۔لیکن اسے جلتے ہوئے کرتے کی کوئی فکر نہیں۔بس بار بار اپنا ہاتھ سینے پر مارتی ہے۔کبھی کہتی ہے، ہائے

میرے بابا کہاں ہو۔ کبھی کہتی ہے ہائے میرے چچا عباس کہاں ہو۔ حمید کہتا ہے میں آگے بڑھا اور چاہا کہ کرتے کو پکڑ کر آگ بجھادوں۔ بس اتنا دیکھنا تھا کہ وہ بچی پیچھے کو ہٹی۔ انتہائی جلال میں آئی اور کہا۔ اے شخص میرے جسم کو ہاتھ نہ لگانا۔ میں فاطمہؑ کی پوتی سکینہ ہوں۔ نامحرم میرا جسم نہیں چھو سکتا۔ ارے سکینہ کا کُرتا جل رہا مگر پردے کا اتنا خیال۔ حمید کہتا ہے میں نے عرض کی۔ بی بی میں خالی کرتہ پکڑ کر آگ بجھاؤں گا۔ میں نے کرتے کی آگ بجھائی۔ شہزادی نے مجھے دیکھا اور کہا۔ اے شخص تو بڑا ہمدرد معلوم ہوتا ہے۔ ایک مہربانی کر اور مجھے نجف کا پتہ بتا دے۔ میں نے پوچھا شہزادی، نجف کا پتہ معلوم کر کے کیا کرو گی؟ کہا نجف میں میرا دادا، سب کا مشکل کشا ،دفن ہے۔ جاؤں گی ،دادا کی قبر پر گروں گی اور کہوں گی۔ دادا آپؑ سب کے مشکل کشا۔ ہر ایک یتیم کی مدد کو آتے۔ لیکن آپ کے حسینؑ کی یتیمہ۔ طمانچے کھاتی رہی، کوڑے کھاتی رہی، آپؑ کو پکارتی رہی۔ دادا۔ آپؑ اپنی سکینہؑ کی مدد کو نہ آئے۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

حقیقی اسلام اور تخلیقی اسلام ۳

(شبِ شہادتِ امام سجادؑ کی مناسبت سے)

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَام﴾

بے شک اللہ کے نزدیک دین تو بے شک اسلام ہے۔

غیرِ عالم سے دین حاصل کرنے پر تنقید:

عظیم انقلاب اسلامی ایران کے بعد انتہائی تاکید ہے رہبرِ انقلاب آیۃ اللہ خمینی کی کہ مسائلِ فقہ زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچائے جائیں۔ اس لئے بار بار آیۃ اللہ خمینی یہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ گروہ جو اپنا رشتہ اور تعلق علماء سے کاٹ لے گا۔ میں اس سے ناراض اور ناخوش ہوں بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ میں اپنے نوجوانوں کی قربانیوں کے تمام تر جذبے کے باوجود ان سے اس لئے ناراض ہوں کہ وہ دین کو علماء سے حاصل نہیں کرتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ دین صرف علماء سے ملے گا۔ غیرِ عالم خواہ اس کا مطالعہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے۔ خواہ وہ جدید تعلیم کو کتنا زیادہ ہی کیوں نہ حاصل کرے۔ خواہ وہ PHD کر کے ڈاکٹریٹ کیوں نہ حاصل کر لے اور اس کے بعد حدیث کی ۲،۴ کتابیں پڑھ لے۔ وہ کبھی آپکو دین کا صحیح علم نہیں دے سکتا ہے۔ چنانچہ آیۃ

اللہ خمینی کا یہ ارشاد کہ ہمارے مراجع نجف اور قم کے وہ ہیں کہ میں ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔اور ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کروں کہ آقائے خمینی نے فرمایا کہ اگر کوئی قوم روحانیوں سے اپنا رشتہ توڑ لے تو وہ ایسی ہے کہ جیسے مریض بغیر طبیب کے زندگی گزارے۔تو جب تک علماء کے دروازے پر جانا ہماری قوم نہیں سیکھے گی،اس وقت تک دنیا و آخرت میں فلاح نہیں ہو سکتی۔اور آیۃ اللہ ابوالقاسم خوئی خاص طور پر اپنے شاگردوں سے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ہر مجلس کے آغاز میں 2،4 فقہی مسائل ضرور بیان کئے جائیں۔

سب سے بڑا مسئلہ یہ کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا آپکی ساری باتیں صحیح ہیں لیکن کیا کیا جائے ان عورتوں کا۔ان کو کون سمجھائے یہ تو ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں۔یہ تو اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی کرنے کو تیار ہوتی ہی نہیں ہیں۔اس کا کیا علاج ہے؟اور اگر ہم نے ایسا کر بھی لیا کہ جیسا آپ کہہ رہے ہیں تو ماحول اور معاشرہ ہمارا مذاق اڑائے گا۔

سیرتِ سجادؑ سے ایک درس:

حق پر ڈٹ جاؤ۔چاہے معاشرے سے ٹکرا جانا پڑے ایک نمایاں ترین واقعہ یہ ہے کہ امامؑ نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔بس اس نکاح کا ہونا تھا کہ ایک شور مچ گیا دنیائے اسلام میں۔ایک ہنگامہ ہو گیا۔یا بنَ رسولَ الله! آپؑ اللہ کے رسولؐ کے فرزند ہیں۔اور آپؑ نے نکاح بھی

کیا تو اپنی کنیز سے (اسے آزاد کر کے)۔کسی شریف گھرانے میں نکاح کر لیتے۔اپنے معیار کے گھرانے میں نکاح کیا ہوتا۔آپ نے کیسی عورت سے نکاح کر لیا۔ایک مرتبہ شور مچ گیا۔اور جب بھی کوئی شخص اپنے معاشرے کے عام رواج کے خلاف کوئی بھی کام کرتا ہے اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔مثلاً آپ کے ہاں مجلس ہوتی ہے اور آپ نے مجلس میں شریعت کو دخل دے دیا۔اگر آپ کے گھر میں نذر ہوتی ہے۔اور آپ نے نذر میں شریعت کو دخل دے دیا۔اسیطرح اگر شادی میں شریعت کو دخل دے دیا۔تو ایک شور تو مچے گا۔ایک ہنگامہ تو ہو گا۔آلِ محمدؐ کا ماننے والا ایسے ہنگاموں کیلئے تیار رہے۔جب لوگوں نے امامؑ کی ذات کو معاف نہیں کیا۔امامؑ پر اعتراض کیا گیا تو ماننے والے کہاں جائیں گے؟ یہاں تک کہ حاکمِ دمشق نے خط لکھا۔یابن رسول اللہ ہمیں بڑی تکلیف ہوئی۔آپ رسولؐ کے فرزند ہیں۔آپکا اتنا برتر اور اعلیٰ مقام ہے اور ایک معمولی کنیز سے نکاح کر رہے ہیں۔اپنے خاندان کا تو خیال کیا ہوتا۔امامؑ نے جواب دیا۔یاد رکھو جو چیز خدا نے جائز قرار دی ہے۔اس پر عمل کرنے میں کسی کو نہیں جھجکنا چاہئے۔جب پیغمبر اسلام نے اپنے غلام کی طلاق شدہ عورت سے نکاح کیا۔(پیغمبرؐ کے غلام زید ابن حارثہ جنہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔پیغمبرؐ نے اسی کی بیوی سے نکاح کر لیا)۔تو میں اپنے جد کی سیرت پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔مجھے کسی کی فکر نہیں مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔سیّد سجادؑ کے ماننے والے اگر یہ سمجھیں کہ شبِ شہادت کو آ کر مجلس میں

بیٹھ کر اور اٹھ کر چلے جانا، یہی سیّد سجادؑ کا حق ہے تو اس سے بڑی غلطی نہیں۔

سیّد سجادؑ کی سیرت کا یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ امامؑ نے درس دیا کہ حق پر ڈٹ جاؤ اور ظالم سے ٹکرا جاؤ۔ شریعت کے معاملے میں کسی کی بات نہ سنو۔ اگر لوگ تمہاری بے عزتی کر رہے ہیں، برداشت کرلو۔ لوگ تمہارا مذاق اڑا رہے ہیں، برداشت کرلو۔ لوگ تمہیں برا بھلا کہہ رہے ہیں، برداشت کرلو۔ بلکہ لوگ اگر ظلم کر رہے ہیں تو اسے بھی برداشت کرلو۔ لیکن شریعت کے معاملے میں کوئی نرمی نہیں ہونا چاہئے۔

سیّد سجادؑ ہی کا فرمان ہے

﴿'اِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْ يَقْتَدِيْ بِسُنَّةِ اِمَامٍ وَلَا يَقْتَدِيْ بِاَعْمَالِهِ'﴾ خدا کے نزدیک بدترین شخص وہ ہے جو کسی امامؑ کو عقیدے کے لحاظ سے تو مانے مگر اعمال میں اس کی پیروی نہ کرے''۔

اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ جو اللہ کے نزدیک بدترین ہے، مبغوض ترین ہے وہ معصوم کے نزدیک بھی بدترین ہے۔ اور سیرتِ آئمہ پر چلنے کیلئے سب سے پہلے تو گھر کی خواتین کو دین کی تعلیم دلوائیں کیونکہ خواتین کی دینی تعلیم کے بغیر یہ بدعتیں اور خرافات کبھی ختم نہیں ہوسکتیں۔ تو خلاصہ یہ کہ جب تک آپ سیرتِ سیّد سجادؑ پر چلتے ہوئے دنیا سے ٹکرا جانے کا عزم نہ کرلیں اپنی اصلاح نہیں کر سکتے۔ وہ سید سجادؑ جو اپنے بھرے گھر کو لوٹانے کے باوجود ابنِ زیاد سے ٹکرائے۔ یزید کے دربار میں یزید سے ٹکرائے۔ کوئی خوف نہیں۔ کوئی

فکر نہیں۔ ''كَرَامَتُنَا شَهَادَةٌ'' اے یزید تو ہمیں موت سے ڈراتا ہے ہم تو مرنے کے لئے تیار ہیں۔ شہادت تو ہمارے لئے فخر کی بات ہے۔ سید سجادؑ درس دے رہے ہیں کہ شریعت کیلئے موت سے بھی نہ گھبراؤ جبکہ ہم ذرا ذرا سی باتوں پر ڈر جاتے ہیں۔ گھر میں ہنگامے ہو جائیں گے، عورتیں نہیں مانیں گی۔ پڑوسی مذاق اڑائیں گے۔ اگر ہم نے اس انداز سے مجلس نہ کی، جس انداز میں ہر سال کرتے ہیں۔ دوست ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ اس حد تک ہم اپنے جاننے والوں سے خوف زدہ ہیں کہ خدا کا خوف ہم نے دل سے نکال دیا اور باقی ہر ایک سے ڈر رہے ہیں۔

یہی تو معصومؑ کی روایت ہے کہ جو اللہ سے ڈرا، اب اسے کسی اور کا خوف نہیں ہوگا۔ اور جو اللہ سے نہ ڈرے وہ ہر دوسرے سے ڈرتا پھرے گا۔ عزم کریں کہ ہمیں سیرتِ سید سجادؑ پر چلنا ہے۔ اور یہ تب تک ممکن نہیں جب تک عورتوں کو دینی تعلیم نہ دلائی جائے اور عہد کریں کہ آپ جو پہلا کام کریں وہ یہ کہ اپنی عورتوں کو زبردستی دینی تعلیم کیلئے مدرسوں میں بھیجئے۔

امام سجادؑ کی عبادت:

شہادتِ امام سجادؑ کے بعد لوگ کنیز کے پاس گئے کہ ہمیں سیرتِ امامؑ کے بارے میں بتاؤ۔ تو نے تو امامؑ کے گھر کے حالات بھی دیکھے ہیں۔ بتا کہ ہمارا آقا کس طرح سے زندگی گزارا کرتا تھا۔ کنیز نے کہا: تفصیل سے سننا چاہتے ہو یا مختصراً۔ جواب دیا کہ مختصراً سناؤ۔ کنیز نے کہا۔ مجھے امامؑ کی خدمت

میں ۳۰ سال ہو گئے لیکن آج تک نہ کبھی امامؑ کیلئے رات کو بستر بچھایا، نہ دن کو کھانا تیار کیا۔ حیران ہو کر سوال کیا کہ ہم تیرا مطلب نہیں سمجھے۔ کنیز نے کہا۔ مجھے ۳۰ سال ہو گئے ۔ کوئی دن ایسا نہیں کہ جب امامؑ دن کے وقت روزے سے نہ ہوں۔ پوری زندگی روزے سے گزاری۔ کھانا پکاتی تو کس کیلئے پکاتی۔ حتیٰ یہ کہ جن دنوں میں روزہ حرام ہے۔ اس میں بھی امامؑ دن کا کھانا نہیں کھاتے اور ۳۰ سال ہو گئے ۔ کوئی رات ایسی نہیں کہ جو امامؑ نے جاگتے ہوئے نہ گزاری ہو۔ تمام رات جاگتے رہتے تھے۔ بستر بچھاتی تو کس کیلئے بچھاتی ۔ اب امامؑ شب بیداری کس لئے کرتے تھے؟

پانچویں امامؑ فرما رہے ہیں کہ ہمارے گھر کے پیچھے باغ تھا، جس میں ۵۰۰ کھجور کے درخت تھے۔ کوئی رات ایسی نہ تھی، جس میں میرا بابا ہر درخت کے نیچے ۲ رکعت نماز ادا نہ کرتا ہو۔ ۱۰۰۰ رکعت نماز پڑھنے والا، سید سجادؑ جب صبح کی نماز پڑھ چکتا ہے، تو امامؑ باقرؑ فرماتے ہیں کہ میرے بابا میں نماز فجر کے بعد چلنے کی طاقت نہ رہتی تھی۔ مصلّے سے آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے بستر پر پہنچتے تھے۔ جبکہ ان کا ماننے والا ۲۴ گھنٹے میں سترہ رکعت پڑھنے سے گھبرا جائے۔ امامؑ ہی کی حدیث کی روشنی میں منحوس ترین شخص وہی ہے جو امامؑ کو زبان سے مانے اور اُس امامؑ کی سیرت کی پیروی کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔

امامؑ کی نماز بھی کیسے تھی۔ بیٹا کنویں میں گر گیا۔ امامؑ کی نماز میں فرق نہ

پڑا۔ گھر کو آگ لگ گئی، امامؑ کی نماز کو فرق نہ پڑا۔ اگر لڑکا چھت سے گر گیا، ہڈی ٹوٹ گئی، چیخ چیخ کر رونے لگا۔ امامؑ کی نماز میں فرق نہ پڑا۔ تو سیرتِ سجادؑ کا پہلا رخ کہ نماز اس انداز سے ادا کی جائے اور دوسرا رخ۔

سب سے بڑی مصیبت اَلشَّام ،اَلشَّامُ اَلشَّام یعنی گھر والوں کا پردہ۔ اور گھر والوں کو پردہ کرانا مومن کا دوسرا فریضہ ہے کیونکہ بدترین مومن وہ ہے جو امامؑ کو زبان سے مانے اور اس کی سیرت کی پیروی نہ کرے۔ شریعت پر بھی امام سجادؑ کی طرح عمل کرنا اور عزاداری بھی امامؑ کی طرح مناؤ۔ اب تجزیہ کرتے ہیں کہ امامؑ سجاد نے کیسے عزادارِی حسینؑ منائی؟

مصائب:

امامؑ سجادؑ روئے تو اتنا روئے کہ دنیا میں اب تک سیّد سجادؑ اور فاطمہؑ سے زیادہ رونے والا کوئی نہیں گزرا (فرمان امام جعفرؑ)۔ امام روئے تو ایسا روئے کہ مدینے کے قصائیوں نے گواہی دی۔ ادھر میرا مولا بازارِ مدینہ میں قدم رکھتا۔ قصائی اپنی دکانوں پر پردے ڈال لیتے ہیں کیونکہ اگر کسی کی دکان کھلی رہ گئی اور ذبح شدہ جانور پر امامؑ کی نظر پڑ گئی تو آگے بڑھ کر پہلا سوال یہ کرتے ہیں کہ اے قصائی، کیا پیاسا ذبح کیا تھا یا پانی پلا کے ذبح کیا تھا؟ قصائی کہتا ہے یا ابن رسول اللہ، میں مسلمان ہوں، جانور کو پہلے پانی پلایا تھا۔ یہ سن کر ایک مرتبہ امامؑ کربلا کا رخ کرتے ہیں۔ السلام علیک یا ابا عبداللہ۔ بابا آپ پر میرا سلام۔ مدینے کے جانور بھی پیاسے ذبح نہیں ہوتے۔ لیکن ہائے میرا بابا جس

کی تین دن کی پیاسی گردن پر خنجر چل گیا۔

امامؑ وضو کیلئے بیٹھے ہیں۔ وضو کرلیا۔ لوگوں نے دیکھا آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ یا ابن رسول اللہ کیا بات ہے؟ فرمایا مجھے کربلا یاد آگئی۔ میں نے تو وضو کرلیا۔ میرے بابا کو تو وضو کرنے کا بھی موقع نہ ملا۔ تیمّم کر کے نماز ادا کی۔

نماز ادا کرنے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ امامؑ سر پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ مولا یہ نماز کے بعد رونا کس لیے؟ فرمایا ہائے یہی تو وہ سجدہ تھا، جس میں میرے بابا کے سوکھے گلے پر خنجر چلا تھا۔ حج کیلئے گئے۔ خانہ خدا پر نگاہ پڑی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ لوگ ہوش میں لائے۔ مولا کعبے کو دیکھ کر آپ بے ہوش کیوں ہو گئے۔ فرمایا ارے یہ وہی کعبہ ہے جس کے احترام کو بچانے کیلئے میرے بابا نے حج کو عمرے میں بدلا اور کربلا کے میدان کو آباد کیا۔

روزہ رکھا۔ افطار کا وقت آیا۔ پانی پہ نگاہ پڑی۔ بے اختیار چیخ نکل گئی۔ مولا آپ پانی کو دیکھ کر کیوں رو رہے۔ فرمایا یہ وہی پانی ہے جو پرندے پیتے تھے۔ وحشی جانور پیتے تھے لیکن میرے بابا پر حرام قرار دیا گیا۔

الا لعنة اللہ علی القوم الظالمین

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

حقیقی اسلام اور ہمارا تخلیقی اسلام ۴

﴿انّ الدِّیْنَ عِنْدَاللہ الاسْلام﴾

بے شک اللہ کے نزدیک دین تو بے شک اسلام ہے۔

اسلام کی نگاہ میں بدترین مجمع وہ ہوتا ہے کہ جس میں حجاب اور پردے کے ان احکامات کی پیروی نہ کی جائے کہ جن احکامات کا شریعت اپنے ماننے والوں سے تقاضہ کرتی ہے۔ ان پردے کے قوانین میں ہماری اور آپ ہی کی بھلائی ہے۔ اگر عورت اور مرد کے درمیان امتیاز کو اٹھا دیا جائے اور پردے کے مسئلے میں غفلت برتی جائے تو اس کا نتیجہ کم از کم اسلامی معاشرے کی تباہی ہوتا ہے اور اس سے قبل بھی جب دشمنانِ اسلام نے صحیح دین کو نقصان پہنچانا چاہا تو عورتوں کے ذہن میں جدید تعلیم کے نام پر ایسے لایعنی اور بے ہودہ خیالات کو داخل کر دیا جو سراسر تعلیماتِ معصومینؑ کیخلاف تھے۔ آج بھی امّت کی تباہی کیلئے دشمن نے اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔ وہ روایت/ حدیث آپکو یاد ہوگی کہ جو بنی اسرائیل میں ہوا تھا وہی امتِ محمدی میں بھی ہوگا۔

﴿طَابَقَتِ النَّعْلُ بِالنَّعلِ﴾ جس طرح ایک جوتی دوسری جوتی سے مطابقت رکھتی ہے۔ جس طرح ایک تیر دوسرے تیر کے مشابہ ہوتا ہے۔ اسی

طرح یہ امتِ محمدی، امت بنی اسرائیل کے مشابہ ہوگی اور حد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کسی جانور کے بل میں داخل ہوئی تھی تو میری امت نفع ونقصان دیکھے بغیرانہی کی پیروی میں اس جانور کے بل میں داخل ہو جائے گی۔ پیغمبرؐ نے اتنی تاکید کی ہے، اتنا ڈرایا ہے۔ پیغمبرؐ نے اتنا متنبہ اور آگاہ کیا ہے۔ بنی اسرائیل کی مطابقت اور پیروی سے۔ اس کا سبب کیا تھا؟

عابد بلعم باعور کا واقعہ:

اس کا سبب یہی تھا کہ جس وقت بنی اسرائیل دنیا میں اپنے عروج پر تھے۔ ممالک پر ممالک فتح کیے جا رہے تھے۔ شام کا علاقہ اس وقت کا ذرخیز ترین علاقہ تھا۔ تو جب بنی اسرائیل کی فوجیں حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں شام کے علاقے میں داخل ہوئیں۔ اور شام کے دولتمندوں کی دولت خطرے میں پڑگئی۔ تو وہ گھبرا گئے کہ حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ موسیٰؑ کے لشکر کو کیسے روکا جائے۔ اسی شام کے علاقے میں گناہگاروں کے درمیان ایک ایسا عابد رہتا تھا کہ جس کا نام بلعم باعور اور لقب مُستَجابُ الدَّعوَات تھا۔ اس نے خدا کی اتنی عبادت کی تھی کہ خدا نے اس کی زبان میں یہ اثر رکھ دیا تھا کہ وہ جو دعا کرتا تھا۔ فوراً قبول ہو جاتی تھی۔ اس کی ہر دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ شام کے یہ مالدار لوگ گھبرا گئے کہ ہمیں موسیٰؑ کی غلامی کو قبول کرنا پڑے گا۔ اور شریعت کی پابندی کرنا پڑے گی۔ اس عابد کے پاس آئے اور کہا کہ تو ہمارے لئے دعا کر کہ خدا ہمیں فتح دے اور موسیٰؑ کے لشکر کو شکست

دے۔ جتنا مال چاہئے ہمارے خزانوں کے منہ تیرے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ عابد نے کہا۔ نہیں۔ حضرت موسیٰ اللہ کے نبی ہیں۔ حضرت موسیٰ اللہ کے نمائندے ہیں۔ میں بھلا ان کے خلاف کیسے دعا کروں۔ اب ان سرمایہ دار لوگوں کو بھی پتہ ہے کہ یہی شخص ہمارا مسئلہ حل کر سکتا ہے۔ چنانچہ دوبارہ آئے پیش کش کو زیادہ کر دیا۔ بوریاں اشرفیوں سے بھر کر لائے اور کہا یہ لے لے اور ہمارے لئے دعا کر۔ اب جو دولت دیکھی ایمان ڈگمگانے لگا۔ اب کہاں کے موسیٰؑ۔ کہاں کی نبوت۔ کہاں موسیٰؑ کا احترام۔ تیار ہو گیا۔ اپنے خچر پر سوار ہو گیا اور اس پہاڑی کی جانب بڑھنے لگا۔ جس کی چوٹی پر جا کر یہ دعا مانگا کرتا تھا۔ آدھے راستے میں اس کا خچر رک گیا۔ مزید آگے جانے سے انکار کر دیا۔ عابد نے خچر کو زدّ وکوب کیا۔ مگر خچر آگے نہ بڑھا۔ جب خچر نے انتہا مار کھائی تو ایک مرتبہ حکمِ خدا سے گویا ہوا کہ اے شخص، خدا نے تجھے اتنا بڑا مقام دیا ہے۔ تیری زبان میں تاثیر رکھی ہے۔ خدا کے اس احسان کو یاد کر اور حضرت موسیٰؑ کے خلاف بد دعا نہ کر۔ نقصان اٹھائے گا۔ لیکن عابد نہ مانا۔ پیدل ہی پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا۔ ہاتھوں کو پھیلایا۔ موسیٰؑ کیلئے بد دعا کرتا ہے۔ ایک مرتبہ آواز آئی۔ اے شخص تیری تمام ریاضتیں ضائع ہو گئیں۔ اب تیری دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ تو نے اللہ کے نمائندے کیخلاف ہاتھ اٹھایا ہے۔ اب جو یہ دیکھا کہ میری عبادتیں ضائع ہو گئیں۔ پلٹ کر آیا اور کہا اے لوگو! میری دعا قبول نہ ہوئی۔ چونکہ پیسوں کی چمک دیکھ چکا تھا۔ دولت کا واپس چلے جانا گوارا

نہ تھا۔ تو کہا کہ اگر تم لوگ موسیٰؑ کے لشکر کی تباہی چاہتے ہو تو ایک طریقہ اور بتاتا ہوں۔ اس پر عمل کرو۔ تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ جس امّت میں بھی یہ طریقہ آیا ہے وہ امت تباہ ہو گئی۔ انہوں نے طریقہ پوچھا۔ اس شخص (بلعم باعور) نے کہا۔ کوشش کرو کہ موسیٰؑ کے لشکر میں کچھ بے پردہ عورتیں پہنچ جائیں۔ اور اگر یہ بے پردہ عورتیں وہاں جا کر فساد پھیلانے میں کامیاب رہیں یعنی لوگوں نے انہیں قبول کر لیا اور کسی نے ان پر اعتراض نہ کیا۔ تو سمجھ لینا کہ بغیر مزید کچھ کئے، موسیٰؑ کے لشکر کی تباہی یقینی ہے۔

بے پردگی/ فحاشی کا ایمان پر اثر:

انہوں نے کچھ بے پردہ عورتوں کو تیار کر کے اس بازار میں بھیجا کہ جس کے پاس ہی حضرت موسیٰؑ کی فوج قیام کئے ہوئے تھی۔ جب یہ بے پردہ عورتیں آئیں تو موسیٰؑ کے لشکروں کی عورتوں نے بھی اپنا پردہ اتار پھینکا۔ اب لشکریوں کے ایمان میں ضعف آیا۔ اب تقویٰ رخصت ہوا۔ اب جذبۂ جہاد میں کمی آئی۔ اب وہ خدا کی برکت چلی گئی چنانچہ امامؑ فرماتے ہیں کہ جس لشکر نے اب تک بڑی بڑی حکومتوں کو شکست دی تھی۔ اب وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ رہا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک نائب کو بھیجا۔ وہ اس لشکر میں آیا۔ اور اس نے ایک کام کیا۔ وہ یہ کہ جتنی بے پردہ عورتیں تھیں، اُن کے سامنے یہ اختیار رکھا کہ یا تو پردہ اوڑھ کر گھر میں آ جاؤ یا اپنی گردنوں کو کٹوا لو۔ اب بے پردہ عورتوں کا قتلِ عام شروع ہوا۔ قتلِ عام کے نتیجے میں عورتیں

پردے میں چلی گئیں۔ اب جو یہ لشکر آگے بڑھا۔ اس نے پورے ملکِ شام پہ قبضہ کر لیا۔ جب حضرت موسیٰ تک اطلاع فتح پہنچی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا۔ یقیناً جس قوم میں بے پردہ عورتیں ہوتی ہیں تو اس قوم کی تباہی یقینی ہے کیونکہ پھر خدا اپنی رحمت کو اس قوم میں سے اٹھا لیتا ہے۔

آپ نے بھی یہ حدیث سنی ہوگی کہ جس گھر میں کوئی بے پردہ عورت ہوتی ہے، وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ اور ایک حدیث یہ ہے کہ جس گھر میں کوئی کتا ہوتا ہے، وہاں پر بھی رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ نگاہِ خدا میں، نگاہِ معصومؑ میں، ایک بے پردہ عورت کا مقام کیا ہوا؟ آپ خود اندازہ کر لیں۔ رحمت کے فرشتوں کو جتنی نفرت و نجاست ایک کتے سے محسوس ہوتی ہے وہی حالت کسی بے پردہ عورت کو دیکھ کر ہو جاتی ہے۔ اور اگر ہم نے اپنے معاشرے کو نہ سنبھالا تو خدا کی جانب سے وہی سزا ہمیں بھی ملے گی جو امتِ موسیٰؑ کو مل چکی ہے۔ اور پیغمبرؐ کا یہ فرمانا کہ دونوں آپس میں اس طرح سے مشابہ ہونگے جس طرح ایک تیر دوسرے تیر سے اور ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ فرمانِ رسولؐ بتا رہا ہے کہ پیغمبرؐ دیکھ رہے تھے کہ میری امت میں کچھ ایسی بہادر عورتیں پیدا ہونگی۔ اس سے زیادہ بہادر کون ہو سکتا ہے کہ جو نہ خدا کی پرواہ کرے۔ نہ رسول کی بات سنے، نہ امامؑ کی اپیل پر کوئی توجہ دے۔ اس سے زیادہ جری، اس سے زیادہ بے باک، اس سے زیادہ نڈر کون ہو سکتا ہے۔ پیغمبرؐ کو پتہ تھا کہ ایسی بہادر عورتیں میری امت میں پیدا ہونیوالی

ہیں۔ جو نہ خدا کی بات سننے پر تیار ہونگی، نہ میرے احکامات پر عمل کریں گی۔ تو اسی لیے فرما گئے کہ امتِ موسیٰؑ بھی اسی وجہ سے تباہ ہوئی اور تم بھی اسی وجہ سے تباہ ہو جاؤ گے۔

تین چیزیں: مرد میں علامتِ ایمان، عورت میں علامتِ کفر:

نہج البلاغہ میں مولا فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو مرد میں آئیں تو ایمان بن جاتی ہیں۔ عورت میں جائیں تو کفر بن جاتی ہیں۔ مرد میں ان تین صفتوں کا آنا صحیح ہے اور عورت میں ان کا آنا غلط ہے۔

ا۔ غیرت:

''﴿غَیْرَتُ الرَّجُلِ اِیْمَانٌ و غَیْرَتُ الْمَرْأَةِ کُفر﴾

مرد میں غیرت آئے تو ایمان ہے، عورت میں غیرت آئے تو کفر ہے۔ کونسی غیرت۔ ان معنوں میں غیرت۔ کہ اگر عورت غیرت کرے کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کیوں کی ہے۔ یہ کفر ہے۔ اس طرح کفر ہے کہ اس عورت نے احکامِ خدا پر اعتراض کیا۔ حکمِ خدا میں اس نے دخل دیا۔ یہ غیرت کہ میرا شوہر خالی میرا ہو کر رہے۔ جب عورت میں آتی ہے یہ غیرت تو کفر۔ اور جب مرد میں جاتی ہے کہ میری بیوی میری بیوی ہے۔ جب تک میری بیوی ہے اسے یہ اختیار نہیں کہ کوئی اور شوہر کرے۔

۲۔ سخاوت:

پیسوں کا کثرت سے استعمال۔ ان معنوں میں نہیں کہ جو خیرات و

صدقات دیئے جاتے ہیں۔ مرد کے اندر اگر پیسوں کے خرچ کرنے اور استعمال کرنے کی صفت ہے تو یہ ایمان کی علامت ہے۔ اور اگر عورت میں یہ صفت آگئی تو وہ اپنے شوہر کے گھر کو تباہ کر کے چھوڑے گی۔ جس عورت کو اپنے شوہر کے کمائے ہوئے پیسوں کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ ہو سکا تو اس کا گھر تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

۳۔ حسنِ خلق:

اچھا اخلاق۔ مرد میں آئے تو ایمان ہے۔ عورت میں جائے تو کفر۔ تبسم مومن کی ایک صفت ہے۔ یہ خوش اخلاقی نہیں ہے کہ دنیا بھر میں خوش اخلاقی سے ملا جائے۔ اور گھر میں داخل ہو تو کبھی بیوی کو ڈانٹا، کبھی بچوں کو مارا، کبھی گھر والوں پر ظلم۔ کتنے ہی آپکو لوگ ایسے نظر آئیں گے کہ محلے کا بچہ بچہ گواہی دے گا کہ اس سے زیادہ خوش اخلاق کوئی نہیں۔ دوستوں کا پورا حلقہ اس کی تعریف کرے گا۔ لیکن جب گھر والوں سے پوچھیں تو گھر والے بتائیں گے کہ گھر میں کیا گزرتی ہے۔ اس کی بیوی بتلائے گی کہ یہ کیسے اخلاق والا ہے۔ پیغمبرؐ کی حدیث بھی ہے کہ ''وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا جس نے اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھایا اور جس نے اپنی بیوی کو مارا۔ اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کی نگاہ میں سب سے بہتر ہے''۔ محلے والے تعریف کریں، بے کار ہے۔ بات تو تب ہے جب بیوی اور بچے تعریف کریں کہ ہاں ہمارا شوہر اور ہمارا باپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔ پیغمبرؐ فرما رہے ہیں کہ تم میں سب سے بہتر

وہ ہے جو گھر والوں کے ساتھ بھی سب سے بہتر ہو۔ پیغمبرؐ سب سے اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں اور دلیل یہی دیتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کیا ہے۔ پیغمبرؐ نے اپنے گھر کے اندر جتنے ذہنی صدمے برداشت کیے۔ جتنی پریشانیوں کو برداشت کیا۔ ایسے ذہنی صدمے، اور ایسی پریشانیاں کسی مومن کے گھر میں نہیں آتیں۔ مگر پیغمبرؐ کی عظمت ہے کہ ان تمام پریشانیوں کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ کسی بیوی کو طلاق نہیں دی گئی۔ تمام تر مصائب کے باوجود پیغمبرؐ کا بہترین اخلاق موجود ہے۔

''پیغمبرؐ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی بیوی کو مارا یا اسے گالی دی یا اس کے ماں باپ کا طعنہ دیا یا اپنی بیوی کے دل کو تکلیف پہنچائی جبکہ اس کی بیوی کا کوئی قصور نہ ہو تو میں قیامت کے دن اسے اپنی امت میں سے خارج کردوں گا۔ اور اس عورت کا وکیل بن کر بارگاہِ الٰہی میں جاؤں گا اور اس مرد کو کہ جس نے اپنی بیوی پر ظلم کیا ہے، بارگاہِ الٰہی سے سزا دلوانا میرا کام ہے۔''

(کتاب: ارشاد القلوب، باب: نوادر الاحادیث)

البتہ یہ بات وہاں تک ہے کہ جب تک وہ آپ کی مخالفت نہ کریں۔ لیکن جب گھر والے اللہ کی مخالفت پر تل جائیں تو اس وقت انھیں صحیح کرنا اور ان سے شریعت کی پابندی کروانا یہ ہماری اور آپکی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ میدانِ قیامت میں گردن ہماری بھی پکڑی جائے گی چاہے بے پردہ ہمارے گھر کی عورتیں ہوتی تھیں، گانے ہماری اولاد سنتی تھی، ہم نہیں سنتے تھے۔ گناہ وہ کریں گے سزا ہمیں بھی ملے گی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خداوندا یہ

ہماری تسبیح کو دیکھ لے ہم نے اتنی تسبیح گھمائی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خداوندا ہمارے اس مصلے کو دیکھ لے۔ ہم نے پوری زندگی نماز پڑھتے ہوئے گزاری ہے۔ کیونکہ اگر ہم نمازی اور روزے دار بھی ہوں تو ہمارے گھر والوں کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ گھر والوں کو دیندار بنانا اور گھر والوں کو دین کے راستے پر چلانا گھر کے سربراہ پر ہے۔ مرد کو یوں ہی تو گھر کا سربراہ نہیں بنایا گیا۔

تو مولائے کائنات کی یہ حدیث بیان ہو رہی تھی کہ عورت میں خوش اخلاقی آئے تو وہ کفر بن جاتی ہے۔ کونسی خوش اخلاقی؟ عورتیں عورتوں سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں، بہت اچھا ہے۔ بیوی اپنے شوہر سے خوش اخلاقی سے پیش آئے، اس سے بہتر کوئی بات نہیں۔ لیکن مولا جس خوش اخلاقی کے عورت میں آجانے کو کفر قرار دے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ گھر کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ حکمِ شریعت یہ ہے کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو، اکیلی عورت ہو تو عورت جواب دے سکتی ہے۔ آواز کا پردہ واجب نہیں ہے۔ لیکن کتنی تاکید معصومؑ نے فرمائی ہے کہ لڑکی آواز کو سخت کر کے جواب دے تاکہ اگر کسی کے دل میں مرض ہے تو یہ مرض بڑھنے نہ پائے۔ کسی کے دل میں اگر برا ارادہ ہے تو یہ ارادہ تقویت نہ پا جائے۔ اب ایک مرتبہ یہ سوچ کر کہ یہ تو out of edicates ہوگا۔ یہ تو اخلاق کے خلاف بات ہوگی کہ ہم سختی اور ترش روئی سے بولیں edicates کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ذرا دروازہ کھول کر اس سے بات چیت کرلو۔ اور بات چیت بھی بڑے اخلاق کے ساتھ اور مسکراتے ہوئے

کی جائے۔ کہیں آنے والا ہمارے گھر کے بارے میں یہ نہ سمجھ لے کہ یہاں سارے جاہل رہا کرتے ہیں، یہاں سارے جنگل سے آئے ہوئے رہا کرتے ہیں اور زیادہ خوش اخلاقی کا دل چاہا تو خیر وعافیت بھی دریافت کی جائے۔ ہاتھ بھی ملایا جائے۔ لہٰذا اگر مرد دروازے پر کھڑے مہمان سے خوش اخلاقی سے بات کرے تو یہ مرد کا ایمان ہے اور اگر عورت خوش اخلاقی سے بات کرے تو کفر ہے۔

بیوی سے بداخلاقی: ایک عظیم گناہ۔۔۔۔ایک عبرتناک واقعہ:

سعد ابن معاذ جیسا عظیم صحابی کہ جس کے جنازے کو پیغمبرؐ نے خود کاندھا دیا۔ 70 ہزار فرشتوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ جبرائیل و میکائیل نے جنازے کی تشیع کی۔ پیغمبر نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور نمازِ جنازہ میں 70 مرتبہ اللہ اکبر (تکبیر) کہا۔ جبکہ ایک مسلمان کے لئے نمازِ جنازہ میں 5 مرتبہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ یہ 70 مرتبہ اللہ اکبر کس لئے؟۔ فرمایا ۱۰۰۰ فرشتوں کا ایک گروہ آسمان سے اتر کر نماز پڑھنے آتا تھا تو اسے نمازِ جنازہ میں شامل کرنے کیلئے جب میں اللہ اکبر کہتا تھا۔ دوبارہ ایک گروہ ۱۰۰۰ فرشتوں کا آتا تھا۔ سعد ابن معاذ کی نمازِ جنازہ میں ہزار ہزار فرشتے آئے۔ اس لئے مجھے 70 مرتبہ اللہ اکبر کہنا پڑا۔ اللہ کے رسولؐ آگے کاندھا دیتے تھے تو جبرائیل و میکائیل پیچھے کاندھا دیتے تھے۔ اور جب پیغمبرؐ پیچھے جاتے تو یہ فرشتے آگے آ کر کاندھا دیتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے پیغمبرؐ نے قبر میں اتارا۔ جب قبرستان

سے باہر آئے اور کسی نے پیغمبرؐ سے پوچھا آپؐ کے چہرے پر اتنا غم کس لئے ہے۔ آپؐ کے چہرے پر اداسی کس لئے ہے۔ فرمایا سعد کو قبر کی دیواریں اپنے درمیان لے کر دبا رہی ہیں۔ وہ عذابِ قبر میں گرفتار ہے۔

گھبرا کر پوچھا، اللہ کے رسول، یہ وہی سعد ہے کہ جس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس کی سفارش سے خدا اتنے انسانوں کو بخشے گا جتنے حیواناتِ بنی کلاب کے جسم پر بالوں کی تعداد ہے۔ پورے قبیلے کے جانوروں کے جسم پر جتنے بال ہیں، اتنے گناہگار سعد کی سفارش کی بناء پر بخشے جائیں گے۔ اور اسی سعد کو فشارِ قبر ہو رہا ہے۔ قبر کی دیواریں اپنے درمیان لے کر دبا رہی ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا۔ ہاں یہ اپنی بیوی کے ساتھ بدخلق تھا۔ اپنی بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش نہ آتا تھا۔ سعد رسول کا صحابی ہے۔ آلِ محمدؐ کے اولین ماننے والوں میں شامل ہے۔ آلِ محمد کی محبت ہے۔ اتنا بڑا درجہ لیکن بیوی کے ساتھ بداخلاقی کی وجہ سے رسولؐ سے دور ہوتے ہی عذاب آنا شروع ہو گیا۔

تو مرد میں خوش اخلاقی ایمان اور عورت میں خوش اخلاقی کفر ہے۔ تو جہاں شریعت یہ اجازت نہیں دیتی کہ میٹھی زبان میں کسی نامحرم سے بات کرو۔ تو اس چیز کی اجازت کہاں دے گی کہ برقعہ، چادر یا مقنعہ اتار پھینکو، گلیوں اور بازاروں میں پھرو۔ ایک ہی مقام پر محرم و نامحرم کا اجتماع ہو۔

نامحرم سے ہاتھ ملانے والے سے امامؑ ناراض:

وہ واقعہ کہ جس میں امامؑ کو ماننے والا امامؑ سے ملنے آرہا ہے۔اس واقعہ کو میں نقل بالمعنیٰ کررہا ہوں۔یعنی واقعہ کے وہی الفاظ استعمال نہیں کررہا لیکن مفہوم وہی ہے۔یہ روزانہ آنیوالا اصحابی ہے۔امام کا کلمہ پڑھنے والا، امامؑ کی زیارت کے لئے آرہا ہے اور آنے کے بعد امامؑ کو سلام کیا۔امامؑ نے سلام کا جواب تو دیا لیکن منہ پھیر لیا۔اِس طرف آیا۔امامؑ نے اُس طرف سے منہ پھیر لیا۔اُدھر آیا۔امامؑ نے پشت کی جانب منہ کرلیا۔ایک مرتبہ گھبرایا اور پریشان ہوا۔یابن رسول اللہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔میں روزانہ آتا ہوں۔آج آپ مجھ سے اس طرح ناراضگی کا اظہار کررہے ہیں۔مولا میری خطا کیا ہے۔میرا قصور کیا ہے۔امامؑ نے فرمایا کہ تو نجس ہو چکا ہے اور ایسی نجاست کہ ہم اہلِ بیتؑ سے برداشت نہیں ہوتی۔

گھبرا گیا۔مولا میں گھر سے غسل کرکے نکلا تھا۔(امامؑ سے ملاقات کرنے کیلئے بھی غسل سنت ہے)۔مولا میں جسم کو پاک صاف کرکے نکلا تھا کیسی نجاست۔امامؑ نے جواب دیا کہ جب تو راستے میں آرہا تھا۔تو یہ بتا کہ ایک عورت تجھے ملی تھی۔تو نے اس سے ہاتھ ملایا تھا اور اس کے ساتھ چلا تھا۔صحابی نے کہا۔مولا وہ میری چچی تھی۔امامؑ نے فرمایا۔تھی تو نامحرم۔تو اس کے ساتھ کیوں چلا؟۔کیوں ہاتھ ملایا؟۔کہا مولا یہ وہ عورت تھی جس نے مجھے بچپنے میں پالا تھا۔میرے باپ کا انتقال میرے بچپنے ہی میں ہوگیا تھا۔میں

نے چچا کے گھر پرورش پائی تھی۔پوری زندگی چچا کے گھر میں گزاری تھی۔یہ میری ماں کی مانند ہوچکی ہے۔مولا میں اس کی گود میں پروان چڑھا۔امامؑ نے کہا۔تمہاری ساری باتیں صحیح، مگر تھی تو تیرے لئے نامحرم۔یہ بتا کہ تو نے یہ کیسے اندازہ کرلیا تو نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ آلِ محمدؑ اپنے ایسے ماننے والے کو برداشت کیسے کریں گے کہ جو کسی نامحرم عورت کے جسم کو چھوتا ہے۔کیا تجھے پتہ نہیں کہ جب کوئی کسی نامحرم کے جسم کو چھوتا ہے تو ہمیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے کسی نے تلوار سے ہمارے سر پر وار کردیا ہے۔آلِ محمدؑ کو اتنی تکلیف پہنچا کر تم یہ کیسے خیال کرتے ہو کہ آلِ محمدؑ تم سے راضی اور خوش رہیں گے۔

نامحرم سے مراد صرف اجنبی عورت کیوں لیا جاتا ہے؟۔شادی بیاہ کی تقریبات میں جاکر دیکھیں۔اور مجالس کے اندر جو تبرکات نکالے جاتے ہیں۔تابوت، ذوالجناح، تعزیے، جنابِ قاسم کی مہندی اور جب ان چیزوں کی زیارت مردوں کو کرائی جاتی ہے تو وہی لڑکے ان تبرکات کو لے کر عورتوں میں جاتے ہیں۔جب یہ تبرکات عورتوں میں جاتے ہیں۔تو ان کے گرد اتنا ہجوم ہو جاتا ہے کہ کسی کو کسی بات کا ہوش نہیں رہتا اور نامحرم عورتوں کا جسم نامحرم لڑکوں سے مَس/touch ہوتا ہے جو کہ حرام ہے۔یقیناً مقدس ترین مقام پر مقدس ترین اجتماع ہے۔لیکن جب آیۃ اللہ خمینی پابندی لگادیں کہ مشہد مقدس کے اندر روضۂ امامؑ رضاؑ کا طواف مرد الگ کریں اور عورتیں الگ۔اب بتایئے! کہ اس سے زیادہ مقدس مقام کونسا ہوگا؟ یقینی طور پر یہ عزاخانے۔امامؑ

بارگاہیں اور تمام کے تمام مظاہرِ عزاداری، میں انکی توہین نہیں کر رہا۔ میں ان کے خلاف نہیں کہہ رہا۔ کیا تابوت یا ذوالجناح یا علم اگر آجائے تو محرم و نامحرم کے مسئلے کا خیال رکھنا واجب نہیں رہتا۔ کیا دو شریعتیں چل رہی ہیں۔ ایک شریعت عام دنوں میں اور دوسری شریعت ایّامِ عزاء میں۔

ہم امامؑ سے عقیدت کے جذبے کے تحت ہی مجالس میں جاتے ہیں۔ لیکن امامؑ سے عقیدت کا جذبہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ کام نہ کرو جو امامؑ کے دل کو تکلیف پہنچائے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ مجالس میں تبرک کی تقسیم کی جاتی ہے۔ تو بعض مقامات پر خواتین میں بھی یہی لڑکے جا کر تبرک تقسیم کرتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ شادی بیاہ کے موقع پر نکاح کے بعد جب کوئی کھانے پینے کی چیز بوتل یا آئس کریم چائے یا سوپ وغیرہ تقسیم کیا جاتا ہے تو یہی لڑکے جاتے ہیں اور عورتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

افسوس تو یہ ہے کہ ان مقامات پر بھی شریعت کا خیال نہیں رکھتے جہاں امامؑ حاضر ہوتے ہیں۔ خود بی بی سیّدہ تشریف لاتی ہیں۔ تو پھر ہمیں کتنا خیال رکھنا ہے۔ بی بی کی موجودگی کا۔ کتنی احتیاط کرنا ہے ہمیں اپنے امامؑ سید سجاد کی موجودگی کی۔ کہ یہ فعلِ حرام (یہ بھی فعلِ حرام ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے) نہ ہونے پائے۔ تو ان تمام چیزوں کا خیال رکھنا ہے۔

حسینؑ کی قربانی کا مقصد کیا تھا؟:

آلِ محمدؐ کے ماننے والے کربلا میں آلِ محمدؐ کی قربانی دیکھیں۔ آلِ محمدؐ نے یہ

قربانی اسلام کو بچانے کے لئے دی تھی۔ وہ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ وہ اسلام اسی کا نام ہے کہ نماز بچے، روزہ بچے، حج بچے، واجبات بچیں، حرام کی پابندی کا خیال رکھا جائے۔ پردے کے مسائل بچیں۔ محرم اور نامحرم کے امتیازات بچیں۔ اگر ہم ان ہی چیزوں کا خیال نہ رکھیں تو پھر ہم تو دشمنانِ اہلِ بیتؑ جیسے ہو گئے۔ انہوں نے امامؑ اور مقصدِ امامؑ دونوں پر خنجر چلایا اور ہم امامؑ کو تو نہیں البتہ مقصدِ امامؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ لوگ بہت بڑے گناہگار ہیں۔ لیکن آدھا تو ہم بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ تو آلِ محمدؐ کے ماننے والو! بس اس چیز کا تو خیال رکھو۔ کہ کم از کم جب بھی آلِ محمدؐ کے نام پر جمع ہو تو کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے آلِ محمدؐ کے دل کو تکلیف پہنچے بلکہ چاہیے کہ ان کے زخمی دلوں کا سہارا بنو، ان سے عہد کرو۔ مولا! جس مقصد کیلئے آپ نے اتنی قربانی دی، ہمارا وعدہ ہے کہ ہم ان مقاصد کی پابندی کریں گے۔

میری بات کا کوئی اور مطلب نہ سمجھ لیا جائے۔ میں عزاداری کی مخالفت نہیں کر رہا۔ عزاداری سے زیادہ کوئی مقدس عمل نہیں۔ اور عزاداری میں فعلِ حرام، اس سے بدترین کوئی کام نہیں۔ مسجد چونکہ مقدس مقام ہے تو گھر میں شراب پینے والے کا گناہ کم ہوگا اور مسجد میں شراب پینے والے کا گناہ زیادہ ہوگا اور چونکہ مسجد کے مقابلے میں خانہ کعبہ کا احترام زیادہ ہے تو گھر میں شراب پینے والے کا گناہ کم اور کعبہ میں شراب پینے والے کا گناہ زیادہ ہے۔ تو ان امامؑ بارگاہوں اور مساجد میں جہاں عزاداری جیسی عظیم عبادت سرانجام دی جاتی ہے۔ ایسی مقدس اور محترم جگہوں پر ایسے فعلِ حرام کا گناہ کتنا بڑھ جائے گا اسکا آپ خود ہی اندازہ لگا لیں۔ جتنا جتنا مقام کی عظمت اور تقدس

بڑھتا جائے گا۔تو ایسے مقام پر کئے جانے والے فعلِ حرام کا گناہ بھی اتنا ہی بڑھتا چلا جائے گا۔تو کم از کم ایسے مقامات پر کوئی ایسا کام نہ کیا جائے کہ اہل بیتؑ یہ سوچیں کہ افسوس ہم اتنی قربانی دے کر آرہے اور ہمارے ماننے والے اور ہماری ماننے والیاں ہمارا اتنا بھی لحاظ رکھنے کو تیار نہیں۔فاطمہؑ کی صفِ عزا پر بیٹھ کر تو اس چیز کی پابندی کر لو۔حسینؑ کی صفِ عزا۔یہاں بی بی بھی آرہی ہیں امامؑ بھی آرہے ہیں۔ان ہی کا لحاظ کر لو اور ذرا سوچو کہ کتنے مصائب اہلِ بیتؑ نے تمہارے لئے برداشت کئے۔اپنا بھرا گھر اہل بیتؑ نے تمہارے لئے لٹا دیا۔تم اتنی سی قربانی دینے کو تیار نہیں۔کتنی بڑی قربانی دی اہلِ بیتؑ نے،خالی کربلا کو نہ دیکھیں صرف کوفے کو نہ دیکھیں،خالی شام کو نہ دیکھیں بلکہ راستے کو بھی دیکھیں۔

مصائب:

جب قیدیوں کا قافلہ کربلا سے چلا تھا اور ننھے ننھے بچے اونٹوں پر بٹھائے گئے تھے تو کوشش یہ کی گئی تھی کہ کسی بچے کیساتھ اور کوئی نہ بیٹھے اور حکم دیا گیا کہ اونٹوں کو دوڑایا جائے۔جب اونٹ دوڑتے تھے تو یہ امامؑ زادے اونٹوں کی پیٹھ سے زمین پر گر جاتے تھے۔سیدانیاں وَاجـدَاہ کی صدائیں بلند کرتی تھیں۔ایک مرتبہ عمرِ سعد کا حکم آتا ہے کہ انہی بچوں پر سے اونٹوں کو گزار دیا جائے اور یہ ننھے ننھے امامؑ زادے اونٹوں کے پاؤں تلے کچلے جا کر اور تڑپ تڑپ کر راستے میں شہید ہوتے چلے گئے۔اور جب سکینہؑ گری،زینبؑ سکینہؑ کو لے کر آئی اور کہا اے شمر (لعنۃ اللہ) ننھی بچی ہے اور اونٹ پر اکیلے نہیں بیٹھ سکتی۔ارے اب تو اسے میرے ساتھ بٹھا دے۔اس کے بھائی

کے ساتھ بٹھا دے یا اس کی ماں کے ساتھ بٹھا دے۔شمر نے کہا۔زینبؑ تم کوئی فکر نہ کرو۔اب شمر (لعنۃ اللہ) کا وعدہ ہے سکینہؑ اب اونٹ سے گرنے نہ پائے گی۔اور پھر شمر نے کیا انتظام کیا؟ کسی بی بی کے ساتھ نہیں بٹھایا۔اونٹ کی پیٹھ پر سکینہؑ کو لٹایا اور رسی سے ننھی سکینہؑ کو اونٹ کی پیٹھ سے باندھ دیا۔اونٹ دوڑا۔سکینہؑ کا جسم اونٹ کی سخت پیٹھ سے رگڑ کھانے لگا۔اور جب اگلی منزل پر شام کو قافلہ رکا۔اہلِ بیتؑ کو اتارا گیا۔زینبؑ سکینہؑ پاس گئی۔سکینہؑ کو اتارا تو کیا دیکھا؟۔سکینہؑ کا تمام جسم چھل چکا ہے۔تمام جسم سے خون جاری ہے۔سکینہؑ کا کرتا خون میں بھرا ہوا ہے۔ایک دفعہ سکینہؑ شمر کے پاس گئی۔اے شمر تھوڑا سا پانی مجھے بھی پلا دے اتنی ساری مشکیں ہیں۔شمر منع کر دیتا۔اتنا کہہ دیتا کہ تیرے لئے پانی نہیں۔سکینہؑ پلٹ کر آجاتی۔مگر کیا کہا۔سکینہؑ میرے ساتھ آ۔شمر پانی کی مشک لے کر چلا۔ایک ایک سپاہی کو پانی پلایا جا رہا ہے۔سکینہؑ ساتھ ساتھ چلتی رہی۔سارے سپاہیوں نے پانی پی لیا۔اب اونٹوں اور گھوڑوں کے سامنے پانی رکھا گیا۔پھر بھی پانی بچ گیا۔اب شمر نے مشک اٹھائی۔سکینہ سمجھی مجھے پانی ملنے والا ہے۔کہا کوزہ لے کر آؤں یا ہاتھوں میں پانی دے گا۔شمر نے کہا۔''دیکھ یہ پانی'' اور یہ کہہ کر پانی زمین پر گرانا شروع کر دیا۔سارا پانی بہہ گیا اور سکینہ پھر پیاسی رہ گئی۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

حقیقی اسلام اور ہمارا تخلیقی اسلام ۵

﴿انّ الدّین عِندالله الاسلام﴾

ہمارا موضوع ان دو اسلاموں کا موازنہ ہے کہ جن میں سے ایک اللہ، رسولؐ اور آلِ رسولؐ کا بتایا ہوا اسلام ہے اور دوسرا اسلام جو ہمارے گھروں کی پیداوار ہے۔ جن میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فضائلِ حضرت علیؑ:

قرآن جس کا دعویٰ یہ ہے کہ

''﴿ولا رطب ولا یابس الّا فی کتاب مبین' انعام59﴾ اور حاملانِ قرآن، وارثانِ قرآن کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ'' ﴿فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون. انبیاء7﴾'' کوئی بھی علم ہو چاہے دینی یا دنیاوی یا سائنسی۔ وارثانِ قرآن تمام مسائل کا جواب دیں گے۔ تمام مسائل پر حاوی ہیں۔ بلکہ اس انداز سے حاوی ہیں کہ جب کسی نے جا کر مولا علیؑ سے سوال کیا کہ یا امیر المومنینؑ جب کوئی آ کر آپؑ سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے تو آپ فوراً اسے کیسے جواب دیدیتے ہیں۔ مولا کچھ دیر غور کر لیا کریں۔ اپنے جواب کو ذہن میں دوہرا لیا کریں تا کہ کوئی غلطی نہ ہو۔ کسی فن کا کتنا بڑا ہی ماہر

کیوں نہ ہو اگر سوال کا فوراً جواب دے گا تو لازمی طور پر کہیں نہ کہیں غلطی کا امکان ضرور ہوتا ہے۔ مولا نے اس کی بات سنی اور پوچھا کہ اے شخص یہ بتا تیرے ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہیں۔ کہا۔ پانچ۔ مولا نے فرمایا۔ تو نے فوراً جواب دے دیا۔ سوچا بھی نہیں، غور بھی نہیں کیا۔ جواب کو دوہرایا بھی نہیں۔ تھوڑی دیر ٹھہرا بھی نہیں۔ ایک دفعہ حیران ہو کر کہتا ہے کہ مولا، ایسے آسان سوال کے جواب میں بھی غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے؟ میرے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہر وقت میری نگاہوں کے سامنے رہتی ہیں۔ اس میں غور وفکر کی کیا ضرورت ہے؟ پس میرے مولا نے جواب دیا۔ اے سوال کرنے والے جس طرح ہاتھوں کی پانچوں انگلیاں ہر وقت تیرے سامنے ہیں اور تجھے غور وفکر کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح کائنات کی ہر شے علیؑ کی نظروں کے سامنے ہے۔ علیؑ کو بھی کسی مسئلے میں غور وفکر کی ضرورت نہیں۔

30،20 سال پہلے کی بات ہے امریکہ کے ایک سائنسی رسالے میں ایک مضمون چھپا تھا۔ اور دنیا کے ہر گوشے سے چھپنے والے علمی رسالوں کا ایک طریقہ ہوتا ہے کہ ان میں سوال وجواب کا ایک section ہوتا ہے۔ جس قسم کا وہ رسالہ ہو چاہے فلکیات کا ہو، ریاضی کا ہو، جغرافیہ کا ہو، تاریخ کا ہو۔ جس قسم کا بھی رسالہ ہو۔ اس علم کے متعلقہ اگر آپ کو کوئی سوال ہو تو لکھ کر بھیجیں۔ ایک بورڈ بیٹھا ہوتا ہے اُس علم کے ماہرین کا۔ وہ بورڈ آپ کے سوال کا جواب دیتا ہے۔ تو 30،20 سال پہلے کی بات ہے کہ رسالے میں ایک

سوال چھپا۔اور سوال کے ساتھ ہی رسالے کے مدیر ایک نوٹ دیتے ہیں۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمارے ماہرین نے تمام تر غور و فکر کے بعد بھی، تحقیق و جستجو کے بعد بھی اس سوال کا جواب ہمارے ماہرین کے ذہنوں میں نہیں آرہا ہے۔یعنی کوئی ایسا اصول، قاعدہ قانون ہمارے ماہرین نہیں بنا پا رہے کہ اس سوال کا جواب دے سکیں۔ہم اپنے قارئین کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ وہ اس سوال کا جواب دیں اور جس کا جواب سب سے بہتر ہوگا اسے ایک گرانقدر انعام دیا جائے گا۔پھر تو یہ رسالہ تمام دنیا کے پڑھے لکھے حلقوں میں جاتا ہے۔اور تمام حلقوں میں اس سوال کا جواب آیا۔لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو سائنسی اعتبار سے اس سوال کا بہترین جواب بن جاتا۔

اگر صحیح جواب آیا تو کہاں سے آیا۔ذہن یہ کہتا ہے کہ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے کسی سائنسدان نے لکھا ہوگا۔یا برطانیہ، جرمنی، جاپان، آسٹریلیا وغیرہ جیسے ممالک، جنکی عوام پڑھی لکھی ہے اور تحقیق و جستجو کرنیوالی ہے۔مگر نہیں۔جواب ایک ایسے پسماندہ ملک سے آیا جس کے بارے میں رسالے کے ناشران کو بھی توقع نہ تھی کہ اس ملک سے بھی ایسا بہترین جواب آسکتا ہے۔چنانچہ اس جواب کو شائع تو کیا لیکن فوراً جواب دینے والے کو خط لکھا کہ ذرا آپ یہ بتائیں کہ ایسے ملک میں اتنا بڑا سائنسدان چھپا ہوا کہاں ہے۔

آپ کو یہ جواب کیسے ملا۔کتنا آپکا علم ہے کتنی آپ کی تحقیق ہے۔یہ

جواب آپ نے کیسے دے دیا تو ایران جہاں سے یہ جواب آیا۔وہ شخص جواب میں لکھتا ہے کہ یہ جو سوال آپ نے پیش کیا۔میں نے اس پر نہ کوئی تحقیق کی۔نہ کوئی غور و فکر کیا۔نہ میں سائنس کی ابجد سے آگاہ ہوں۔یہ سوال میں نے اتفاق سے ایک جگہ پڑھ لیا۔اور فوراً مجھے بحار الانوار کی ساتویں جلد میں مجھے امیر المومنینؑ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔جس میں ایک مرتبہ یہی سوال کسی شخص نے آکر میرے مولا سے کہا تھا۔میں نے وہی جواب آپکو لکھ کر بھیج دیا ہے۔سوال کیا تھا۔وہ مشہور سوال جو آپ میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ میرا مولا گلدستہ اذان پر کھڑے ہیں۔وقتِ نماز آرہا ہے۔اذان دینے والے ہیں۔میرے مولاؑ کا یہ طریقہ دستور تھا کہ مسجد میں خود اذان دیا کرتے تھے۔اور میرے مولا کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ علیؑ اوّل وقت میں نماز ادا کرنیوالا ہے۔جب میدانِ صفین میں میرا مولا اولِ وقت کو فراموش نہیں کرتا تو عام حالات میں اول وقت کو کیسے فراموش کیا جائے۔تو ایک شخص آتا ہے میرے مولا کا امتحان لینے کیلئے۔سوال کرتا ہے یا امیر المومنینؑ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں جو اتنے زیادہ جانور ہیں۔(اور ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ عام طور پر دو ہی طریقوں سے ہے۔کچھ جانور انڈے دیتے ہیں کچھ پھر انڈوں سے بچے نکلتے ہیں اور کچھ جانور براہ راست directly بچے دیتے ہیں) یا امیر المومنینؑ وہ کون سے جانور ہیں جو انڈے دیتے ہیں اور وہ کونسے جانور ہیں جو بچے دیا کرتے ہیں۔

مولا نے فرمایا۔ دنیا کے وہ تمام جانور کہ جو اپنے بچوں کو دانہ کھلاتے ہیں وہ انڈے دیتے ہیں۔ اور جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں ان کے ہاں بچوں کی ولادت ہوتی ہے۔ جا سال بھر تحقیق کر اور مجھے آ کر بتا کہ میں نے جو کچھ تجھے بتایا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ وہ گیا سال بھر تحقیق کی اور سال کے بعد پلٹ کر آتا ہے۔ آتے ہی علیؑ کے قدموں میں گر پڑا۔ یا امیر المومنینؑ آپ نے جیسا کہا تھا میری تحقیق نے مجھے ویسے ہی بتایا ہے۔ میرے مولا فرماتے ہیں جو بغیر توڑے ہوئے، بغیر چبائے ہوئے، ثابت دانہ نگل لیتے ہیں وہ انڈے دیتے ہیں اور جو غذا چبا کر کھاتے ہیں وہ بچے دیتے ہیں۔ جا سال بھر تحقیق کر۔ اور علیؑ کو آ کر بتا کہ علیؑ نے تجھے صحیح جواب دیا یا غلط۔ وہ گیا تحقیق کرتا ہے۔ پھر پلٹ کر آتا ہے۔ آتے ہی میرے مولا کے قدموں میں گر پڑا۔ یا امیر المومنینؑ جیسا آپ نے کہا میں نے ویسا ہی پایا۔ مولا نے فرمایا۔ نہیں اور سن جو جانور تجھے ایسے نظر آئیں جن کے کان ظاہر ہیں، نظر آتے ہیں وہ بچے دیتے ہیں اور جن کے کان پوشیدہ ہیں وہ انڈے دیتے ہیں۔ جا سال بھر تحقیق کر اور پھر بتا کہ وہ صحیح ہے یا غلط۔ بس ایک مرتبہ سائل قدموں پہ گر پڑا۔ یا امیر المومنینؑ میں کہاں تک تحقیق کیے جاؤں آپ کا علم لامحدود ہے۔ لیکن میری زندگی تو محدود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں قیامت تک آپکے جواب پر تحقیق کروں گا تو آپ کا جواب کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

تو یہ وہ سلسلہ معصومینؑ ہے کہ جسے خدا نے تحفظِ دین کیلئے بھیجا۔ جس

طرح خدا نے ہر خشک و تر کا علم قرآن میں سمو دیا۔

﴿ولا رطب ولا يابس الافی كتاب مبين﴾

اسی طرح حاملان قرآن کو تمام کائنات کے علوم پر اس طرح حاوی کیا کہ اعلان کر دیا

﴿وكل شیء احصيناهُ فی امامٍ مبين﴾ یسین ۱۲.

ہم نے ہر چیز کا علم ان اہلِ بیتِ رسالتؐ کو عطا کیا۔ اور ان اہل بیت نے ہم تک الٰہی اسلام پہنچایا اور زمانہ گزرتا گیا۔

شیطان کی اہل بیت کے ماننے والوں کیلئے چال شیطان جو ہمیشہ سے اس چیز کے پیچھے پڑا ہے کہ کوئی شخص صحیح عقیدہ نہ رکھنے پائے۔ اس نے دیکھا کہ یہ اہلبیتؑ کے ماننے والے میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ یہ صحیح عقیدے کو مانے ہوئے ہیں۔ تو اس نے سوچا کہ ان کے عمل کو بگاڑا جائے اور اس انداز سے بگاڑا جائے کہ جو جہنم ان کو ملی کہ جن کا عقیدہ بگڑا وہی جہنم میں ان کو دلوا دوں جن کا عقیدہ صحیح ہے۔ عمل کو بگاڑ دینے کے ذریعے۔ اور شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور اہل بیتؑ کے ماننے والے اپنی غفلت کی وجہ سے شکست کھا گئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپکو اپنے بتائے ہوئے اسلام میں، وہ باتیں نظر آ جائیں کہ جو اہل بیتؑ کی بتائی ہوئی ہیں تو یہ نہ سمجھیں یہ مکمل وہی اسلام ہے۔ بلکہ ان باتوں کو بھی تو دیکھیں کہ جو آلِ محمدؐ نے نہیں بتائیں، جو آلِ محمدؐ کے مقصد کے بالکل خلاف ہیں۔ میں اپنی اس بات کو ایک مثال کے

ذریعے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ مثال اکثر ڈاکٹر کلب صادق اپنی مجالس میں دیا کرتے ہیں۔

آپ نے تصویر کو تو دیکھا ہوگا۔ آدمی کو اپنی تصویر کتنی پیاری لگتی ہے۔ ہر مرد اپنے خیال میں اپنے آپکو اس دنیا کا حسین ترین شخص اور ہر عورت اپنے آپکو حسین ترین سمجھتی ہے۔ آدمی اپنی تصویر سے محبت کرتا ہے۔ یہ ایک فطرت میں شامل ہے۔ اور اگر آپ اسی شخص کا کارٹون بنا دیجئے تو اس کو دیکھنا پسند نہیں کیا جاتا۔ اب وہی آدمی ہے، اسی کی شکل وصورت ہے لیکن دل میں ایک بیزاری اور نفرت ہوتی ہے اپنا کارٹون بننے سے تو تصویر کو پسند کرتا ہے کارٹون سے ہر ایک نفرت کرتا ہے۔ کارٹون دیکھ کر ہر ایک کی پیشانی پر شکن آجاتا ہے۔ تصویر دیکھ کر ہر ایک کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ تصویر اخبار میں چھپ جائے تو ہر ایک کو دکھائی جاتی ہے۔ بھئی دیکھا تھا آج کا اخبار۔ فلاں صفحے پر ہماری تصویر آئی تھی اور اگر کارٹون چھپ جائے تو اخبار چھپا چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ فرق کیا ہے دونوں میں تصویر بھی ہماری کارٹون بھی ہمارا۔ ایک سے محبت اور ایک سے نفرت۔ فرق یہ ہے کہ جیسے ہم ہیں ویسی ہی تصویر ہوتی ہے اور کارٹون میں اعضاءِ جسم کے تناسب کو بگاڑ دیا جاتا ہے۔ جسم اتنا سا اور چہرہ اتنا بڑا اس کارٹونسٹ نے بنا کر رکھ دیا ہے۔ خود پورا آدمی ایک انگلی کے برابر لیکن انکا کان معلوم ہوا کہ آلو کے برابر بنا ہوا ہے۔ تو جب اعضاء کے تناسب کو بگاڑ دیا گیا تو وہی چیز کارٹون بن گئی۔ اب کارٹون کو دیکھ دیکھ کر

ہنسی آرہی ہے۔ غصہ آرہا ہے۔ ہنسی بہت آتی ہے جب کسی اور کا کارٹون بنا ہوا ہو اور غصہ تب کہ جب اپنا کارٹون بنا ہوا ہو۔ جبکہ تصویر سے محبت کی۔ اس لئے کہ تصویر میں ہر چیز اسی مناسبت سے ہے۔ جس طرح حقیقت میں تھی۔

بس یہی کچھ منصب اسلام کے ساتھ ابھی کچھ لوگوں نے کیا ہے۔ اسلام کے اندر اگر ہر چیز اسی مناسبت سے ہو۔ جس مناسبت کیساتھ خدا نے بھیجی تھی۔ تو وہ اسلام حقیقی اسلام ہے۔ اور اگر اس طرح بگاڑا کہ ایک آدمی دنیاداری پر آیا تو اب کبھی پلٹ کر عبادت نہیں کرتا ہے اور جب عبادت پہ آیا تو 24 گھنٹے مسجد میں تسبیح لے کر مصلے پر بیٹھا ہوا ہے۔ دنیا والوں کا حق ادا نہیں کر رہا ہے۔ آپ نے کتنے ہی ایسے دیکھے ہوں گے کہ نمازی اور روزہ دار ہیں مگر رزق حرام کما رہے ہیں۔ یعنی کاروبار کرتے ہوئے جھوٹ بولتے ہیں۔ اور بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے گھروں کے اندر ایسا ہی ہوا ہے۔ اسلام کیساتھ ہم نے ایسا سلوک کیا۔ کہ ہر ایک کو اسلام کا جو حکم پسند آیا اسے تو لے کر آگیا اور اس سے ہٹ کر کوئی اسلامی حکم آیا تو ناراض ہوگیا۔ اب میں آپ کے سامنے کیا مثال پیش کروں۔ والدین کے حق بتائیں تو والدین سے زیادہ راضی کوئی نہیں۔ ہاں فقط صرف اسی کی سننا چاہیے بالکل حقیقت بتاتا ہے۔ اور اگر اولاد کے حقوق بتائے۔ تو کہتے ہیں کہ یہ کیسا آدمی ہے جو فتنہ وفساد برپا کرتا ہے۔ ایسی تقریریں تو نہیں ہونا چاہئیں۔ کبھی بیوی کے حقوق بتائے تو شوہر ناراض کہ یہ ہمارے گھر والوں کو بگاڑا جا رہا ہے۔ شوہر کے حقوق بتائے

تو بیویاں ناراض ہو رہی ہیں کہ یہ تو ہم پر اتنے مظالم ڈھائیں گے یہ تو ہمیں اپنے گھروں میں کنیز سے بدتر بنا دیں گے۔اور یہی تو بات مولا نے فرمائی۔

جابر ابنِ عبداللہ انصاری کا خواب:

رات کو جب جابر نے خواب دیکھا صبح کو پریشان ہو کر آئے یا امیر المومنینؑ رات کا خواب حل نہیں ہوتا۔مولا نے خواب پوچھا۔مولا میں نے دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک سفید کپڑا لٹکا ہوا ہے۔انتہائی خوبصورت کپڑا ہے کوئی پابندی نہیں۔کوئی پہرے دار نہیں۔جو چاہے لے جائے لیکن میں نے دیکھا آنیوالے آتے ہیں اور اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر لے جاتے ہیں۔مولا میں حیران ہوا کہ پورا کپڑا موجود ہے تو کام بھی آئے گا۔اور اس میں سے ٹکڑا کاٹا تو وہ پورا کپڑا جو تھا وہ بھی بدنما ہو گیا اور یہ چھوٹا سا ٹکڑا یہ بھی کسی بھی کام کا نہیں۔اور پھر میں نے یہ دیکھا کہ کچھ صحت مند جانور ہیں اور کچھ کمزور جانور ہیں۔بجائے اس کے کہ جانور صحت مندوں سے استفادہ کریں۔میں نے دیکھا کہ صحت مند جانور کمزور جانوروں کا دودھ پی رہے ہیں۔اور کچھ تندرست لوگ ہیں اور کچھ بیمار لوگ بجائے اس کے کہ تندرست بیماروں کی عیادت کیلئے آئیں۔بیمار تندرستوں کی خیریت دریافت کرنے جا رہے ہیں۔

مولا نے فرمایا اے جابر یہ خواب آخری زمانے کے صاحبانِ ایمان کے بارے میں ہے۔یہ جو جانور تم نے دیکھے۔یہ آخری زمانے کے حاکم اور آخری

زمانے کی رعایا ہے۔تندرست جانور آخری زمانے کے حاکم اور کمزور جانور آخری زمانے کی رعایا۔بجائے اس کے کہ حاکم رعایا کی عیادت کریں جبکہ ان کے خزانے بھرے ہوئے ہوں گے۔وہ اور اپنی غریب رعایا کا خون چوسیں گے اور ان سے ٹیکس لیں گے۔اور اے جابر یہ جو تم نے دیکھا کہ کچھ بیمار ہیں اور کچھ صحت مند۔صحت مند لوگ آخری زمانے کے امیر لوگ ہیں۔ان کے مال میں غریب لوگوں کا حق ہوگا مگر بجائے اس کے کہ یہ غریب لوگوں کا حق ادا کرنے کیلئے ان کے دروازے پر جائیں غریبوں کو خمس و زکوٰۃ دینے ان کے دروازے پر آنا پڑے گا۔گویا بیمار صحت مند کے دروازے پر آگیا۔

واجب کو چھوڑ کر مستحب انجام دینے والے:

اب یہ بات آگئی ہے تو میں ایک جملہ کہتا چلوں۔آپ نے دیکھا ہوگا ہمارے یہاں بہت سے صاحبانِ دولت ایسے ہیں کہ جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں۔لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں۔لیکن خمس دینے کو تیار نہیں ہیں۔چندہ مانگیں۔چندہ فوراً دے دیں گے اور پھر عجیب بات یہ کہ چندہ وہ اسی مقام کیلئے دیں گے جہاں پر خمس دینا بھی جائز تھا۔یعنی اگر وہی پیسہ خمس کی نیت کر کے وہاں بھجوا دیتے تو وہ وہیں پہنچتا۔اور جب چندے کی صورت میں دیا تب بھی وہیں پر پہنچا۔

خمس کی بجائے چندہ دینے والے:

اب اگر خمس کی نیت سے حاکم شرع کی اجازت لے کر خرچ کرتا تو

واجب بھی ادا ہو جاتا اور جب چندے کے نام پر دے رہا ہے۔تب بھی پیسہ تو خرچ ہو رہا ہے۔لیکن اتنا فرق ہے کہ اگر خمس کی نیت سے دیتا تو حلال پیسہ تھا۔اس کو ثواب ملتا۔لیکن جب خمس نہیں نکال رہا ہے اور چندے کے نام پر دے رہا ہے، سب کچھ دیا اور بیکار گیا۔اس لئے کہ جس کے مال پر خمس واجب ہو جائے اب اس کیلئے مستحبات کو ادا نہ کرے۔ہاں اگر ایسا آدمی ہو جو کہیں بھی نہیں خرچ کرتا۔چندہ بھی نہیں دیتا۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص ان مقامات پر خرچ کرنا ہی نہیں چاہتا کہ جن مقامات پر خمس خرچ ہوتا ہے۔لیکن دے بھی اسی مقام پر رہا ہے۔اور چندہ خمس سے بھی زیادہ دے رہا ہے۔لیکن خمس کے نام اور خمس کی نیت سے نہیں دے رہا۔بس وہی اللہ کے اور ہمارے بنائے ہوئے اسلام کا فرق ہے کہ اگر خمس کے نام پر دے گا تو اپنے حاکم کے، عالم کے یا مجتہد کے دروازے پر جانا پڑے گا۔خمس جا کر دینا پڑتا ہے۔چندہ لینے والے کو دروازے پر آنا پڑتا ہے۔خمس دے گا تو یہ خیال ہے کہ ہمیں دروازے پر جانا پڑے گا اور چندہ دے گا تو یہ اطمینان ہے۔لینے والا ہی میرے در پر آئے گا۔بس یہی فرق ہے کہ جس کی وجہ سے خمس سے زیادہ دے رہا ہے، اسی مقام پر خرچ کر رہا ہے۔لیکن خمس کی نیت اور خمس کے نام پر دینے کو تیار نہیں۔

یہی چیز میرے مولا فرما رہے ہیں کہ بجائے اس کے کہ امیر غریب کا حق ادا کرنے کے لئے غریب پاس جائیں۔غریب امیر کے دروازے پر اپنا حق لینے آ رہا ہے۔پھر مولا نے فرمایا۔وہ جو سفید کپڑا تم نے زمین و آسمان کے

درمیان دیکھا۔یہ سفید کپڑا آخری زمانے کا اسلام ہے کہ اسلام موجود ہوگا اپنے تمام بہترین اصولوں کے ساتھ۔خدا کا وعدہ ہے کہ اسلام پر عمل کرو گے تو دنیا بھی تمہاری آخرت بھی تمہاری۔لیکن کوئی پورے اسلام کو لینے پر تیار نہیں۔ایک ٹکڑا کاٹ لے گا جو اسے پسند آ جائے گا۔جو حکم اسلامی اس کے فائدے میں تو وہ لے جائے گا۔

خمس کا حکم آپ نے سنا۔خمس کی تقریر سنی۔بہت خوش ہو کر جائے گا۔ہاں۔صحیح اسلام بیان کیا جا رہا ہے۔کیوں اس لئے کہ یہ خود خمس کا حقدار ہے۔اب اپنی مدد کے لیے خمس لے سکتا ہے۔مگر جب یہ کہو ۔کہ داڑھی رکھ لو، پردہ کراؤ گھر والوں کو۔کہا جائے گا کہ ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ارے ارحم الراحمین خدا موجود ہے۔اہل بیتؑ معاف کروانے والے ہیں۔اگر تو یہ کہتا ہے کہ نماز پڑھے بغیر اور داڑھی رکھے بغیر اور پردہ کئے بغیر اہلِ بیتؑ معاف کرا سکتے ہیں تو اس کو کیوں برا کہہ رہا ہے جو اپنے مال سے خمس زکوٰۃ نہیں نکال رہا۔کہ دیکھئے ان کے مال میں ہمارا حق واجب ہے۔وہ دینے کو تیار نہیں۔اہل بیتؑ اگر تمہاری شفاعت کروا سکتے ہیں تو اس کی کیوں نہیں کروا سکتے۔اس کی بات آئی تو ساری حد توڑ دی۔معصومینؑ نے اتنی تاکید کی ہے خمس کی۔خمس تو واجب ہے۔اور جب اس کی بات آئی تو کہہ دیا کہ جنابِ سیدہؑ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں جنت میں لے جائیں گی۔ارے کاش ہم اس قابل بن جائیں کہ شہزادی کی نگاہوں میں آ سکیں۔شہزادی ہمیں ان میں شمار تو کریں جن کو وہ

جنت میں لے جائیں گی۔لیکن ہر ایک شمار میں نہیں آئے گا۔

داڑھی اور مرد کا سونے کی انگوٹھی پہننا: نگاہِ رسولؐ میں:

ایک چھوٹی سی مثال دوں کہ آلِ محمدؐ کا اسلام کیا ہے۔نصاری نجران، نجران میں ان کو اطلاع ملتی ہے کہ مدینے میں ایک نبی موجود ہے۔اور جب صلح حدیبیہ ہوئی تو اس کے بعد پیغمبر نے اپنے قاصدِ تمام عرب قبیلوں کی جانب بھیجے۔نجران میں بھی پیغمبر کا قاصد گیا۔لوگوں کو پتہ چلا کہ ایک نیا دین آیا ہے اور یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام پھیلتا چلا جا رہا ہے۔پریشان ہوئے کہ آج نہیں تو کل ہم اسلام کے ماتحت آکر رہیں گے۔یہ سوچا کہ مدینہ چل کر اس نبی کو دیکھنا چاہئے کہ یہ ہے کیسا۔ذرا اس کا جائزہ لیں۔ذرا اس کا امتحان لیں اور پورا وفد آیا۔نجران کے عیسائیوں کا۔لوگ مجھ سے ایک بات کہا کرتے ہیں اور یہ بات ہر خطیب اور واعظ سے کہی جاتی ہے۔اگر چہ نہ میں اس بلند مقام کا مستحق ہوں کہ مجھے خطیب کہا جائے نہ اس رتبہ عالیہ کا حقدار کہ مجھے واعظ کہا جائے۔لیکن لوگ اپنے خیال باطن میں یہ سمجھ کر مجھ سے کہتے ہیں کہ جی آپ لوگوں کی تقریروں میں سختی اتنی ہوتی ہے کہ کوئی آئے گا ہی نہیں تو آپ پیغام کسے سنائیں گے۔آپ نرمی سے بات کریں کچھ کہیں نہیں۔پہلے مجمع جمع کریں اور اس کے بعد پھر یہ بات کہیں۔کہنے والے یہی کہتے ہیں کہ جی نیا نیا آدمی آتا ہے تو ذرا پیار، ذرا محبت ذرا نرمی کے ساتھ ذرا رحمت ذرا ثواب دکھاتے ہوئے آگے بڑھیں۔آپ پیغمبرؐ کا یہ واقعہ سن لیں پیغمبر سے زیادہ رحمت کس

کے پاس۔﴿وما ارسلنک الا رحمة للعلمین.﴾ پیغمبرؐ سے زیادہ بلند اخلاق والا کون ہو سکتا ہے۔﴿انک لعلی خلق عظیم﴾ اے پیغمبر آپ کے پاس اخلاق عظیم ہیں (خدا کہہ رہا ہے)۔اب آپ سنیے یہ نصاری و نجران مدینے میں پہنچے۔اور یہ بھی ایک دستور کہ جب دشمن دشمن کے پاس جاتا ہے۔مخالف مخالف کے پاس جاتا ہے۔یا تو کسی ایسے مخالف کے پاس جاتا ہے جس کے دل میں ڈر رہا ہو، تو اس صورت میں پوری شان و شوکت کے ساتھ جاتا ہے۔رعب و دبدبے کے ساتھ جاتا ہے۔عزت و جلال کے ساتھ جاتا ہے تاکہ سامنے والا سمجھ جائے کہ میں کمزور نہیں۔

چنانچہ مدینے پہنچے۔کل پیغمبرؐ سے ملاقات کرنا ہے۔پیغمبر نے مسجد اور اپنے حجرے کے درمیان ایک جگہ رکھی تھی جہاں باہر سے آنیوالے تمام غیر مسلموں سے ملاقات کرتے تھے۔اب اگلے دن نبی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔اس وفد نے شاہی لباس پہنا تمام زیورات پہنے۔سونے چاندی کی انگوٹھیاں پہنیں اور پورے طریقے سے بن سج کر مسجد کے پاس آئے۔پیغمبرؐ کو سلام کیا۔مستند ترین روایت یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے سلام کا جواب تو درکنار بلکہ منہ پھیر لیا۔اب یہ فقہ کا مسئلہ کہ سلام کا جواب صرف مسلمانوں کا واجب ہے۔یہ لوگ جو مجھ سے شکایت کرتے ہیں یقیناً آپ سے بھی شکایت کریں گے۔کہ پیار محبت سے دوسروں سے پیش آیا جاتا ہے۔اور آنیوالے تو غیر مسلم ہیں۔انھیں مسلمان بنانا چاہئے۔اخلاق و محبت سے بنایا جائے۔لیکن وہ سلام

کہ رہے ہیں اور آپ منہ پھیر کے بیٹھ گئے۔ دوبارہ سلام کیا پیغمبرؐ نے پھر رخ موڑ لیا۔ تیسری جانب سے آکر سلام کیا۔ پیغمبرؐ نے پھر رخ موڑ لیا۔ یہ کون کر رہا ہے۔ جو صاحب خلق عظیم ہے۔ جو رحمۃ اللعلمین ہے۔

یہاں تک کہ مایوس مایوس باہر چلے گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اسی دن اور بعض میں ہے کہ تین دن کے بعد، تین دن مسلسل آتے رہے۔ سلام کرتے ہیں اللہ کا رسول جواب دینے کو تیار نہیں بلکہ دیکھنے کو تیار نہیں۔ اور جب تین دن گزر گئے تو اب پریشان ہوئے۔ اصحابِ رسول مدینے کی گلیوں اور بازاروں میں ملا ہی کرتے ہیں۔ دریافت کیا کہ پیغمبر ہماری جانب رخ کرنے کو تیار نہیں۔ ہم پوچھنے آئے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ ہم دشمن نہیں جنگ کرنے نہیں آئے۔ تحقیق کرنے آئے ہیں اور جواب نہیں ملتا۔

اصحاب رسولؐ نے کہا کہ ہمیں تو پتہ نہیں کیا وجہ ہے؟ پوچھا کہ پھر کیسے پتہ چلے گا۔ جواب دیا کہ نبوت کے مزاج کو ایک ہی شخص پہچانتا ہے۔ علی ابن ابیطالبؑ کے پاس جاؤ۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ پیغمبر تم سے ملاقات کیوں نہیں کر رہے ہیں۔ علیؑ کے پاس آئے۔ پوچھا کہ رسولؐ ہم سے بات کیوں نہیں کرتے۔ وجہ کیا ہے؟ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ تمہاری شکل کی وجہ سے۔ گھبرا کر پوچھا کیا بات ہے۔ دو باتیں بتائیں۔

۱۔ یہ کہ تمہاری داڑھیاں نہیں ہیں اور مونچھیں رکھے ہوئے ہو۔ اللہ کے رسولؐ یہ غیرِ مسلم ہیں۔ احکام اسلام پہ عمل کیوں کریں ابھی تو کلمہ بھی نہیں

پڑھا؟ لیکن رسولؐ کا یہی رویہ تھا ان کے ساتھ کہ جیسے تمام مفسرین نے نقل کیا ہے۔ انکار کی گنجائش نہیں اور ایک مرتبہ نہیں۔ عیسائیوں کا جو وفد آیا اور داڑھی منڈا کر آیا۔ پیغمبرؐ نے کبھی ان سے بات چیت نہیں کی۔ جو ہستی دنیا میں بات کرنے کو تیار نہ ہو وہ آخرت میں بات کرنے کو کیسے تیار ہوگا۔ اور کیسے شفاعت کرے گا۔ جو دنیا میں صاحبِ خلقِ عظیم ہونے کے باوجود، کہ یہاں تو ابولہب اور ابوجہل سے بھی بات کر رہے ہیں، لیکن داڑھی منڈوانے والے شخص سے بات نہیں کرتے۔ وہ آخرت میں کیسے رحمت نازل کریں گے۔

۲۔ اور دوسری چیز کہ جس پر میرے مولا نے خاص زور دیا وہ یہ کہ تمہاری انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں ہیں۔ (یہ شیعہ اور سنی تفاسیر میں موجود ہے) اس لئے اللہ کا رسولؐ تم سے بات نہیں کرے گا کہ جب تک انگوٹھی اتار کر نہ جاؤ گے۔ اب 24 گھنٹوں میں داڑھیوں کا انتظام کرنا بہت مشکل تھا مگر انگوٹھیاں اتاری جا سکتی تھیں۔ اگلے دن انگوٹھیاں اتار کر گئے۔ اب پیغمبرؐ نے سلام کا جواب بھی دیا۔ استقبال بھی کیا۔ اور ایک مرتبہ مباہلے کی بات چیت شروع ہونے لگی۔

بات یہ پتہ چلی کہ اللہ کے اسلام میں سونے کی انگوٹھی مرد کے لئے پہننا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ کا رسول صاحبِ خلق عظیم ہونے کے باوجود رحمۃ اللعالمین ہونے کے بعد شفیع المذنبین ہونے کے باوجود آدمی سے بات کرنے کو تیار نہیں جو سونے کی انگوٹھی پہن کر آئے۔ بات تو در کنار۔ اس کے سلام کا

جواب دینے کو تیار نہیں۔ سلام کا جواب تو درکنار اس کی جانب دیکھنے کو تیار نہیں۔ وہ ادھر سے آئے تو پیغمبرؐ کا چہرہ ادھر اور وہ ادھر سے آئے تو پیغمبرؐ کا چہرہ ادھر۔ فقہ کا مسئلہ۔ مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی پہننا نہ صرف حرام ہے بلکہ اگر اس کو پہن کر نماز پڑھی تو نماز باطل، اس کو حج کے دوران پہن کر نمازِ طواف پڑھی تو نمازِ طواف باطل اور اس کے نتیجے میں حج باطل۔ اور اس کے پہننے سے اس کی بیوی اس کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام۔ اتنا اہم مسئلہ ہے۔

لیکن اب ہمارے گھروں کی فیکٹریوں کے تیار شدہ اسلام کی بات کریں۔ یہاں یہ پہلا مطالبہ شادی کے موقع پر یہ ہوتا ہے کہ سونے کی انگوٹھی چاہیئے۔ سونے کی انگوٹھی لینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے بغیر شادیاں ہوتی ہی نہیں ہیں اور اگر انگوٹھی نہ دی جائے تو۔ تمام زندگی عورتیں آنیوالی بہو کو یہ طعنہ دیتی رہتی ہیں کہ تمہارے گھر والوں نے ہمیں شادی کے موقع پر سونے کی انگوٹھی نہیں دی تھی۔ اگر کسی گھر والے نے یہ سوچا کہ میں محمدؐ وآلِ محمدؐ کے دین پہ عمل کرونگا۔ بیٹی کی شادی کرونگا مگر سونے کی انگوٹھی داماد کو نہیں دوں گا۔ اب تمام زندگی اس کو بھی اور اس کی بیٹی کو بھی طعنے سننا پڑیں گے۔ اب یہ بیٹی چاہے کتنی ہی اچھی اور خدمت گزار ثابت ہو۔ یہ کتنا ہی اپنے شوہر کے گھر والوں کا خیال رکھنے والی بیوی ثابت ہو مگر چونکہ سونے کی انگوٹھی نہ دی اس کی اس لئے تمام زندگی طعنہ دے کر اس کا کلیجہ چھلنی کیا جائے گا۔ تمام زندگی اس کے گھر والوں کی بے عزتی کر کے اپنا دل خوش کیا جائے گا۔

اور یہ خاندان وہ ہے جو ﴿اوّلنا محمدٌ و اوسطنا محمدٌ و آخِرُنَا محمدٌ و کُلُّنا محمدٌ﴾ سب محمد ہیں یعنی اگر ایک نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ تو کوئی دوسرا معصوم جواب نہیں دے گا۔ اگر ایک نے منہ پھیر لیا۔ تو سب منہ پھیر لیں گے۔ تو اپنے آپ کو شفاعتِ اہل بیتؑ کا حقدار سمجھنے والے، قبر اور قیامت میں آلِ محمدؐ سے شفاعت کی امید رکھنے والے، کم از کم سونے کی انگوٹھی نہ پہنیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ شفاعت حاصل کرنے جائیں اور معصوم منہ موڑ لیں۔

ایک مومن کا خوف ورجاء کیسا ہونا چاہیئے:

اور امید شفاعت کا حکم اتنا سخت اور تاکیدی ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ اگر آسمان سے یہ اعلان ہو جائے کہ خدا نے اپنے تمام بندوں کو بخش دیا ہے۔ سارے بندے فرعون و نمرود و ہامان و شداد۔ سارے بندے بخش دیئے گئے ہیں۔ بس ایک بندے کو گناہوں کی وجہ سے پکڑا گیا ہے۔ اور وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (تو مومن کا خوف کیسا ہونا چاہیئے؟) تو حدیث یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ جس کو خدا نے جہنم میں ڈالنا ہے وہ تم ہی ہو نگے۔ مومن یہ سمجھے کہ یقیناً میرے ہی اتنے گناہ ہیں کہ مجھے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور پھر اگر یہ اعلان ہو جائے (خوف ہو تو ویسا اور امید ہو تو ایسی)۔

اگر دوسرا اعلان ہو کہ خدا نے اپنے تمام بندوں کو جہنم میں ڈال دیا ہے بس ایک بندہ جنت کیلئے بچا ہے کہ جس کو خدا جنت میں داخل کرے گا۔ اپنی رحمت و فضل کی وجہ سے۔ تو امید ایسی رکھو کہ یہ خیال آئے کہ یقیناً یہ بندہ میں

ہی ہوں گا۔ جس پر خدا اپنا فضل و رحمت نازل کر رہا ہے۔ تو مومن کے خوف و رجاء کا یہی تناسب ہونا چاہئے جو حدیث میں بتایا گیا ہے۔ تو امید اپنے مقام پر صحیح ہے لیکن اس کی وجہ سے شریعت کا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ آلِ محمدؐ کا اسلام وہ کہ عیسائی بھی سونے کی انگوٹھی پہن کر آئے تو بات کرنا ناممکن ہے اور یہاں آلِ محمدؐ کے ماننے والے ہیں جو یہ کام کر رہے ہیں۔

شادی کے موقع پر بیوہ عورتوں پر ظلم:

شادی بیاہ کے موقع پر کہ جہاں کتنے شگونوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ بعض گھرانوں میں تو یہ ظلم عظیم ہوتا ہے کہ جس پر زمین و آسمان تھرّانے لگتے ہیں۔ ملائکہ آسمانی کانپنے لگتے ہیں۔ مخلوقات ارضی و سماوی رونے لگتے ہیں۔ وہ کیا؟ کہ بیوہ کو قریب نہیں آنے دیتے۔ کہ کہیں اس نئی دلہن کی زندگی بھی اس بیوہ جیسی نہ ہو جائے جو اس کی شادی میں شرکت کرے گی۔ بیوہ کہ جس کی زندگی میں اس کا سہاگ چلا گیا۔ گھر اجڑ گیا۔ ساری زندگی مصائب سے بھر جاتی ہے۔ اب کبھی شادی جیسا خوشی کا موقع آیا تو رشتہ داران غلط شگونوں کی وجہ سے رکاوٹ بن جائے۔ جبکہ اسی شادی میں وہ کام کر لیا کہ آلِ محمدؐ ناراض ہو گئے۔ اور جب وہ ناراض ہوئے تو برکت کہاں رہے گی؟ برکت کیلئے حدیثِ کساء کا پڑھ دینا کافی نہیں ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آلِ محمدؐ کو ناراض کر کے اور حدیثِ کساء پڑھ کر آپ برکتیں نازل کروائیں؟ اور عام طور پر دیکھا یہی گیا ہے کہ یہ اعتراض ماؤں کی جانب سے ہوتا ہے۔ کہ ہمارے

بیٹے کو تم نے سونے کی انگوٹھی نہیں بھجوائی۔ تو یہ آلِ محمدؐ سے کیسی محبت ہے؟ یہ کیسا اسلام ہے؟ فتحِ خیبر و خندق سن کر نعرے لگانا آسان ہے۔ وجد میں آجانا بہت آسان ہے۔

جو غلط رسم و رواج سے نہیں ٹکرا سکتا ہے، وہ یزیدیت سے کیا ٹکرائے گا:

ہماری گفتگو ایسے ہی انداز میں ہوگی۔ چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کی جاتی رہیں گی۔ اور حقائق کی پردہ کشائی ہوتی رہے گی۔ پسند آئے تو سنیئے۔ پسند نہ آئے تو کوئی جبر نہیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ جب تک آپ کو یہ حقائق معلوم نہ ہوئے۔ آپ اپنے گھروں کو نہیں بدل سکتے۔ اور جب تک آپ اپنے گھر کو نہ بدل دیں اس وقت تک آپکو یہ حق نہیں کہ آپ کہیں کہ ہم حسینیؑ ہیں۔ اس وقت تک آپ اپنے آپکو کربلا کا عزادار نہیں کہہ سکتے۔ عزادارانِ کربلا کی شان ہی کچھ اور ہوا کرتی ہے۔ جب عزادارِ کربلا یہ کہتا ہے ﴿'فیالیتنی کنت معکم فافوز معکم'﴾ 'مولا میں آپکے ساتھ ہوتا تو میدان کربلا میں آپ کے ساتھ جہاد کرتا۔ تو واضح سی بات ہے کہ کربلا کا جہاد یزیدیت سے ٹکرانے کا نام ہے۔ تو جو اپنے گھر والوں سے نہیں ٹکرا پاتا ہے۔ وہ یزیدیت سے کیا ٹکرائے گا۔ جب آپ اپنے گھر کی عورتوں سے نہیں ٹکرا سکتے۔ گھر اور خاندان کے رسم و رواج سے نہیں ٹکرا سکتے تو میدانِ کربلا میں یزیدیت سے کیسے ٹکراتے۔

مصائب:

اور جب آپ کربلا کا واقعہ سنتے ہیں آپکے دل میں ایک تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش امامؑ کی مدد کیلئے اس مشکل منزل میں ہم بھی ہوتے۔ تو سوچ لیا کریں کہ یہ کہہ کر آپ کتنے بڑے امتحان کو دینے کی خواہش کرتے ہیں۔ کیونکہ کربلا میں بھوک کا بھی امتحان تھا۔ شہادت کا بھی امتحان تھا، پیاس کا بھی امتحان تھا۔ گھر والوں کی رسوائی کا بھی امتحان تھا اور تمام امتحان برداشت کرنا پڑے۔ لیکن ایک امتحان ایسا تھا جو سوائے میرے مولا حسینؑ کے کسی نے نہ دیا۔

روایتوں میں ہے کہ جب عصر عاشور حسینؑ کے گلے پر قاتل کا خنجر چل گیا۔ حسینؑ کا سر نوکِ نیزہ پر بلند ہو گیا۔ فاطمہؑ کی بیٹی کو پتہ چل گیا کہ میرا ماں جایا جدا ہو گیا۔ کہ یکا یک کان میں گھوڑے دوڑنے کی آواز آئی۔ گھبرا کر کہا۔ اماں فضہ یہ گھوڑے کیوں دوڑائے جا رہے ہیں۔ اماں فضہ نے منظر دیکھا کہ عمرِ سعد نے اپنی فوج کو جمع کیا اور کہا کہ عرب والو۔ تمہیں پتہ ہے کہ جب ہم کسی کی پوری بے حرمتی کرنا چاہتے ہیں تو اس کی لاش پر گھوڑے بھی دوڑاتے ہیں۔ گھوڑوں کو تیار کرو۔ گھوڑے تیار ہوئے۔ یہ دیکھ کر قبیلہ حر نے کہا۔ اے عمرِ سعد ہم نے سب کچھ برداشت کر لیا لیکن اپنے سردار کے لاشے پہ گھوڑے برداشت نہیں کر سکتے۔ ابن سعد نے کہا اچھا حر کا لاشہ لے جاؤ۔

حبیب کا قبیلہ بنی اسد آیا۔ عمر سعد غضب ہو جائے گا اگر حبیب کے لاشے پر گھوڑے دوڑ گئے۔ حبیب کا لاشہ لے گئے۔ اس طرح ہر ایک قبیلہ

آگے بڑھتا رہا اور متعلقہ لاشے کو اٹھا لیتا۔ علی اکبر کا لاشہ اٹھا لیا گیا۔ عون و محمد کا لاشہ اٹھا لیا گیا۔ مگر ایک لاشہ ایسا تھا جس کا کوئی وارث نہ تھا۔ جس کا کوئی اٹھانیوالا نہ تھا۔ یہ رسولؐ کا نواسہ ہے۔ یہ فاطمہؑ کا لال ہے۔ حسینؑ کا لاشہ۔ ایک مرتبہ فضہ نے یہ منظر دیکھا۔ آواز دی شہزادی ذرا آ کر دیکھیں۔ آپ کے بھائی پر آخری ظلم کیا ہو رہا ہے۔

زینبؑ نے جب بھائی کے لاشے پر گھوڑے دیکھے۔ بس ایک مرتبہ مدینے کا رخ کیا۔ السلام علیک یا جداہ۔ نانا میرا سلام قبول کیجئے۔ نانا جس حسینؑ کو آپ سینے پر سلاتے تھے۔ آپ کے اس نواسے کے سینے پر گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

تاکید حصول علم دین

فرمان امام محمد باقر علیہ السلام:
علم دین حاصل کرنے، مصیبت پر صبر کرنے اور معاش میں میانہ روی اختیار کرنے میں کمال تام ہے۔

فرمان امام جعفر صادق علیہ السلام:
جب خدا کسی بندے سے نیکی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے علم دین عطا کرتا ہے۔

(اقتباس از توضیح المسائل آیۃ اللہ الخوئی ص ۴۰ تا ۴۲)

ہماری غلط رسومات

﴿وَمَنْ یَتَّبِعْ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ.﴾

جس نے اتباع کی غیر اسلام کی وہ ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ اور آخرت میں خسارہ پانے والا ہوگا۔

وہ حقیقت جو ہم سنانا چاہتے ہیں اسے غور و توجہ سے سنیں۔ انسان دل میں غصہ لے کر اٹھتا ہے کہ آج مولانا نے کیا الٹی سیدھی بات کہہ دی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گفتگو توجہ کے ساتھ نہیں سنی جاتی۔ نتیجتاً اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مجلس کے وقتِ مقررہ میں آجایا کریں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

اسلام آسان ترین شریعت ہے:

ہماری تقاریر سے ہوسکتا ہے کہ سننے والوں کو یہ تاثر ملے کہ اسلام ایک کتابی مذہب ہے۔ جس کو پڑھا تو جاسکتا ہے۔ جس کے اصولوں پر واہ واہ تو کی جاسکتی ہے۔ تعریف تو کی جاسکتی ہے۔ لیکن عملی زندگی میں اس کے اصولوں پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک کہ انسان اپنے تمام خاندان، گھر بار، دوست،

رشتہ دار، کاروبار، ملازمت، تمام دنیا کو ترک کر کے کسی صحرا میں، کسی غار و بیابان میں نہ چلا جائے۔ اس وقت تک تو کم از کم موجودہ زمانے میں ان سخت اور مشقت طلب اصولوں پر عمل ممکن نہیں۔ یقینی طور پر غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اور یہ بتادوں کہ اب تک مجھ سے کسی ملنے والے نے یہ شکایت نہیں کی کہ یہ باتیں نا قابلِ عمل ہیں۔ لیکن مجھے خود اندازہ ہے کہ جو باتیں بتائی جارہی تھیں کہ جو ہمارے خیال میں مذہب کی بنیاد ہیں۔ جن کے بغیر کوئی مومن مومن نہیں، کوئی شیعہ شیعہ نہیں، کوئی محبِ اہلِ بیتؑ محبِ اہلِ بیتؑ نہیں۔ مجھے خود کو احساس تھا کہ سننے والے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ باتیں صرف سننے کی حد تک ہیں۔ عمل سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں۔ ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

تو اسلام کے بارے میں ایک حقیقت تو اپنے ذہنوں میں بٹھالیں۔ کہ پیغمبرؐ کا ارشاد ہے کہ یہ شریعتِ سہلہ ہے، خدا نے مجھے سب سے آسان شریعت دے کر بھیجا ہے۔ میری شریعت سے زیادہ آسان کوئی شریعت نہیں۔ اگر کوئی شخص سمجھے کہ (اسلام کا ایک اصول ہی کیوں نہ ہو) اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ تو یا پھر وہ اصول اسلام کا اصول نہیں۔ اور یا پھر یہ سمجھنے والا کسی فریب اور غلط فہمی کا شکار ہوگیا ہے کہ اس پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ اصولِ اسلام ہے کہ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.﴾ خدا کسی شخص پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالتا، کسی مومن یا مومنہ کو کوئی ایسا حکم نہیں دیتا کہ جو حکم اس مومن

یا مومنہ کی طاقت سے باہر ہو۔ گفتگو چاہے اصول دین کے بارے میں ہو یا فروع دین سے متعلق ہو کسی مجتہد، کسی عالم، کسی ذاکر سے سنیں، ایک بات یاد رکھیں کہ شریعت ہمیشہ وہی حکم بتائے گی کہ جس پر عمل کرنا ہمارے لئے ممکن ہو۔ رسولؐ اور امامؑ کوئی ایسا حکم بتا ہی نہیں سکتے کہ جس پر عمل کرنا ہمارے لئے ناممکن ہو۔

اسلام کے مشکل لگنے کی وجہ: شریعت کی دی ہوئی سہولتوں سے ہم فائدہ نہیں اٹھاتے:

البتہ اصل جو خرابی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں شریعت سہولتیں دیتی ہے وہاں اپنے آپکو سخت بنا لیتے ہیں مثلاً نماز قصر کی سہولت۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ اتنا تھوڑا فاصلہ ہے ہمیں تھکاوٹ نہیں ہوئی ہم تو جہاز کے ذریعے آئے ہیں۔ مثلاً عارضی شادی کی سہولت۔ میں بہت ٹھہر ٹھہر کر بہت سوچ سوچ کر گفتگو کر رہا ہوں۔ بعض اوقات بعض باتیں عوام تک نہیں پہنچ پاتیں۔ تو جب لوگ ان باتوں کو پہلی مرتبہ سنتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ کسی اور مذہب کی باتیں بتائی جا رہی ہیں۔ کیونکہ آجکل کے حساس ماحول میں ہمارا ایک ایک جملہ ہم شیعوں کیخلاف استعمال ہو سکتا ہے۔ اور جہاں شریعت سختی کرتی ہے۔ وہاں سہولتیں طلب کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اسلام ہمیں مشکل نظر آنے لگتا ہے۔

جب خدا سہولت دیتا ہے تو آپ اس سہولت کو نہیں لیتے۔ آپکی عقلیں اسے قبول کرنے کو تیار نہیں، آپ کے ذہن اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ آپ

کہتے ہیں کہ یہ تو ناممکن ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ جہاں شریعت کہتی ہے کہ اس چیز کی پابندی کرو۔ تو وہاں آپ کہتے ہیں کہ نہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ انسان کیلئے ناممکن ہے کہ اتنی سختی کیساتھ زندگی گزارے۔

توہمات کی مذمت:

میں اپنے معاشرے کی دو تین مثالیں دیتے ہوئے اپنے موضوع کو آگے بڑھاتا ہوں۔ مثلاً شریعت اسلام میں توہمات کی گنجائش نہیں۔ جو مختلف قسم کے وہم مختلف گھرانوں میں سرایت کر چکے ہیں۔ مثلاً ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی کام کرنے جا رہا ہو اور اسے چھینک آجائے۔ ہمارے یہاں۔۔ ''یہاں'' سے مراد امامؑ اور رسول کی بتائی ہوئی شریعت نہیں بلکہ ہماری عورتوں کی بنائی ہوئی شریعت ہے۔ کہ جو یہ بتاتی ہے کہ اگر گھر سے باہر نکل رہے ہو اور چھینک آجائے تو گھر واپس آجاؤ۔ 2، 4، 10 منٹ بیٹھ کر جاؤ۔ لیکن فوراً نہ جاؤ۔ چھینک آنے سے کیا ہوتا ہے؟ عورتیں کہتی ہیں کہ گھر سے باہر نکلتے وقت چھینک کا آنا نحوست کی علامت ہے۔ وہ کام خراب ہو جائے گا۔ اس لئے ٹھہر کر جاؤ تا کہ نحوست کی گھڑی/ وقت گزر جائے اور آپ جتنا مرضی عورتوں کو سمجھائیں۔ ماننے کو یہ تیار نہیں ہوتیں کہ یہ ہمارے توہمات ہیں۔ اسی لئے تو شیطان نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ جو مومن کسی چیز سے زیر نہیں ہوتا میں اس کو اس کے گھر کی عورتوں کے ذریعے زیر کر لیا کرتا ہوں۔ عورتیں ہیں اب لاکھ سمجھایا جائے، لاکھ بتایا جائے کہ شریعت میں تو یہ

ہے کہ چھینک کا آنا انسان کی سلامتی کی ضمانت ہے۔حدیثِ معصومؑ ہے کہ جس شخص کو چھینک آئے اس سے موت تین دن کیلئے دور ہو جاتی ہے۔تو ان توہمات کی وجہ سے آسان دین کو مشکل بناڈالا۔

بدھ کے دن مرنیوالے کی نحوست کا وہم:

ایک اور اہم ترین وہم کہ بدھ کے دن کسی مرنیوالے کو نہیں مرنا چاہیے کیونکہ بدھ کے دن اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو چار موتیں مسلسل ہوتی ہیں۔۴ بدھوں تک عورتیں اور مرد سہمے سہمے بیٹھے رہتے ہیں کہ اب کس کی موت آنی ہے۔اب کس کی موت آتی ہے اور بعض گھرانوں میں تو ایک رواج ہے کہ اگر بدھ کے دن کسی کا انتقال ہو گیا۔اب یہ خیال ذہن میں ہے کہ ملک الموت نے گھر دیکھ لیا ہے۔۴ بدھ تک کوئی نہ کوئی فوتگی آکر رہے گی۔تو اس آئندہ آنے والی فوتگی کو دور کرنے کا طریقہ یہ نکالا ہے کہ ملک الموت کو رشوت دینی چاہیے۔

ایک واقعہ:

ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ بدھ کے دن ہمارے کسی جاننے والے کا انتقال ہو گیا۔جب ہم قبرستان پہنچے تو قبر تیار تھی۔میں نے دیکھا کہ وارثوں میں سے ایک شخص کے پاس ایک تھیلا ہے۔اور اس تھیلے میں کوئی چیز رکھی ہوئی ہے۔اب یہ خیال تھا کہ مرنے والے کیلئے کوئی خیرات وغیرہ ہو گی تھیلے میں۔ورنہ قبرستان میں کیونکر تھیلا لایا جائے؟

جب مردے کو دفن کر کے فاتحہ پڑھ کر جب لوگ واپس جانے لگے تو جس صاحب کے ہاتھ میں تھیلا تھا انہوں نے چپکے سے تھوڑا سا تھیلا کھولا اور ایک زندہ چڑیا نکالی۔قبر کے ایک کونے کو تھوڑا سا کھودا چڑیا کو اس کے اندر ڈالا اور اوپر مٹی ڈال دی۔دوبارہ تھیلے میں ہاتھ ڈال کر دوسری چڑیا نکالی اور قبر کے دوسرے کونے میں اسے دفن کیا۔اس طرح تیسری اور چوتھی چڑیا کو تیسرے اور چوتھے کونے میں دفن کیا۔میں نے سوال کیا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔جواب دیا کہ آپکو یاد نہیں کہ آج کونسا دن ہے۔ہم نے کہا یاد ہے آج بدھ کا دن ہے۔تو کہا کہ آپکو معلوم نہیں کہ بدھ کے دن مرنے والے کے بعد آنیوالے 4 بدھ تک اسی خاندان کے دوسرے افراد کی موت واقع ہوتی رہتی ہے۔جب تک کہ کوئی قربانی نہ دی جائے۔تو یہ ۴ چڑیاں ہم نے چاروں کونوں میں اس لئے دفن کی ہیں۔یعنی کہنے کا مقصد یہ کہ ملک الموت کو اس طرح بے وقوف بنانے کی کوشش کی جارہی تھی کہ اے موت کے فرشتے کہ جن چار زندگیوں کو تو ۴ بدھ میں آکر لینے والا تھا وہ ہم نے اسی بدھ کو تیرے حوالے کر دی ہیں تا کہ آئندہ تو ہمارے گھر نہ آئے۔

اسی طرح رواج کہ پیر کے دن سوئم کی مجلس نہیں ہوتی۔کیوں؟ اس لئے کہ پیر کو جو مجلس ہوئی ہے وہ موت بڑی بھاری ہو جاتی ہے۔اب آئندہ کسی پیر کو کسی دوسرے شخص کی موت واقع ہو جائے گی۔

دن کا نیک یا بد ہونا:

شادی بیاہ ہوتا ہے۔اب موٹی موٹی کتابیں پلٹی جاتی ہیں۔دن نیک ہے یا بد۔سعد ہے یا نحس۔تاریخ صحیح ہے یا غلط؟ یہی وجہ ہے کہ نکاح کی تاریخیں ہمارے ہاں ۲،۲،۳،۳ مہینے تک طے نہیں ہو پاتیں۔کیونکہ کبھی تاریخ نیک نہیں ملتی دن نیک مل جاتا ہے۔اور جب دن نیک ملا تو اس دن تاریخ نیک نہیں ہوئی۔

دن کا نیک یا بد ہونا۔تاریخ کا اچھا یا برا ہونا۔اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔کم از کم تاریخوں کے بارے شریعت میں کوئی چیز نہیں کہ یہ نحس اکبر ہے۔یہ نحس اصغر ہے۔یہ سعد ہے۔وہ نیک ہے۔وہ بد ہے۔بلکہ روایات میں تو امامؑ نے الٹ بتایا ہے۔

امام جعفرؑ کے صحابی مفضل ابن عمرو نے ایک دفعہ ایک دھریے کی باتیں سنیں۔سننے کے بعد پریشان ہوئے۔چھٹے امامؑ کے پاس آئے۔امامؑ نے پریشانی کی وجہ پوچھی۔جب وجہ بتائی تو فرمایا۔کہ آؤ میں تمہیں خدا کے بارے میں بتاتا ہوں۔۳ یا ۴ دن تک مفضل صبح سے شام تک امامؑ کے پاس بیٹھے رہے اور امامؑ نے وجودِ خدا پر ایک معرکۃ الآراء استدلالی حدیث ارشاد فرمائی۔جو حدیث مفضل کے نام سے مشہور ہے۔پہلے انسان کے جسم کے ذریعے وجودِ خالق کو ثابت کیا۔پھر حیوانات کی پھر نباتات کے ذریعے پھر زمین و آسمان کی مدد سے، پھر سیاروں اور ستاروں کی مدد سے اور پھر موسموں کے ذریعے وجودِ

صانع کو ثابت کیا۔تو اس میں ایک فقرہ یہ آتا ہے کہ امامؑ نے فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹ اور غلط کہتے ہیں، جو کہتے ہیں، کہ یہ تاریخ نیک ہے۔یہ تاریخ بد۔خدا نے کوئی تاریخ بد نہیں بنائی۔ہر تاریخ صحیح ہے۔

البتہ قمر در عقرب کے جس کے بارے میں شرعاً ثابت ہے لیکن وہ بھی مستند نہیں ہے۔چنانچہ تمام فقہاء یہی کہتے ہیں کہ قمر در عقرب میں شادی نہ کرو۔یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ ہے۔حرام نہیں۔

تاریخوں اور دنوں کا نیک و بد ہونا، اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ہاں کچھ پرانی کتابوں میں نظر آتا ہے مثلاً تحفۃ العوام۔اس میں بڑے لمبے لمبے چارٹ ہیں کہ یہ تاریخ سعد ہے اور فلاں نحس۔اور اس پر علماء کی تقاریظ / تائیدی تحریر ہوتی ہیں کہ یہ کتاب بہت اچھی ہے۔ہم نے پڑھی ہے۔اس کے سارے مسائل بالکل مناسب ہیں۔اس کتاب پر عمل کیا جا سکتا ہے۔لیکن اگر آپ توجہ دیں تو علماء ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کے مسائل صحیح ہیں۔کتاب کے صحیح ہونے سے مراد مسائل کا صحیح ہونا بتلایا جا سکتا ہے۔

علماء نے کبھی تاریخوں کے بارے میں نہیں لکھا کہ تاریخیں صحیح ہیں یا غلط۔اور اب نئے ایڈیشنوں میں چارٹ بنانے کے بعد تحفۃ العوام میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ کسی بڑے عالمِ دین کے حوالے سے۔کہ ان تاریخوں کا اچھا یا برا ہونا معتبر احادیث سے ثابت نہیں۔اس لئے ان پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کاموں کو نہ روکیں۔مگر ہمارے ہاں تو یہ ہے کہ مکان لینا ہے تو کہتے ہیں کہ

جب کوئی نیک تاریخ آئے تب مکان لیا جائے۔ ملازمت کرنا ہے۔ بیٹھے ہوئے ہیں کہ کوئی نیک تاریخ آئے تو ملازمت کا آغاز کیا جائے۔ کاروبار شروع کرنا ہے۔ فلاں تاریخ کو نہیں شروع کریں گے۔ تاریخ بد ہے۔ شادی بیاہ یا منگنی کرنا ہے نیک و بد تاریخوں کو دیکھنے کے لئے کتابوں کے ورق پلٹے جاتے ہیں۔ الغرض کوئی بھی کام ہو لوگ ان تاریخوں اور دنوں کو دیکھ دیکھ کر چلتے ہیں۔

آسان شریعت تھی، تاریخ اور دن کے لحاظ سے کوئی پابندی نہ تھی۔ ہم نے خود اپنے اوپر بوجھ لاد لیا ہے۔ اور اسی طرح بہت سی بدعتیں وجود میں آگئیں۔ مثلاً حاملہ عورت کو کہ جس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ اسے حرکت بھی نہیں کرنے دی جاتی۔ لٹا دیا جاتا ہے۔ اور اسے پورے وقت لیٹے رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہ اسے لٹائے رکھنا ایک فعلِ حرام ہے۔ کیونکہ نماز آیات جس طرح ایک عام مومن و مومنہ پر واجب ہے اسی طرح حاملہ عورت پر بھی واجب ہے کہ دو رکعت نمازِ ایات پڑھے۔ لیٹے لیٹے یا بیٹھے بیٹھے نہیں پڑھ سکتی۔ بلکہ جس طرح نمازِ آیات پڑھی جاتی ہے اسی طرح پڑھے۔ بعض خاندانوں میں حاملہ عورت کی نماز آیات چھوڑ دی جاتی ہے۔ المختصر جو چیز شریعت میں نہیں۔ اسے تو آپ نے اوپر لاد لیا ہے کہ یہ ہمیں ضرور کرنا ہے اور پھر یہ کہتے ہیں کہ شریعت بڑی سخت ہے۔ ان چیزوں کی تبلیغ عورتیں کرتی ہیں۔ مردوں کے پاس اتنا وقت کہاں؟۔

نذر و منّت کا حقیقی مفہوم: اہل بیتؑ کی منّت

اسی طرح نذر و منّت کو ایک کھیل بنا لیا گیا ہے۔ اب اگر آپ کسی کے نذر یا منت کا لفظ استعمال کریں تو تصور میں سوائے تھوڑی سی شیرینی اور مٹھائی کے اور کوئی چیز ذہن میں آتی ہی نہیں۔ ذہن میں اسی طرح آتا ہی نہیں کہ منّت میں نماز، روزہ بھی ہو سکتا ہے۔ اہل بیتؑ کی زندگی میں ایک نذر ملتی ہے اور وہ نذر بھی روزے کی تھی کہ جب حسنینؑ بیمار ہوئے تو سب نے تین دن روزہ رکھنے کی منت مانی تھی۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے بی بی سیدہؑ کی یا مولا غازی عباس کی اور معجزہ پڑھا جا رہا ہے تو اس میں بڑی شرائط لگائی جاتی ہیں۔ کہ جو شرائط شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ ہم نے خود لگائی ہیں۔ بعض مقامات پر پھول، مہندی، پان اس قسم کی کوئی چیز نذر میں رکھنا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بغیر کہ جیسے نذر مکمل نہیں ہو پائے گی۔ بعض جگہوں پر اس سے بھی زیادہ سختی ہے کہ اگر بی بی کی نذر پڑھائی گئی تو مرد اس کو چکھ نہیں سکتے۔ بعض جگہوں میں یہ رواج ہے کہ بیوہ عورت نذر شدہ چیز کے قریب تک نہ جائے۔ سوائے سہاگن کے کوئی اس نذر کو نہیں کھائے گا۔ بعض جگہوں پر یہ قید ہے کہ اس نذر کو کوئی مرد دیکھ بھی نہیں سکتا۔ کہ جس نذر شدہ چیز کا تعلق جنابِ سیّدہؑ سے ہے۔ چھپانا کیا چیز تھی اور چھپایا کسے جا رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنے اپنے سروں پر چادریں ڈالی جاتیں کہ مومنہ عورت کے سر پر کسی نامحرم کی نگاہ نہ پڑ جائے۔ نہیں بے پردگی تو علی الاعلان نامحرموں کے سامنے ہو گی اور

چھپایا جا رہا کھانے پینے کی چیزوں کو کہ جس کو چھپانے کی کوئی sense /علت/منطق نہیں ہیں۔ میں یہ کہہ دوں کہ آپ یہ نہ کہیں کہ مولانا نے یہ کہہ دیا کہ موم بتی جلانا پھول پان مہندی رکھنا حرام ہے۔ میں نہ حرام کہہ رہا ہوں اور نہ ہی ناجائز کہہ رہا ہوں۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ چیزیں اتنا ضروری نہیں ہیں جتنا سمجھ لیا گیا ہے۔

اگر ان چیزوں کے بغیر کوئی نذر کرے تو لوگ ماننے کو تیار نہیں کہ اس نے نذر کی ہے۔ اور اگر لوگوں کو سمجھاؤ تو لوگ ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ ایک ہی گھسا پٹا جملہ لوگوں کے پاس ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے سامنے سے یہی ہوتا آرہا ہے۔ اتنے بڑے بڑے عالم یہاں آئے۔ کسی نے بھی نہیں روکا۔ ہماری دینی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ یہ دن برا ہے۔ فلاں کام اس دن کرو۔ فلاں کام اس دن نہ کرو۔ یہ سب کیسے غلط ہو سکتا ہے اور کیا صرف آپ صحیح ہیں باقی سب غلط ہیں۔ اس مقام پر اعتراض آنے سے پہلے میں جواب دے دوں کہ نہ وہ کتابیں حجت ہیں نہ ہم حجت ہیں۔۔ اگر کسی کو کوئی شک ہے وہ اردو یا انگریزی میں خط لکھ کر مرجع تقلید سے دریافت کرے۔ وہ یہ نہیں کہیں گے کہ یہ حرام ہے۔ بلکہ وہ کہیں گے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں شریعت سے زیادہ ان چیزوں کی پابندی چلتی ہے۔

آسان شریعت کو سخت بنانا کوئی ہم سے سیکھے۔ اب روایات میں کچھ مخصوص مقامات بتائے گئے ہیں اور یہ مخصوص اوقات ہیں ان میں دعا

مانگو۔ جلدی قبول ہوگی۔ جبکہ ہم عادی ہو گئے ہیں ایک دوسرے سے کہنے کے کہ فلاں مقام پر جا کر مانگو وہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ مقامات و اوقات جو امامؑ نے بتائے ہیں وہ اپنی جگہ مسلّم ہیں جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں امام بارگاہ میں کی جانیوالی دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام بارگاہ کسی اور امامؑ کی طرف منسوب ہے اور وہ امام بارگاہ کسی اور امامؑ کی طرف منسوب ہے۔

جو چیز امامؑ نے نہیں کہی ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ یہ چیز شریعت میں داخل ہے۔ ہاں ہم شریعت میں داخل ہونے کی بات چھوڑ کر یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہاں مجمع زیادہ ہوتا ہے، رونق زیادہ ہوتی ہے، وہ مسجد یا وہ امام بارگاہ خوبصورت بنی ہوئی ہے، لائٹنگ زیادہ ہے، ہوا کا اچھا انتظام ہے۔ بیٹھ کر آرام ملتا ہے۔ اس لئے ہم جاتے ہیں۔ یہ کہنا صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ وہاں مراد جلدی پوری ہوتی ہے۔ یہ کہنا غلط ہے۔

زیارت پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ کرنا:

ایک زمانے میں یہ بحث بڑی مشہور ہوئی تھی کہ زیارت پڑھتے وقت کیا انگلی سے اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بارے میں حکمِ امامؑ ہے یا نہیں۔ امامؑ کی یہ روایات ملتی ہیں کہ زیارت پڑھتے وقت قبر کی جانب اشارہ کرو بعض روایات میں ہے کہ انگلی سے اشارہ کرو جبکہ بعض میں ہے کہ چہرے سے اشارہ کرو۔ لیکن بعض میں ہے کہ چہرے سے اشارہ کرو لیکن مراد یہ ہے کہ

اگر چہرے سے اس طرف اشارہ کر دیا یعنی چہرے کا رخ اس طرف کر لیا کہ جس سمت میں امامؑ کا روضہ ہے۔ تو اب انگلی سے اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس طرف رخ نہیں کر سکتے تو انگلی سے اس طرف اشارہ کرلیں۔ مسئلہ یہ اٹھا کہ اگر ہم چہرے اور انگلی دونوں کے ذریعے اشارہ کرلیں تو کیا کوئی حرج تو نہیں ہے۔ بات آقائے محسن الحکیم تک پہنچی تھی۔ تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر کوئی قبر مطہر کی طرف چہرے اور انگلی دونوں کے ذریعے اشارہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ دونوں روایتوں پر عمل ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی سمجھے کہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ ایسا کئے بغیر (یعنی دونوں کے ذریعے اشارہ کئے بغیر) زیارت مکمل نہیں ہوتی اور پھر دونوں کے ذریعے اشارہ کریں تو ایسا کرنا حرام ہو جائے گا اس شخص کیلئے جس نے ایسا سمجھا کیونکہ یہ بدعت ہو جائے گی۔ یعنی اس شخص نے شریعت میں ایک ایسی چیز داخل کی جو نہ امامؑ نے بتائی نہ رسول نے۔ کیونکہ وہ چیز جو ضروری نہیں۔ اس شخص نے اسے ضروری ہونا گردانا ہے۔

بعض دفعہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے مانا۔ آپ نے بالکل صحیح کہا۔ یہ بھی صحیح۔ یہ بھی صحیح۔ لیکن کیا کریں دل نہیں مانتا۔ شک آجاتا ہے۔ اب اس دل کے ماننے کا علاج تو کسی کے پاس موجود نہیں سوائے ذاتِ خدا کے اور وہ ذات یقیناً روزِ قیامت ہمارے دل کو خوب اچھی طرح سے منوا دے گی۔ ہر گفتگو کا، ہر بحث کا آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو کچھ مولانا آپ نے کہا وہ برحق

لیکن دل نہیں مانتا ہے اس لئے شک دور کرنے کیلئے ہم ایسا ہی کرنے پر مجبور ہیں۔

بہت سے مسائل کا حل: متعہ:

اسی سلسلے کی ایک بہت اہم بات۔ اگر کسی بھی مومن کو میرے خلاف بھڑکا دینا ہو تو بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ کسی نے آج منبر سے متعہ کا مسئلہ پڑھا تھا۔ جب یہ مسئلہ بیان کیا جاتا ہے تو آگے سے جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو عراق و ایران میں ہوتا ہے ہمارے ہاں اس سے کیا تعلق۔ جبکہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت الٰہی نہیں۔ ہمارے تمام مسائل کا حل یہ ہے۔

پہلے پردہ مشکل لگا ہوگا۔ پھر اسلام کے مطابق زندگی گزارنی مشکل لگی ہو گی۔ لیکن ان تمام مسائل کا حل ''متعہ'' میں ہے۔ آئمہ نے اتنا زور کیوں دیا تھا متعہ کے اوپر نعوذ باللہ کیا یہ ان کا مقصد تھا کہ ان کے ماننے والے زیادہ سے زیادہ خواہشاتِ نفسانی کو پورا کریں۔ یہ اس تاکید اور تکرار کے پیچھے کوئی فلسفہ تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو فلسفہ اس ایک لفظ میں چھپا ہوا ہے اس کو آپ سمجھ لیں۔ آپ کی ۹۰ فیصد محرم نامحرم، پردے بے پردگی کے مسائل ختم ہو جائیں گے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں شریعت نے سہولت دی ہے وہاں پر ہم سہولت کو اختیار نہیں کرتے۔ اپنے اوپر سختیاں ڈالتے ہیں اور ظلم یہ کرتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ یہ شریعت یہ سختی خدا کی طرف سے ہے۔ یہ سختی رسولؐ و امامؑ کی طرف سے ہے۔ اگر آپ اپنے گھر والوں کو متعہ کے فلسفے سے روشناس کرا دیں تو پھر آپکو

پردہ، نماز کوئی چیز بھی مشکل نہیں لگے گی۔

مصائب:

غیرت کا امتحان سب سے بڑا ہوتا ہے۔اگر کسی کو غیرت سیکھنا ہے تو عباسؑ سے سیکھیں۔۱۱محرم کو قافلہ چلنے سے پہلے حکم ہوا کہ تمام شہیدوں کے سر نوکِ نیزہ پر لگائے جائیں۔بلند کئے گئے لیکن ایک سر تھا جو بار بار نیزے سے گر جاتا تھا۔نیزے پر بلند نہ ہوتا تھا۔یہاں تک کہ خولی نے اپنے گھوڑے کی گردن میں اس سر کو لٹکایا۔کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام گھوڑے کی اگلی دونوں ٹانگوں سے ٹکراتا ہوا یہ سر گیا۔مدینے میں کسی نے میرے مولا سجادؑ سے پوچھا۔آقا! وہ کون سا سر تھا جو نیزے کی نوک پر بلند نہ ہوتا تھا۔سید سجادؑ سر جھکا کر کہتے ہیں۔ارے وہ میرے چچا عباسؑ کا سر تھا۔راوی نے پوچھا مولا۔عباس کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کیوں نہ ہو سکا۔مولا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔فرمایا۔اے سوال کرنیوالے۔تو میرے غیرت مند چچا کی غیرت سے واقف نہیں۔عباس نے گھر کی چار دیواری میں بھی اپنی بہنوں کو کھلے سر نہ دیکھا تھا تو کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں زینبؑ وکلثومؑ کو کھلا سر کیسے دیکھتا۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

اطاعتِ امام کسے کہتے ہیں

ہم دعوے تو بہت کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، محبِّ اہل بیتؑ ہیں۔امامؑ کی اطاعت کرتے ہیں۔امامؑ کی اطاعت کرنیوالا کیسا ہوتا ہے۔یہ واقعہ سنئے۔

حسین ترین لڑکی ''زلفاء'' اور بدصورت حبشی ''جویبر'' کی شادی کا واقعہ:

یمن میں ایک شخص رہتا ہے۔اس کا تعلق حبشی نسل سے ہے۔غلام ہے ایک گھر کا۔اس کا باپ بھی غلام اس کی ماں بھی کنیز۔اطاعت امامؑ سے سرشار۔آپ نے سمجھا ہو کہ اس سے مراد نماز پڑھ لینا، روزہ رکھ لینا، حرام وحلال کا لحاظ کر لینا۔لیکن اب سنئے اطاعت کسے کہتے ہیں۔کہاں تک اطاعت کا دائرہ ہے۔اس حبشی غلام کا قد بہت کم، رنگ بے انتہا سیاہ۔اسلام قبول کرتا ہے۔ادھر اس نے اسلام قبول کیا ادھر اس کا سارا خاندان اور جس گھر میں وہ غلام ہے اس کے خلاف ہو گیا۔مذاق اڑانا شروع کر دیا۔مظالم کرنا شروع کئے۔اسے پتہ چلا کہ پیغمبرؐ نے یہ اعلان کیا ہے کہ مدینہ دار الہجرت ہے۔جس پر مظالم ہوں وہ مدینہ آسکتا ہے۔اب یمن سے ہجرت کر کے مدینے پہنچا۔زمانہ وہ ہے کہ مدینے کے اندر دو قسم کے لوگ ہیں۔ایک وہ جو انصار، مدینے کے باشندے ہیں اور مالدار ہیں۔دوسری قسم کے وہ لوگ جو ہجرت کر کے آنیوالے ہیں ان کی اکثرت وہ ہے کہ جن کا نہ کوئی رشتہ دار ہے نہ خاندان، نہ جائیداد ہے۔جب اپنے شہروں سے چلے تو چھپ کر چلے جان کو بچا کر چلے۔سامان تک ساتھ نہ

لا سکے کہ کوئی شک نہ کرے۔ راستہ نہ روک لیا جائے۔ یہ بے چارہ بھی جس کا نام جویبر ہے ایسی حالت میں آیا کہ بس ایک جوڑا تن پر ہے۔ رسولؐ نے مسجد کے باہر ایسے مسلمانوں کے لئے ایک سائبان ڈال دیا۔ ایک چبوترا بنایا۔ اسی چبوترے کے اوپر کھجور کے پتوں کی ایک چھت ڈال دی گئی۔ اب اس کے نیچے یہ تمام غریب مسلمان رہتے ہیں۔ دیواریں تک نہیں ہیں۔ اس کے اندر کوئی سال رہا، کوئی دو سال تو کوئی ۵ سال رہا۔ یہ لوگ پورا دن محنت کرتے ہیں شام کو جو کچھ ملے روکھا سوکھا کھا لیتے ہیں۔ ان لوگوں ہی کو تاریخِ اسلام میں ''اصحابِ صفہ'' کا نام دیا۔ وہاں پر جویبر آیا۔ جویبر نے جب اپنی حالت کو دیکھا تو سوچ کہ مجھ سے بدتر کون ہوگا۔ نہ دولت، نہ پیسہ، نہ شکل وصورت۔ جویبر دن کو کام کرتا ہے اور رات کو عبادت۔ ایک دن شام کو جویبر کام وغیرہ کرنے کے بعد مسجد میں آرام کر رہے۔ پیغمبرؐ مسجد کے دروازے سے باہر جا رہے ہیں۔ چبوترے کے قریب سے گزرے۔ جویبر نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ پیغمبرؐ نے جواب دیا اور کہا۔ جویبر اس طرح کب تک زندگی گزارو گے۔ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ جویبر کو غلط فہمی ہوئی اس نے سمجھا رسولؐ نے کسی اور سے کہا ہے اس لئے پوچھا اللہ کے رسول کیا مجھ سے کہا؟ ہاں جویبر تم سے کہا۔ اتنے حیران کیوں ہو۔ کہا اللہ کے رسول۔ ساری دنیا میں کون باپ ہوگا جو مجھے اپنی بیٹی دے گا اور کون بدقسمت لڑکی ہوگی جو مجھے قبول کرے گی۔ شوہر کے اعتبار سے اگر کوئی اندھی اور لنگڑی لڑکی بھی ہو تو وہ بھی مجھے قبول نہ کرے گی۔ رسولؐ نے کہا تو اب کیا ارادہ ہے۔ کہا اللہ کے رسول آپ کی رائے صحیح مگر میں کس کے پاس اپنا رشتہ لے کر جاؤں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ جویبر قبیلہ بنوساعدہ کے سردار کے پاس جاؤ اور جا کر کہو کہ اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دے۔ یہ اللہ کے رسولؐ نے کہلوایا۔ جویبر نے سنا۔ ایک مرتبہ بے ہوش ہونے

کے قریب ہو گئے۔ یہ کس کا نام رسولؐ نے لے لیا۔ مدینے کی حسین ترین لڑکی۔ سارے مدینے میں حسن و جمال میں اس کا کوئی مقابل ہی نہ تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کی شادی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کا باپ کسی بادشاہ کے رشتے کا انتظار کر رہا ہے۔ اور اس کا باپ وہ کہ جو اسلام تو لا چکا ہے مگر پیسے والوں کا اسلام، مالدار لوگوں کا اسلام۔ جویبر گھبرا رہے ہیں کہ پیغمبرؐ کسی عام گھرانے کا نام لے لیتے مگر نہیں۔ پیغمبرؐ گئے نہیں اور کہا۔ جویبر کھڑے کیوں ہو میں نے حکم دیا جاؤ اور جا کر میرا پیغام پہنچاؤ۔ دیکھئے اطاعت کسے کہتے ہیں۔ صرف یہ واضح کرنا ہے اطاعت صرف نماز پڑھ لینے کا نام نہیں۔ اطاعت صرف روزہ رکھنے کا نام نہیں بلکہ اپنی پوری زندگی کو احکام اسلام کے مطابق گزارنے کا نام ہے۔ جویبر چلے اور بیٹھک میں داخل ہوئے۔ جویبر کو تعجب ہے اپنی بات پر کہ پیغمبرؐ نے وقت بھی کون سا منتخب کیا۔ رات کو بھیج دیتے۔ صبح بھیج دیتے۔ شام کا وقت جب مدینے میں کام کرنے کے بعد لوگ مل بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ ایسے وقت بھیجا کہ جب سردار کے ہاں دربار لگا ہوا ہے اس سے چھوٹے بھی ہیں اور اس کے برابر والے بھی ہیں اب اس موقع پر کہا جائے۔ جویبر ڈرتے ڈرتے آگے بڑھے۔ سردار کو سلام کیا۔ سردار جانتا ہے کہ جویبر اصحاب صفہ میں سے ہے۔ جواب دیا اور پوچھو جویبر کیسے آئے۔ کہا اللہ کے رسولؐ کا حکم لے کر آ رہا ہوں اور کہا کہ پیغمبرؐ نے میرے لئے تمہاری لڑکی کا رشتہ مانگا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ غیض وغضب کے عالم میں کھڑا ہو گیا اپنی جگہ سے اور کہا۔ کہ پیغمبر نے یہ کہا ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کے رسول کو پتہ ہے کہ ہمارے یہاں آج تک خاندان سے باہر شادی نہیں ہوئی۔ ور پھر ایسی لڑکی میری۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ رسولؐ کا نام سنا تھا اس لئے بڑا ضبط کر رہا ہے۔ کہا۔ رسولؐ سے کہنا میں پھر آ کر معلوم کروں گا۔ ادھر جویبر یہ بات سنتے ہیں

پہلے سے معلوم تھا کہ نئی بات نہیں مگر جب سردار نے یہ کہا کہ آخر میرا اور تیری بیٹی کا مناسبت کا کیا رشتہ ہے؟ کیا چیز تیرے اندر ایسی ہے؟ بس جویبر واپس پلٹے اور سردار کے کمرے سے نکلے۔ مکان کی ڈیوڑھی سے گزرے اور آہستہ آہستہ کہتے جا رہے ہیں۔ خدا کی قسم اسلام یہ تو نہیں ہے خدا کی قسم قرآن یہ تو نہیں ہے۔ ادھر یہ کہتے ہوئے گئے۔ ادھر زلفاء کسی کام سے ڈیوڑھی کے قریب کے کمرے میں تھی۔ اس نے یہ جملہ سنا۔ ایک مرتبہ اپنی کنیز کو بلایا اور کہا بابا سے پوچھ کر آؤ اس مسلمان کو اتنا افسوس اور صدمہ کس بات کا ہے۔ کنیز نے پوری کیفیت بتائی کہ آپ کے والد نے یہ کہا ہے کہ گستاخ ہے جو تیرا رشتہ لینے آیا اور رسول کا نام استعمال کیا تھا۔ رسول کا نام سننا تھا زلفاء چونک اٹھی۔ باپ کو بلوایا۔ باپ آیا۔ کہا بابا ہو سکتا ہے کہ رسولؐ نے یہ کہہ بھی دیا ہو۔ باپ کہتا ہے کہ نہیں بیٹی رسولؐ ہمارے شہر میں ہمارے مہمان بن کر آئے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ ہمارا طریقہ کیا ہے، ہمارا دستور کیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایسی بات کہیں۔ کہا نہیں بابا آپ کو چاہئے تھا کہ بہانے سے جویبر کو روکتے اور کسی غلام یا ساتھی کے ذریعے تصدیق کرواتے اگر واقعاً پیغمبرؐ نے یہ کہہ دیا ہوا تو روزِ قیامت کیا ہوگا۔ نجات کیسے ملے گی۔ اگر رسولؐ نے کہا ہے تو قبول کر لیجئے۔ باپ نے کہا۔ بیٹی کیا تو اس کے ساتھ زندگی گزار لے گی کہ جس کا چہرہ ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد دوسری مرتبہ نہ دیکھا جائے۔ کہا بابا رسولؐ نے اگر یہ کہا ہے تو میں تیار ہوں۔ باپ نے بیٹی کا یہ ارادہ دیکھا۔ غلام کو جویبر کی تلاش میں بھیجا۔ خود دوسرے دروازے سے نکلا۔ مسجد نبوی پہنچا رسول کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ رسولؐ سے کچھ کہتا رسول نے پوچھا کیا تم رشتہ تہہ کر لیا۔ یہ سنا تو اب پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ الٹے قدموں واپس آیا۔ مدینے میں زلفاء اور جویبر کی شادی کی خبر سے سارا مدینہ حیران ہو گیا۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ شادی کے کچھ عرصے بعد جویبر کسی غزوے میں شہید ہو گئے۔ سارے مدینے میں کسی عورت سے شادی کرنے کے اتنے خواہشمند نہ تھے کہ جتنے رشتہ بیوہ ہونے کے بعد زلفاء کیلئے آ رہے تھے۔ جب پیغمبرؐ کو معلوم ہوا تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ہاں خدا کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی ہماری اطاعت کرتا ہے تو شروع میں ہم امتحان لیتے ہیں اور بعد میں آرام ہی آرام ہے۔ یہ زلفاء کی اس قربانی کا نتیجہ ہے کہ باپ خلاف، سہیلیاں خلاف، خاندان خلاف، اپنا دل خلاف لیکن حکم رسول کے سامنے کسی بات کا خیال نہ کیا۔ اور ایک جملہ پیغمبرؐ نے کہا کہ قیامت تک ہر مومن سے میرا وعدہ ہے کہ جو اس طرح سے میرے حکم کی اطاعت کرے گا۔ دنیا بھی اس کیلئے ہے اور آخرت بھی اس کیلئے۔ اطاعت صرف نماز روزہ تک محدود نہیں۔ کھانے میں اطاعت پینے میں اطاعت شادی میں اطاعت نکاح میں اطاعت دنیا کے ہر کام میں اطاعت۔

پیغمبرؐ نے فرمایا میرا وعدہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے لئے اگر اطاعت کرو گے یعنی یہ نہ کہو کہ میرے بھائی بہن یہ چاہ رہے ہیں۔ میرا خاندان یہ چاہ رہا ہے۔ میرا دل یہ چاہ رہا ہے۔ ہمیشہ یہ دیکھنا کہ خدا کیا چاہتا ہے۔ یہ دیکھنا کہ رسول کیا چاہتے ہیں۔ یہ دیکھنا کہ شریعت کیا چاہتی ہے۔

انتظارِ امامؑ اور ہم

ہمیں آئمہؑ نے بار بار انتظارِ ظہورِ قائمؑ کی تاکید کی ہے۔اور انتظارِ قائمؑ کو مومن کی علامت قرار دیا ہے لیکن رسول اللہؐ ہماری پریشانی بڑھ جاتی ہے جب تاریخِ اسلام کے اوراق پلٹنے سے ایک حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ

انتظار کرنیوالوں کا وقت پر پیچھے ہٹ جانا:

کتنے ہی انتظار کرنیوالے ایسے ہیں جو انتظار تو کرتے ہیں لیکن

﴿لماجاء ھنم ماعرفُوا کفروابه فلعنة الله علی الکفرین.﴾

تاریخ اسلام میں یہودیوں کا نبیؐ کے انتظار کے آخر میں یہی کیفیت سامنے آتی ہے اور واقعۂ کربلا کے وقت بھی کچھ یوں ہی کیفیت نظر آتی ہے کہ خط لکھ لکھ کر بلانے والے (ہم دعا کر کے بلانے والے وہاں خط لکھے جا رہے ہیں) وہ یقیناً صاحب نہیں تھے۔لیکن جس کا انہیں انتظار تھا۔جب وہ آ گیا تو پیچھے ہٹ کر بھاگ رہے ہیں اور مدد و نصرت کا وعدہ کرنے کے بعد وعدہ سے انکار کر رہے ہیں۔

ہمارے سامنے تاریخِ رسالت میں جب یہودیوں کا واقعہ آتا ہے اور تاریخ امامت میں کربلا کے واقعے کے وقت خط لکھ کر بلانے والوں کی تفصیل آتی ہے۔تو

دل میں ایک خیال تو پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارا انتظار وہ انتظار ہو کہ جس کے بعد ہم تصدیق کریں کہ ہمارا ایسا انتظار نہ بن جائے کہ جس کے بعد ہم انکار کر بیٹھیں۔پس اس موقع پر ہماری مدد کیلئے ایک روایت آتی ہے کہ امامؑ زمانہ کا ساتھ دینے والے اور لشکرِ امامؑ میں شامل ہونے والے ۳۱۳ صاحبانِ ایمان جو پہلی آواز پر لبیک کہیں گے۔لیکن اس کے بعد ۳ دن تک آنے والے آتے رہیں گے۔تو ان کی تعداد ۱۰ ہزار سے بھی بڑھ جائے گی اور یہ تو مکہ میں جمع ہونیوالوں کی بات ہے۔جب امامؑ کوفے آئیں گے تو بہت سے صاحبانِ ایمان امامؑ کو کوفے میں آ کر ملیں گے۔ہندوستان و پاکستان آنیوالوں کی اکثریت مکے اور مدینے میں امامؑ کی خدمت میں نہیں پہنچیں گے۔یہ شہر کوفہ ہی امامؑ سے ملاقات کریں گے اور جب امامؑ اپنا لشکر لے کر دمشق جائیں گے۔بہت سے وہاں آ کر امامؑ سے ملیں گے۔خصوصاً یورپ و امریکہ میں رہنے والوں کی اکثریت دمشق میں ملے گی۔

تو یہ ساری تفصیل روایتوں میں ہے کہ کہاں کہاں کے رہنے والے امامؑ سے کس علاقے میں آ کر ملیں گے۔۳ بڑے مرکز ہیں۔۱۔مکہ ۲۔کوفہ ۳۔دمشق۔کوفے کا علاقہ یورپ و امریکہ اور پورے مغرب کے لئے اور مکے کا علاقہ کہ جس میں زیادہ تر عرب ممالک اور ایران سے آنیوالے صاحبانِ ایمان کیلئے اور وہ روایت کہ جس میں ۳۱۳ صاحبانِ ایمان کا نام لیا گیا ہے۔یہ مکے میں بننے والے لشکر کی کیفیت بتاتی ہے۔اور ان ۳۱۳ کے علاوہ جو مکہ میں آئیں گے ان کے نام اس طرح کوفہ اور دمشق سے آنیوالے یارانِ امامؑ کے نام۔

امام زمانہؑ کے سپاہیوں کے نام اور علامات:

انہوں نے نہیں بتائے اور نہ ہی وہ بتانا چاہتے ہیں۔امامؑ کا کام نام بتا دینا نہیں بلکہ وہ خصوصیتیں بتانا ہے کہ جس کے بعد نام کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔ ہر آدمی خود پہچان سکتا ہے کہ کیا یہ باتیں میرے اندر پائی جاتی ہیں یا نہیں۔تو ۱۰ نشانیاں، ۱۰ صفتیں بتائی گئیں۔ان لوگوں کی جو لشکرِ امامؑ میں وقتاً فوقتاً شامل ہوں گے اس میں عرب ممالک کے وہ لوگ بھی ہیں جو مکہ میں آگئے۔اگر وہ ۱۰ نشانیاں کسی ہندوستانی یا پاکستانی میں پائی گئیں تو وہ کوفہ میں لشکرِ امامؑ کے ساتھ شامل ہوں گے۔

دو چیزوں کا فیصلہ کرنا بڑا آسان ہے۔ پہلا تو یہ کہ جائزہ لے کر دیکھیں گے ہم میں یہ نشانیاں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔اگر نہیں پائی جاتیں تو پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اگر پائی جاتی ہیں تو اطمینان سے نہ بیٹھ جائیں بلکہ کوشش کریں کہ مرتے دم تک یا تا وقتِ ظہورِ امامؑ یہ باتیں ہم میں باقی رہیں۔اس لئے کہ سیرتِ معصومینؑ میں ہمارے سامنے ایک یہ عجیب بات بھی آتی ہے۔کہ بعض لوگوں کا اول اچھا ہوتا ہے اور انجام برا ہو جاتا ہے ایک شخص جنگِ صفین میں مولائے کائنات کیساتھ تھا۔کربلا میں یزید کے لشکر میں چلا گیا۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔کہ جن کا اول اچھا نہیں ہوتا اور آخر اچھا ہو جاتا ہے۔جیسے جنابِ حرؑ۔تو اگر ہم میں یہ دس نشانیاں پائی جاتی ہیں تو مطمئن ہو کر نہ بیٹھیں کہ ہم شامل ہو گئے۔ بلکہ مرتے دم تک یا ظہورِ امامؑ تک علامات کو باقی

رکھیں۔اور اگر علامات نہیں پائی جائیں تو مایوس ہو کر نہ بیٹھیں کہ جی اب تو ہم لشکر میں شامل ہو ہی نہیں سکتے۔ بلکہ صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ کوئی ناممکن چیزیں نہیں کیونکہ ان ۱۰ نشانیوں میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ آدمی ہی شامل ہوسکتا ہے کہ جس کی جسمانی طاقت اتنی ہے کہ وہ رستمِ وقت کو پچھاڑ کر رکھ دے کہ ہم اپنے آپکو دیکھیں کہ ہم تو بڑے دبلے پتلے اور کمزور ہیں یہ نہیں کہا گیا کہ جسے تلوار چلانا یا مشین گن چلانا آتا ہو وہ لشکرِ امامؑ میں شامل ہوگا کہ ہم کہیں کہ ہم سے تو چھری بھی نہ پکڑی۔ جانے ہم کیسے لشکر میں شامل ہو سکتے ہیں۔نہیں سب سے زیادہ جو اہم بات ہے وہ یہی کہ دس نشانیاں ایسی بتائی گئیں کہ اگر کسی میں نہیں ہیں تو وہ فوراً ان کو پیدا کر سکتا ہے۔ بلکہ پروردگار عالم سے مدد مانگ کر ان علامات کو پیدا کرنے کی کوشش کرو۔اب وہ دس نشانیاں۔

لشکر امام میں شامل ہونیوالوں کی دس نشانیاں:

۱۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ کسی کا حق گردن پر نہ ہو۔ یہ امامؑ نے ایک عام بات کہی۔بعض ایسے حق ہیں جو اتنے اہم ہیں کہ ان دس نشانیوں میں ان کو دوبارہ دوہرایا گیا ہے۔صرف اس لئے کہ ان کی اہمیت زیادہ ہے۔قریب سے قریب مومن سے شروع کرو یعنی والدین سے بعید ترین مومن، کسی کا حق گردن پر نہ ہو۔

۲۔ **فقہی مسائل میں اپنی ناقص عقل نہ لڑاؤ:**

لشکرِ امامؑ میں وہ شامل ہوگا کہ جو مسئلے کو حجت خدا کی طرف لوٹانے کا عادی ہو۔اور اپنی ناقص عقل کی مدد سے ہر مسئلے کو حل نہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر اس کا

دل یہ کہہ رہا ہو کہ فلاں مسئلے کے بارے میں شریعت کا یہ حکم ہوگا تب بھی جب تک حجتِ خدا سے تصدیق نہ کرے۔ اپنی مرضی اور اپنی رائے سے کوئی فتویٰ نہ دے۔ جب امامؑ ظاہر ہوں وہ حجتِ خدا ہیں اور اپنی غیبت میں بھی حجتِ خدا ہیں مگر اپنی جگہ امت کی ہدایت کیلئے وہ اپنے نائب مقرر کر گئے ہیں۔ اور غیبت امامؑ میں امامؑ کے نائب کی بات کو ماننا اس طرح سے ضروری ہے کہ جس طرح ظہور کی حالت میں امامؑ کی بات کو ماننا۔ یہ میں نہیں کہہ رہا امامؑ کہہ کر گئے ہیں۔

ایک عام بدگمانی جو پیدا ہو جاتی ہے علماء کے بارے میں، مجتہدین کے بارے میں تو یہ ذہن میں رکھئے کہ ایک فقیہ عادل، ایک عادل مجتہد وہ نائبِ امامؑ ہے۔ وہ غیبت کے زمانے میں حجت ہے امامؑ کی چاہت سے۔ لشکر امامؑ میں شامل ہونے والے کی پہچان یہ نہیں ہے کہ وہ نائب امامؑ پر اعتراض کرے۔ ان کی خامیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے۔ ان کے ہر عمل کی اپنی ناقص عقل اور دنیا کی سیاست سے غلط ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ نہیں لشکرِ امامؑ میں وہ شامل ہوگا جو نائب امامؑ کے ہر حکم کو سن کر اسی طرح سے تسلیم کرے جس طرح امامؑ کی موجودگی میں امامؑ کے حکم کو تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ نائب امامؑ وہ ہیں کہ جنہیں دنیا نے نائب نہیں بنایا لوگوں کی voting سے نائب نہیں بنایا، ان کی دولت نے نائب نہیں بنایا ان کے خاندان نے نائب نہیں بنایا خود زمانے کے امامؑ نے ان کو اپنا نائب بنایا ہے اور کس انداز سے۔ یہ ہیں نائب امامؑ کتنی عظیم شخصیت ہے۔

امامؑ زمانہ کا شیخ مرتضیٰ انصاری کو اجتہاد کی سند دینا (واقعہ):

شیخ مرتضیٰ انصاری حوزہ علمیہ نجف اشرف میں اپنے زمانے کے عظیم عالم۔ آج نجف اور قم میں تعلیم کا جو سلسلہ ہے یہ وہی سلسلہ ہے کہ جس کی بنیادیں شیخ انصاری نے رکھیں۔ یہ اتنی عظیم شخصیت ہیں کہ ان کی کتابوں سے نجف اور قم میں اس طرح استفادہ کیا جا رہا ہے کہ ان کے زمانے سے آج تک جتنے علماء، مجتہدین اور مراجع گزرے ہیں چاہے وہ موجودہ دور کے آیۃ اللہ خمینی یا خوئی ہی کیوں نہ ہوں سب کے سب بالواسطہ ان کے شاگرد ہیں۔

سو سال پہلے کا زمانہ ہے ان کا زمانہ۔ نجف میں اپنے مدرسے میں بیٹھے ہیں۔ دن بھر لوگ سوال و جواب کیلئے آتے رہتے ہیں۔ اتنے میں ایک عرب داخل ہوا۔ اور آنے کے بعد سوال کرتا ہے کہ اے شیخ مرتضیٰ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں یہ بتاؤ کہ اگر کسی شخص پر خدا کے عذاب مختلف قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک عذابِ مسخ کرنے کا عذاب ہے۔ یعنی انسان کو بدل کر جانور کر دیا جائے۔ انسان بدل کر پتھر ہو جائے۔

وہ روایت تو آپ کو یاد ہوگی کہ جب مولائے کائنات نے بازارِ کوفہ میں کوڑے مارے، دوکاندار کو منع کیا کہ خبردار یہ جو مچھلی ہے اسے فروخت نہ کرنا تو احمد ابن احنق ابن فرات نے کہا۔ مولا آخر کیوں تو جواب دیا اس لئے کہ یہ مچھلی اس قوم کی شکل میں ہے کہ جس پر خدا نے عذاب نازل کیا اور یہ مچھلی اسی شکل کے مطابق ہے۔ تو ہر وہ جانور جو کسی ایسے جانور کی شکل پر ہو جو خدا نے انسان کو

عذاب دے کر بنایا اس جانور کا کھانا حرام ہے۔ علماء اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ داڑھی کا منڈوانا حرام ہے۔

یہ جو عام بات مشہور ہے کہ داڑھی رکھنا سنتِ رسولؐ ہے۔ جبکہ یہ مستحب نہیں ہے کیونکہ مستحب کام کے نہ کرنے پر عذابِ خدا نہیں آیا کرتا۔ عذاب آتا ہے کسی واجب کی مخالفت پر اب اسی طرح سے جتنی قوموں پر عذاب آیا۔ خرگوش ایک ایسی قوم کی شکل میں ہے کہ جس قوم کی عورتیں غسل صحیح نہیں کرتی تھیں اپنی نجاست کے بعد پوری قوم کی عورتوں پر عذاب آیا۔ آج کل کے یہ خرگوش وہ نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کی شکل اسی مسخ شدہ قوم کی طرح ہے اسی لئے اس کا کھانا حرام ہے۔

اب آنیوالا اجنبی، نیا شخص یہ سوال کر رہا کہ اگر آج کسی شخص پر یہ عذاب آجائے تو جس پر عذاب آیا۔ اس کی بیوی کیا کرے گی۔ شیخ نے ایک مرتبہ جواب دیا۔ کہ اگر وہ عذاب اس طرح آیا ہے کہ انسان مسخ ہو کر جانور ہو گیا تو اس کی بیوی طلاق کا عدت رکھ کر اپنے آپ کو آزاد سمجھے گی۔ اسلام میں عدت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شوہر کے مرنے کے بعد اور ایک شوہر سے طلاق کے بعد۔ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں ان کو آپس میں نہیں ملانا۔ تو اگر شوہر جانور بن گیا ہے تو اس کو ایسے سمجھا جائے گا کہ جس طرح عقل ختم ہو گئی۔ اگر کسی کا شوہر پاگل ہو جائے تو اسلام نے بیوی کو اجازت دی ہے کہ عقل ختم ہونے کی وجہ سے وہ طلاق لے کر آزاد ہو سکتی ہے تو یہ جو شوہر جانور بنا زندہ ہے فقط عقل ختم ہوئی ہے اسی لئے وہی

مسئلہ سمجھ کر عدت طلاق رکھے اور آزاد ہے اور اگر شوہر پر عذاب آیا اور شوہر پتھر بن گیا تو پتھر میت کی مانند ہے اور میت کی صورت میں عدت وفات ہوتا ہے اس لئے وفات کا عدت رکھے اور اپنے آپ کو آزاد سمجھے لیکن اے سوال کرنے والے یہ جو تو نے سوال کیا ہے یہ فقط سوال ہے پیش نہیں آسکتا سوال کرنے والے نے پوچھا کیوں؟ اور سب حیران ہوئے کہ شیخ نے یہ کیا کہہ دیا۔ کہا اس لئے کہ قرآن میں آگیا'

﴿وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم﴾۔ اے میرے حبیب! اب یہ عذاب نہیں آئے گا کیونکہ تم مبعوث ہو چکے ہو۔ رسول کی رحمت کے آنے کے بعد اب یہ عذاب نہیں آسکتا۔ تو آنیوالا فقط ایک جملہ کہتا ہے۔

''یا شیخ انت مجتهد حقاً'' اے شیخ تو مجتہد ہے۔

چونک کر دیکھا کہ سارے مجمع میں یہ جملہ کس نے کہہ دیا۔ اب جو دیکھا سوال پوچھنے والا غائب ہو چکا تھا لیکن معلوم ہو گیا کہ یہ مقام ہے علماء کا، ایک فقیہ کا، ایک عادل کا کہ زمانے کا امامؑ آتا ہے اور ان کے نائب امامؑ، ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ وہ محتاج نہیں ہے کہ ہم اور آپ کہیں کہ وہ نائب ہے۔ یہ محتاج نہیں ہے کہ ہم ان کی تقلید کریں تو یہ مجتہد بنیں گے۔ ہم ان کے محتاج ہیں وہ ہمارے محتاج نہیں۔

مجتہد۔ امام کا ۱۰۰ فیصدی پیروکار: واقعہ

اور فقط اتنا ہی نہیں سیرتِ معصومینؑ کا ہم جب ایک واقعہ پڑھتے ہیں اور اپنے

علماء کے حالات دیکھتے ہیں تو عجیب بات نظر آنے لگتی ہے۔

راوی نے خواب میں پیغمبرؐ کو دیکھا۔ پیغمبرؐ مسجد میں بیٹھے ہیں اور راوی کو کھجوریں دے رہے ہیں تعداد ۱۸، ۱۹ جو بھی تعداد ہے۔ آنکھ کھل گئی بات ختم ہوگئی کچھ عرصے کے بعد اسی علاقے سے امامؑ ہشتم علی ابن رضاؑ معصوم گزر رہے ہیں اور اسی مسجد میں آکر ٹھہرے جو راوی نے خواب میں دیکھی۔ امامؑ کی زیارت کو گیا بالکل اسی انداز سے جس انداز میں خواب میں رسول کو دیکھا تھا۔ امامؑ کے سامنے کھجوروں کا طشت رکھا ہوا ہے۔ اور جس طرح رسولؐ نے سلام کا جواب دیا تھا۔ امامؑ نے سلام کا جواب دے کر کھجوریں اٹھائیں اور جب راوی نے گنیں تو یہ اتنی ہی نکلیں جتنی آپ کو رسولؐ نے دی تھیں۔ اور جب امامؑ سے کہا۔ مولا! ایک اور تو مسکرا کر کہا اگر ہمارے جد ایک اور دے دیتے تو ہم بھی ایک اور دے دیتے یہ ہے سیرتِ معصومین کا واقعہ۔

اب سنیے ایک فقیہ عادل کا واقعہ۔ پیغمبر اسلام نے جس طرح امامت میں یہ چیز منتقل کی۔ اب دیکھئے امامتؑ کس میں منتقل کر رہی ہے۔ شہید آیۃ اللہ دستغیب شیرازی اعلی اللہ مقامہ جو حالیہ عظیم ترین اسلامی انقلاب کے بعد دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں شیراز میں حالتِ نماز میں شہید کیے گئے۔ وہ یہ واقعہ تحریر کرتے ہیں شیخ نہاوندی کے حوالے سے یہ بہت پرانا واقعہ نہیں ہے۔ براہِ راست شیخ نہاوندی آیۃ اللہ دستغیب شیرازی کو یہ واقعہ سنا رہے ہیں۔ شیخ نہاوندی اسلام کے بڑے عالم، مجتہد نہیں بلکہ کئی مجتہدین کے وکیل تھے۔ اور ان کو کئی مجتہدین کی جانب سے خمس جمع کرنے اور اس کو استعمال کرنے کی اجازت تھی۔

یہ کہتے ہیں کہ رات کو خواب میں میں نے دیکھا کہ میں مشہد مقدس میں ہوں۔ روضۂ امامؑ میری آنکھوں کے سامنے ہے، معصوم کا واقع ذہن میں رکھئے رسالت و امامت کا رشتہ ذہن میں رکھئے۔ پھر امامت اور عالم دین و مجتہد کا رشتہ سمجھ میں آجائے گا۔ میں نے دیکھا کہ میں روضۂ امامؑ کے سامنے کھڑا ہوں۔ زیارتؔ کے ارادے سے میں روضے میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ روضہ تو وہی روضہ ہے لیکن خاص بات یہ ہے کہ آٹھویں امامؑ کے قریب امامؑ کے سرہانے امامؑ عصر والزمان تشریف فرما ہیں۔ بے اختیار میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مجتہدین سے تو مجھے اجازت ملی ہے۔ یہ خواب کی بات ہو رہی ہے مگر جس خواب میں امامؑ آجائیں وہ سچا خواب ہے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں آگے بڑھ کر امامؑ سے بھی اجازت لے لوں۔ امامؑ کی خدمت میں پہنچا سلام کیا۔ امامؑ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں نے درخواست کی کہ مولا! مجھے خمس میں سے کچھ خرچ کرنے کی اجازت دی جائے۔ امامؑ نے ایک مقدار بتائی کہ اتنی مقدار میں تم خمس خرچ کر سکتے ہو۔

اس مقدار سے یہ مراد نہیں کہ اپنی ذات کے اوپر ویسے تو نائب امامؑ کو اختیار ہے کہ مسجدوں میں، لوگوں کی غربت دور کرنے میں، یہ سارے کے سارے کام کہ جن سے صاحبانِ ایمان کو فائدہ پہنچے دنیاوی یا اخروی خمس کا مال خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ خیال نہ کیجئے گا کہ ہم خون پسینے کی کمائی کا خمس دیتے ہیں اور وہ گاڑی خرید کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں، یہ سارا پیسہ واپس مومنوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔

تو اب یہ اجازت ملی کہ ہر مہینے اتنا خرچ کر سکتے ہو۔ خیر! آنکھ کھل گئی بات ختم

ہو گئی۔ میں چلا مشہد پہنچا۔ روضہ میں حاضر ہوا۔ یہ زمانہ ہے اس وقت کا جب آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے حسینؒ بروجردی کا زمانہ تھا۔ یہ آقائے بروجردی وہی عظیم شخصیت ہیں کہ جن کے دستِ راست آیۃ اللہ خمینی تھے۔ اور موجودہ انقلاب اسلامی ایران میں آیۃ اللہ بروجردی کے شاگردوں کا بڑا ہاتھ ہے۔

بڑے عظیم فقیہ، بڑے مقدس عالم، اب یہ کہتے ہیں کہ جب میں حرم میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا (یہ خواب نہیں حقیقت ہے) کہ امامؑ کی ضریح ہے۔ ضریح کے سرہانے بالکل اسی مقام پر جہاں خواب میں میں نے چند مہینے پہلے امامؑ کو دیکھا تھا آج نائب امامؑ آقائے حسین بروجردی تشریف فرما ہیں۔ اسی انداز اور شان سے۔ میں نے سلام کیا۔ سلام کا جواب مجھے ملا۔ میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ اب وہ خواب اس وقت ذہن میں نہیں ہے۔ بس خیال پیدا ہوا کہ میرے پاس کئی مجتہدین کی اجازت ہے۔ آقائے بروجردی سے بے شک اجازت نہیں ملی۔ ان سے بھی اجازت لے لوں۔ میں آگے بڑھا کہا کہ مجھے مختلف مجتہدین نے اجازت دی ہے آپ بھی اجازت دیجئے مال خمس خرچ کرنے کی۔ آقائے بروجردی نے بالکل وہی رقم جو خواب میں میں نے خود زمانے کے امامؑ سے سنی تھی وہی رقم آقائے بروجردی مجھے بتاتے ہیں کہ اتنا تم ماہانہ خرچ کر سکتے ہو اور اس کے بعد دوسری روایت جب میں نے کہا کہ زیادہ خرچ کی اجازت دے دیں تو زیادہ بہتر ہوگا تو مسکرا کر کہتے ہیں کہ اگر امامؑ تمہیں زیادہ خرچ کی اجازت دے دیتے تو میں بھی دے دیتا۔

اب دیکھئے وہی شان وہی انداز جو رسولؐ اور امامؑ کے واقعے میں ہمیں نظر

آرہا۔ راوی نے خواب میں رسولؐ کو دیکھا اور جا کر جیتی جاگتی حالت میں امامؑ سے ملاقات کی جو جملہ زبانِ امامت پر آیا رسولؐ کے بارے میں بالکل وہی واقعہ فقیہ عادل، مجتہد جامع الشرائط نائب امامؑ کی جانب سے آرہا ہے۔ تو یہ مقام ہے، یہ مرتبہ ہے۔ امامؑ ان نائبانِ امامؑ کو اپنی غیبت میں مکمل اختیار دے رہے ہیں اور ہم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں ان کی اطاعت کرنا ہے۔ یہ خیال کسی کے ذہن میں نہ آئے کہ یہ بہک بھی سکتے ہیں۔

بے شک ممکن ہے کیونکہ معصوم نہیں لیکن اگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارا امامؑ موجود ہے۔ وہ لوگ نائب امامؑ کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ جن کا امامؑ موجود نہیں ہے تو تعجب نہیں لیکن جب ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ امامؑ موجود ہیں تو اگر اس کا نائب غلطی کرے گا تو امامؑ آ کر بتا دیں گے کہ میرے نائب نے غلطی کی اور تاریخ میں موجود ہے جب ابوالحسن سلمیغانی نے جو ایک مدت تک نائب رہے امامؑ کی مخالفت شروع کر دی تو فوراً امامؑ کی جانب سے پیغام آگیا۔ صاحبانِ ایمان کے نام کہ اب یہ نائب امام نہیں رہا۔ اب اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اب اس کی کتابیں نہ پڑھو۔ آج سے اس کے ساتھ تعلقات ختم کر دو۔ تو تاریخ بتاتی ہے کہ نائب امامؑ اگر بہکے، لغزش کھا جائے، گمراہ ہو جائے تو امامؑ بتاتے ہیں کیونکہ وہ امامؑ ہیں۔ امامؑ ہیں تو وہ اپنے نائب کی غلطی بتائیں گے۔

شہادتِ فاطمہؑ کا پیغام

﴿یا ایها الناس اتقو ربکم ان زلزلة الساعة شیء عظیم.﴾

(سورہ حج آیہ نمبر ۱)

ولادت وشہادت کی مخصوص تاریخوں میں جو عام مجالس ہوتی ہیں۔ان میں شریک ہونیوالا ہر مومن بیان کرنیوالے سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ اپنی گفتگو کو صرف اور صرف ان معصوم کی حد تک محدود رکھے گا کہ جن کی مناسبت سے یہ مجلس ہو رہی ہوتی ہے۔اور عام طور پر ہمارا بھی یہی طریقہ ہے۔مگر اس مجلس میں اس طریقے کے برعکس ایک ایسے موضوع کو اختیار کیا گیا ہے کہ غور کیا جائے تو مکمل طور پر شہزادیٔ کونین ہی کی سیرت سے متعلق ہے۔مگر بظاہر ایسا محسوس ہوگا کہ مجلس تو ہے شہادت کی اور ذکر ہو رہا ہے ان چیزوں کا جو عام طور پر روزانہ بیان کی جاسکتی ہیں۔موجودہ ماحول اور موجودہ معاشرے کو دیکھ کر اس عنوان کو منتخب کرنا پڑا۔

مولا علیؑ کا قیامت کے خوف سے گریہ:

قرآن میں پروردگار نے میدانِ قیامت کا تذکرہ کرتے ہوئے صرف مومنوں ہی کو نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کو مخاطب کیا۔اور ارشاد ہوا کہ

﴿یا ایها الناس اتقوا ربکم﴾۔اے انسانو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور یاد رکھو کہ ﴿انّ زلزلة الساعة شیءٌ عظیم۔﴾ قیامت کے میدان کی منزل اور قیامت کے میدان کا مرحلہ اور میدانِ قیامت کا آنا انتہائی عظیم امر ہے اور وہ ایسا امر ہے کہ ﴿یوم ترونها کل مرضعة عمّا ارضعت﴾ کہ اس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے کو فراموش کر دے گی۔﴿وتضع کل ذات حمل حملها﴾ اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔﴿وترَی الناس سُکاری﴾ اور تم لوگوں کو دیکھو گے تو ایسے لگے گا کہ یہ نشے کے عالم میں ہیں لیکن ﴿وما هُم بسکاریٰ﴾۔لیکن ان کو نشہ نہیں ہے۔یہ نشے کی وجہ سے ان کے ہوش وحواس نہیں ختم ہوئے ہیں۔یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ اچھے بھلے انسان لیکن اس وقت ایسی حرکتیں کر رہے ہیں کہ جیسے ان کا دماغ یا عقل غائب ہو چکی ہے۔تو یہ نشے کی وجہ سے نہیں ہے ﴿و لٰکِنَّ عذاب اللّٰه شدید.﴾ یہ پروردگارِ عالم کا سخت ترین عذاب ہے کہ جس کا یہ سامنا کر رہے ہوں گے۔تو قیامت کا میدان وہ مشکل ترین میدان ہے۔وہ اہم ترین گھڑی ہے کہ جس میں ہر انسان بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر اپنے پروردگار کے سامنے زندگی کے ایک ایک عمل کا حساب دینا پڑے گا اور ایک ایسا میدان ہے کہ جس کو یاد کر کے جب مولائے کائنات روتے ہیں تو یہ کہتے ہیں آہ۔آہ۔من قِلّةِ الزّادُ۔آہ۔آہ۔علیؑ کے پاس میدانِ قیامت تک جانے کیلئے سامانِ سفر کتنا مختصر ہے۔

جبکہ ﴿ وَخَشُوْنَةِ الْمَسْجِ وَعَظِيْمِ الْمَوْرَد ﴾ ۔علیؑ کو قبر جیسی تنگ و تاریک اور مشکل ترین جگہ سے ہو کر پروردگار کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہے ۔ کائنات کا امیر ہے۔تمام مومنوں کا امیر ہے ۔جس کی نماز کی یہ اہمیت کہ نماز کے عالم میں پاؤں سے تیر نکالو تو پتہ نہ چلے ۔جس کے روزے کی یہ کیفیت کہ تین دن روزہ رکھا جائے اور سورۃ ھل اتیٰ نازل ہو جائے ۔جس کی زکوۃ کی یہ حالت کہ حالت رکوع میں زکوۃ دے کر قرآن کی آیت کو نازل کروایا جائے ۔ جس کے جہاد کی یہ کیفیت کہ فرشتے کو قصیدہ پڑھنا پڑے ﴿لا فتیٰ اِلا علی لا سیف اِلَّا ذوالفقار﴾ ۔جس کی زندگی کے ایک ایک عمل کو کیا بتایا جائے ایک ضربت ہوتی ہے اور ثقلین کی عبادت سے افضل ہو جاتی ہے مگر وہ علیؑ بھی کہہ رہا ہے کہ قیامت کے میدان میں جانا ہے کوئی آسان منزل اور آسان مرحلہ نہیں ۔ جب میدانِ قیامت میں جبار وقہار بادشاہ کو دیکھتا ہوں تو ایک مرتبہ اپنے اعمال بہت ہی کم نظر آنے لگتے ہیں ۔ سامان بہت ہی مختصر نظر آنے لگتا ہے ۔میدانِ قیامت کا خوف کچھ ایسا خوف ہے کہ آئمہ معصومینؑ کو دیکھیں یا انبیاء و مرسلین کو دیکھیں یا ملائکہ مقربین کو دیکھیں ہر مقام پر میدانِ قیامت کا خوف ہی خوف ہے۔

تین قسم کی عورتیں میدانِ قیامت میں حضرت فاطمہؑ کی ساتھی:

مگر اس منزل پر انسانوں میں سے عورتوں کیلئے رسولؐ کی ایک بشارت ہمارے سامنے آئی ہے۔ ہر شخص گھبرائے ہر شخص پریشان ہو ہر مومن کی حالت

بگڑے مگر خوش خبری ہو، بشارت ہو ان عورتوں کیلئے کہ جن کیلئے رسول کا یہ فرمان آ گیا کہ میدانِ قیامت کی سخت ترین منزلوں میں بھی، روزِ حشر کے اہم ترین مقامات پر بھی تین عورتیں ایسی ہیں جو قبر سے اٹھائی جائیں گی ۔رسولؐ فرماتے ہیں کہ میری بیٹی فاطمہؑ کیساتھ ان کو اٹھایا جائے گا۔سارے میدانِ قیامت میں وہ میری بیٹی فاطمہؑ کیساتھ رہیں گی ۔ پل صراط سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک یہ تین قسم کی عورتیں فاطمہؑ کے ساتھ ساتھ رہیں گی۔شرط یہ ہے کہ ان کے پاس ایمان ہو۔اب یہ تین عورتیں کون سی ہیں ۔
تین عورتیں جو فاطمہ زہرا کے ساتھ محشور ہونگی ۔

ا۔اپنے شوہر کی غربت پر صبر کرنیوالی:

﴿امراۃ صَبَرَتْ عَلٰی غُرُبَۃِ زَوْجِھَا﴾ پہلی وہ عورت جس نے اپنے شوہر کی غربت پر صبر کیا۔اور اپنے شوہر سے کوئی ایسا شکوہ، کوئی ایسی شکایت کوئی ایسی خواہش، کوئی ایسی فرمائش نہیں کی کہ جسے اس کا شوہر پورا نہ کر سکتا ہو۔ یہ وہی تو حکم ہے جو اللہ کے رسول نے اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر ایک جملہ ارشاد فرمایا۔ جب باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتا ہے تو کتنی تمنائیں ہوتی ہیں باپ کے دل میں اور پھر باپ بھی اگر رسول جیسا باپ ہو جو ساری کائنات کا حاکم ہے۔جس کا اقتدار پوری کائنات پر چلتا ہے جو کچھ بھی فاطمہؑ کو دیا جائے وہ کم ہوتا ہے مگر مختصر سے سامانِ زندگی کے بعد پیغمبرؐ نے صرف یہ ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تو جا رہی ہے یہ خیال رکھنا کہ وہاں تجھے

دولت دنیا میں سے کچھ نہ ملے گا مگر تیرا شوہر وہ ہے جو تیرے باپ کے بعد اس کائنات کا افضل ترین شخص ہے۔ پس اپنے شوہر سے کوئی ایسی خواہش نہ کرنا کہ جسے وہ پورا نہ کر سکے اور پھر اسے یہ دکھ پیدا ہو کہ میں اپنی بیوی کی اتنی سی خواہش کو بھی پورا نہ کر سکا۔

وہ تحفہ جو رسولؐ نے شہزادی فاطمہؑ کو دیا: واقعہ:

یہ وہ تحفہ ہے جو اللہ کے رسولؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو دیا اور بتایا کہ باپ ہونے کا مقصد یہ نہیں ہے۔ کہ تم دنیاوی دولت سے اپنی بیٹی کا دامن بھر دو۔ دیکھو باپ ہونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ تم دنیا کے ساز و سامان جائیداد اور دولت کے انبار اپنی بیٹی کے حوالے کرو۔ نہیں اگر تم باپ ہو تو تمہیں اپنی بیٹی کو دنیا سے زیادہ بیٹی کی آخرت کا خیال ہونا چاہئے۔ ایک مقام پر نہیں کئی مقامات پر یہ طریقہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ روایت بھی ہے کہ جسے علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں تحریر کیا ہے۔ یہ بھی بتا دیا جائے کہ آج کی مجلس میں آپ کے سامنے کچھ ایسی روایتیں بھی آئیں گی جو تقریباً ہمارے تمام علماء نے لکھی ہیں۔ مگر بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ یہ معصومین کی شان کیخلاف ہے تو یہ بات ذہن میں رکھئے کہ شہزادی فاطمہؑ کا تذکرہ ہو یا مشکل کشاءِ کائنات کا ذکر ہو یا پیغمبرِ اسلام کا واقعہ بیان کیا جائے۔ ہم اس کامل اعتقاد اور یقین کے ساتھ ان ہستیوں کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ یہ نہ تو دنیاوی مشکلات سے گھبراتے ہیں اور نہ ہی کوئی چیز ان سے پوشیدہ ہے مگر بعض اوقات امت کو بتانے کیلئے باپ بیٹی

میں ایسے سوال و جواب ہوتے ہیں کہ جیسے بیٹی کو کوئی چیز معلوم نہیں معاذ اللہ۔ تو اب علامہ مجلسی تحریر کرتے ہیں کہ شہزادی ایک مرتبہ باپ کی خدمت میں آتی ہیں اور آنے کے بعد سوال کرتی ہیں کہ بابا یہ تو بتایئے کہ جنتیوں کی غذا کیا ہے۔ پیغمبرؐ نے جواب دیا پھر پوچھا کہ فرشتوں کی غذا کیا ہے۔ پیغمبرؐ نے جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ مومنوں کی غذا کیا ہے پیغمبرؐ نے جواب دیا پھر پوچھا کہ یہ تو بتایئے کہ آلِ محمدؐ کی غذا کیا ہے۔ آج تین دن ہو گئے گھر میں چولہا نہ جل سکا آج تین دن ہو گئے۔ ہم فقر و فاقہ میں زندگی گزار رہے ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا۔ بیٹی فاطمہؑ! تیرا باپ تیرے سوال کا جواب میں تجھے فقط ۵ کلمے اور ۵ جملے عطا کرتا ہے۔ یہ تیرے باپ کا جواب ہے۔ اس سوال کے بارے میں جو تو نے کہا۔ بیٹی یہ کہتی رہو ﴿یا رب الاوّلین و یا رب الاخرین و یا ذو القوّةِ المتین و یا راحم المساکین﴾ روایت یہ بتاتی ہے کہ شہزادی واپس اپنے گھر میں جاتی ہیں ایک مرتبہ مولائے کائنات شہزادی سے پوچھتے ہیں کہ بنتِ رسولؐ باپ کے پاس گئی تھیں باپ نے کیا جواب دیا۔ تو بس شہزادی کا یہ فقرہ بتا رہا ہے کہ باپ کی ذمہ داری کیا ہے۔ بیٹی کا فریضہ کیا ہے ایک مرتبہ شہزادی کہتی ہے۔ ﴿ذَهَبْتُ لِلدُّنيا وَجِئْتُ بِالْآخِرَة﴾۔ میں بابا کے پاس ایک دنیاوی مسئلے کا حل لینے گئی تھی مگر باپ کے پاس سے اخروی مسائل کا حل لے کر آ رہی ہوں۔

یہ جملہ جناب زہراؑ بتا رہی ہیں کہ دیکھو باپ کی ذمہ داری یہ نہیں کہ بیٹی

کو زیادہ سے زیادہ سامان دیدیا جائے مال، دنیا میں عزت و آبرو قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہوسکتا ہے۔ مگر وہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی بیٹی کو آخرت دو۔ آخرت دینے کے دو طریقے ہیں جب بیٹی تمہارے پاس آئے تو اسے آخرت دو۔ جب تم بیٹی کو اپنے گھر سے رخصت کرو تو یہ خیال کر کے رخصت کرو کہ جس گھر میں بھجوایا جارہا ہے وہاں جانے کے بعد میری بیٹی کی دنیا بن رہی ہے یا میری بیٹی کی آخرت بن رہی ہے۔

اور کس انداز سے فاطمہؑ نے اپنی ساری زندگی کو فقر و فاقے کے ساتھ گزارا۔ اور شانِ زہراؑ کیا ہے؟

فضائلِ زہراؑ:

وہ فاطمہ زہراؑ جن کی عظمت و مرتبے کے لئے صادقِ آلِ محمدؑ امام جعفرِ صادقؑ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ جب راوی حیران ہوتا ہے (یہ بھی بحارالانوار کی حدیث ہے) مولا! ایک چیز میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے پورا سورۃ ھل آتی پڑھ ڈالا۔ میں نے پورے سورہ دہر کی تلاوت کی۔ بار بار تلاوت کی۔ بار بار پڑھا ہے۔ پروردگار نے جنت کی کیسی کیسی نعمتوں کی بشارت دی ہے۔ جنت کی کون سی ایسی نعمت ہے کہ جس کا تذکرہ اس سورہ میں موجود نہیں مگر مولا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جنت کی ساری نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا مگر اس سورۃ میں جس کا موضوع ہی جنت ہے۔ حوروں کا تذکرہ نظر نہیں آرہا۔ امامؑ نے فرمایا حوروں کا ذکر فقط اس لئے نہیں ہے کہ یہ سورہ فاطمہ زہراؑ کی شان

میں نازل ہوا تھا اور فاطمہؑ کی شان کیساتھ حوروں کا تذکرہ مناسبت نہیں رکھتا ہے یعنی پروردگار اپنی وہ نعمت کہ جس کا تذکرہ قرآن میں ہر مقام پر کر رہا ہے۔ لیکن جب ذکرِ فاطمہؑ ہو رہا ہے تو اس نعمت کے ذکر کو مخفی کر دیا جاتا ہے۔ تا کہ کہیں فاطمہؑ کی شان میں کمی محسوس نہ ہونے لگے۔

سورہ دھر کا اخلاقی پہلو:

تو بس اسی سے متعلقہ اس روایت کو یاد کریں جس کا ایک پہلو آپ نے دیکھا ہے مگر دوسرے پہلو پر کبھی غور نہیں کیا وہ عورت جو فاطمہؑ کیساتھ میدانِ قیامت میں جانے کی آرزو باندھے ہے اسے اپنے شوہر کی غربت پر صبر کرنا ہے اور اپنے شوہر کو اس منزل پہ لے جانا ہے جو ہمیں اس واقعے میں نظر آرہا ہے۔ سورۃ **ھل اتی** کا واقعہ آپ نے بار بار علماء سے سنا ہے مگر اس کا ایک نقطہ ذہن میں نہیں آتا۔ واقعہ کیا ہے؟ یہی تو واقعہ ہے کہ تین دن روزے کی نیت مانگی گئی اور جب بیماری سے شہزادے صحت یاب ہو گئے تو روزے رکھنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ روزے رکھنا ہے زمانے کے دستور کے مطابق کائنات کا مشکلکشا مدینے کے ایک یہودی کے پاس جاتا ہے۔ تین دن کا معاہدہ (agreement) ہوتا ہے۔ ور معاہدہ اس انداز سے ہوتا ہے۔ علیؑ کو اس باغ میں کام کرنا ہے اور تین دن کی اجرت وہ گندم ہے جو پیشگی اور advance مولائے کائنات کے سپرد کر رہا ہے۔ مولا یہ گندم لے کر فاطمہؑ کے پاس شام کے وقت آتے ہیں ایک دن کا کام ہوگیا۔ تاریخ یہ بتا رہی ہے،

تفاسیر اس چیز کو بیان کر رہی ہیں۔ یہ گندم فاطمہؑ کے حوالے ہوا۔ شہزادی نے فوراً اس کے ۳ حصے کئے۔ ایک حصہ کو پیس کر روٹیاں تیار کی گئیں اور وہ مشہور واقعہ پیش آیا کہ یتیم آتا ہے سوال کرتا ہے۔ اور یہ روٹیاں لے کر چلا جاتا ہے۔ مگر مجھے اتنا بتایا جائے بیماری سے اٹھے ہوئے بچے ہیں۔ پورے دن کی محنت و مزدوری کرنے کے بعد میرا مولا گھر آیا ہے اور شہزادی نے بھی سارا دن گھر میں کام کیا ہے۔ گھر کا کون سا کام ہے جو شہزادی کے سپرد نہ ہو۔ کھانا پکانا، کپڑے دھونا، گندم پیسنا، بستر بچھانا اور بستر بھی وہ بستر جو اونٹ کی کھال کا بنا ہوا ہے۔ جس کو ہر دن کے وقت گھوڑے کیلئے چارہ ڈالا جاتا ہے اور شام کے وقت اسے جھاڑ کر اپنے لیٹنے اور شہزادی کیلئے بچھایا جاتا ہے، علیؑ کی تلوار اور صیقل کی صفائی کا کام ہو یا کنویں سے مشق بھر کر لانے کا کام ہو تمام کام شہزادی کے سپرد ہیں اور نوبت یہ آجات ہے کہ گھر کے کام کرتے کرتے اور چکی پیستے پیستے فاطمہؑ کے ہاتھ زخمی ہو جاتے ہیں۔ شہزادی کا پاک و پاکیزہ خون زمین پر گرنے لگتا ہے۔

پورے گھر کو دیکھ لیجئے فاطمہؑ تمام دن کی تھکی ہوئی میرا مولا بھی محنت کر کے آیا۔ ننھے شہزادے ابھی ابھی بیماری سے اٹھے ہیں اور اس کے علاوہ تمام دن کا روزہ ہے۔ فاقے کی حالت ہے شہزادی نے جو روٹیاں تیار کی تھیں وہ تو سائل لے کر چلا گیا ہے۔ کون سی ماں ایسی ہے جس کے پاس موجود ہو سامان پھر اپنے بچوں کو بھوکا دیکھے۔ کون سی بیوی ایسی ہے کہ جس کے پاس سامان

موجود ہو اور پھر اپنے شوہر کو بھوکا رکھے۔ کون عورت خود ایسی ہو سکتی ہے کہ بھوک مٹانے کا سامان گھر میں موجود ہو اور فاقہ کرے۔ بھوک بھی ہے، روزہ بھی ہے، تھکن بھی ہے اور ایسی تھکن کہ کل پھر کام کرنا ہے

شہزادی زہراؑ نے درس دیا کہ رزق کے حلال ہونے میں خاص احتیاط کرو:

مگر تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ فاطمہؑ کے پاس تین دن کا گندم تھا۔ ایک دن کے گندم کی روٹیاں سائل لے گیا۔ تو کیا فاطمہؑ کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ اب جو گندم کل کیلئے رکھا ہے کل اور پرسوں مزید محنت کی جا سکتی ہے مگر آج تو بھوک کو مٹانے کیلئے اس باقی گندم سے روٹیاں تیار کر لی جائیں، کیا چیز فاطمہؑ کو روک رہی ہے، کیا امر مانع ہے فاطمہؑ کے لئے۔ تھکن مانع ہے کیونکہ کل جب فاطمہؑ گندم کو پیسیں گی تو تھکن اور بڑھ چکی ہوگی۔ کل تو دو دن روزے ہو چکے ہوں گے کل دو دن کام ہو چکا ہوگا۔ پھر کیا وجہ ہے فاطمہ کے سامنے گندم موجود ہے بیٹے بھی بھوکے ہیں، شوہر بھی اس وقت فاقے کے عالم میں ہے خود بھی یہ مصیبت گزر رہی ہے۔ گھر کی کنیز بھی پریشانی برداشت کر رہی ہے۔ فاطمہؑ کو سب کچھ گنورا ہے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ اب یہ لوگ بستر پر جا کر سوئیں گے نہیں۔ یہ اہلِ بیت اطہار کا گھر ہے جہاں مختصر سے آرام کے بعد اب جو رات کی عبادت کا سلسلہ شروع ہوگا وہ صبح کی نماز تک جاری رہے گا۔ آج کے دور میں سانس لینے والا مومن، آج کے دور میں سانس لینے والی مومنہ یہ کہتی ہوئی نظر آتی ہے کہ میں نہیں جانتی تم چوری کرو یا ڈاکے ڈالو۔ حلال طریقے

سے کماؤ یا حرام طریقے سے میری تو یہ خواہش ہے جسے پورا ہونا چاہئے۔ فاطمہؑ کے گھر میں چل کر دیکھ لیں شریعت کا کتنا خیال ہے۔ حتیٰ یہ کہ جو چیز واجب نہیں اس کی بھی احتیاط کی جا رہی ہے تو احتیاط کیا ہے۔ یہ ۳ دن کا جو گندم ہے کس شرط پر ملا ہوا ہے۔ ۳ دن کام کرو اس کی یہ اجرت ہے۔ بی بی زہراؑ نے یہ دیکھا کہ میرے شوہر نے فقط ایک دن کام کیا ہے تو اس گندم کا ایک تہائی حصہ ہمارا حق بنتا ہے۔ مگر ابھی کل کام نہیں ہوا ہے۔ تو اس گندم کا باقی حصہ ہو سکتا ہے۔ شرعاً ہمارے لیے حرام نہ ہو۔ لیکن فاطمہؑ، فاطمہؑ کی غیرت اور پابندیٔ دین کا جذبہ مجبور کر رہا ہے، فاقے کر لو، بھوک پیاس اسی عالم میں خدا کی عبادت کر لو، بچوں کو بھوک سے تڑپتے دیکھو مگر اس گندم کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ جو ہمارا حق ہے لیکن ابھی اس کے بدلے کا کام نہیں ہوا ہے۔ اندازہ کیا جائے جس گھر کے اندر رزقِ حلال و حرام کے بارے میں احتیاط کی یہ حالت ہو کہ اپنا حق بھی ہو لیکن چونکہ یہ ایک امکان موجود ہے کہ اگر کل کام نہ ہو سکے تو یہ ہمارا حق نہیں ہوگا۔ اس امکان کیوجہ سے بی بی کو فاقہ گوارا ہے۔

بچوں کو بھوک سے بلکتا دیکھنا گوارا ہے مگر بی بی اس گندم سے ایک دانہ اٹھانے کو تیار نہیں۔ سارے گھر کے لئے نہ سہی، ان معصوم شہزادوں کیلئے تو مختصر سی غذا تیار ہو سکتی ہے مگر فاطمہؑ نے یہ بتایا کہ دیکھو زندگی گزارنا اتنا آسان نہیں ہے تو میدانِ قیامت میں فاطمہؑ کا ساتھ دینا بھی اتنا آسان نہیں ہے۔ شوہر اگر اس قابل نہ ہو کہ بیوی کی ہر خواہش پوری کر سکے تو بیوی دیکھ لے کہ جو

فاطمہؑ رزق کے بارے میں اتنی احتیاط کر رہی ہیں۔ وہ بھلا اس مومنہ کو اپنی سواری کے ساتھ چلنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہیں۔ جو اپنے شوہر کو ترغیب دلا کر حرام کے راستے پر لے جائے۔

بینک کی نوکری:

یہ بالکل واضح مسئلہ ہے۔ تمام مجتہدین کا متفقہ مسئلہ ہے کہ بینک کی نوکری تقریباً حرام ہے۔ اس لئے کہ تقریباً تقریباً ہر مقام پر سود کا دخل ہوتا ہے۔ سوائے اُن departments کے کہ جن میں سود نہیں ہے مگر کون سی بیوی ایسی ہے جو اپنے شوہر کی قربانی کو قربانی سمجھے کہ وہ اپنے بہترین پیشے کو چھوڑ رہا ہے۔ ذرا غربت ہوگی، ذرا فاقہ ہوگا مگر رزق تو حلال ہو جائے گا۔ رزق حرام سے تو بچ جائیں گے۔ نہیں کوئی عورت آپ کو اس معاشرے میں سوائے ان چند کے کہ جن کا ایمان کامل ہے ایسی نظر نہیں آئے گی کہ جو اپنے شوہر کی حوصلہ افزائی کرے کہ رسولؐ نے بشارت دی کہ اگر میری بیٹی فاطمہؑ کا ساتھ دینا ہے تو شوہر کی غربت میں تمہیں صبر بھی کرنا ہے اور اس بات کا بھی خیال رکھنا ہے کہ حرام کے راستے پر بھی قدم نہ بڑھنے پائے۔ رسولؐ نے باپ کو بھی درس دیا کہ تمہاری بیٹی بھی اگر تم سے دنیا مانگے، شادی سے پہلے، شادی کے وقت یا شادی کے بعد تو اسے دنیا نہ دینا بلکہ آخرت دینا۔ یہ بہترین تحفہ ہے۔ یہ بہترین جہیز ہے۔ یہ بہترین خواہش ہے جو باپ اپنی بیٹی کی پوری کر سکتا ہے کہ اسے دنیا نہ دو بلکہ آخرت دو۔ ہاں آخرت دینے کے بعد دنیا دے

رہے ہوتو کوئی حرج نہیں۔

۲۔اپنے شوہر کی بداخلاقی پر صبر کرنیوالی:

اس کے بعد پیغمبرؐ نے ایک مرتبہ پھر اپنی امت کی تمام عورتوں کو مخاطب کیا کہ ایک بات اور ہے، ایک منزل اور ہے، ایک مرحلہ اور ہے، جنت میں جانے، پلِ صراط پر سے آسانی سے گزرنے اور میدانِ قیامت میں میری بیٹی کا ساتھ دینے کیلئے ایک منزل اور ہے۔اِمْرَأَۃٌ صَبَرَتْ عَلٰی سُوْءِ خَلْقِ زَوْجِہٖ۔وہ عورت بھی میری بیٹی فاطمہؑ کی ساتھی بنے گی جو اپنے شوہر کی بد زبانی پر صبر کرتی ہے۔ بدزبانی کا جواب بدزبانی نہیں ہے۔شوہر کے طعنے کا جواب طعنہ نہیں ہے۔لڑائی کا جواب لڑائی نہیں ہے۔اس موقع پر صبر کرنا انتہائی مشکل ہے۔ یہ صبر وہی تو چیز ہے کہ جس کے بارے میں معصومؑ فرمارہے ہیں کہ عورت کا اپنے شوہر کے مظالم پر صبر کرنا اسے وہ درجہ دلاتا ہے جو جنگِ بدر واُحد کے مجاہدین کا مقام تھا۔مجاہدین تلوار و تیر کا زخم برداشت کرتے ہیں۔ یہ پھر بھی آسان ہے مگر بدزبان شوہر کے طعنے برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔

طعنہ دینا حرام ہے:

لیکن اسلام نے شوہر کو کوئی حق نہیں دیا کہ وہ اپنی بیوی کے سامنے ایسی کوئی بات کرے جس سے اس کا دل دکھے۔ ہاں اگر بیوی حکمِ خدا کی مخالفت کررہی ہے تو سمجھایا جاسکتا ہے۔مگر توہینِ مومن حرام ہے۔مومن کو ذلیل کرنا حرام ہے۔مومن کی شان میں گستاخی کرنا حرام ہے۔مومن کا مذاق اڑانا حرام

ہے،مومن پر طنز و تشنیع کرنا حرام ہے،مومن کو طعنہ دینا حرام ہے،مومن کا دل توڑنا حرام اور جتنا قریبی مومن ہو، ان احکامات کی اُتنی ہی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ عام مومن کے مقابلے میں پڑوسی اور رشتہ دار کا حق زیادہ ہوتا ہے۔پڑوسی اور رشتہ داروں کے مقابلے میں بیوی اور والدین کا حق اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔مگر عجیب بات یہ ہے کہ وہی شوہر جو سارے معاشرے میں بڑا خوش اخلاق مشہور ہے۔وہی شوہر کہ جس سے اس کے سارے دوست واحباب خوش ہیں۔گھر کے اندر آتا ہے تو گھر کا سکون برباد ہوجاتا ہے۔اس سے اس کی اپنی بیوی اس کے بداخلاق ہونے کی وجہ سے ناراض ہے۔

بیوی کیساتھ بداخلاقی۔۔۔ایک عظیم گناہ:

ایک طبقہ تو ایسا ہے جو بیوی کو گالی دینا، گالی ہی نہیں سمجھتا۔اس کو طعنہ دینا گناہ ہی نہیں خیال کیا جاتا۔اس کا مذاق اڑانا، اس پر الزام لگانا فعلِ حرام ہی نہیں سمجھا جاتا۔ میں پہلے مسئلہ بیان کروں پھر اپنا موضوع مکمل کروں۔فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شوہر جس نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طعنہ دیدیا۔یا ایک مرتبہ گالی دیدی یا ایک مرتبہ اسے برا بھلا کہا تو بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حاکمِ شرع کی عدالت میں جاکر اپنے ظلم کی فریاد کرسکتی ہے۔اور اس کے نتیجے میں حاکمِ شرع اس شوہر کو سزا دیگا۔اسلئے بیوی ہونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اسکے اوپر ہر ظلم و زیادتی کی جائے۔ظلم صرف مار پیٹ کا ہی نام نہیں ہے۔ بعض اوقات زبان کا وار ہاتھ کے وار سے زیادہ انسان کو زخمی کرتا ہے۔ میں

پیغمبر اسلام کی 2، 3 احادیث پیش کر رہا ہوں۔ پیغمبر کا فقرہ یہ ہے کہ یاد رکھو جس شخص نے اپنے کسی بھی مومن بھائی، رشتہ دار، پڑوسی یا ہمسر کا دل توڑا ،اس کا گناہ دس مرتبہ خانہ کعبہ کو گرا دینے سے بڑا ہے۔ دس مرتبہ بیت المعمور کو جو ساتویں آسمان میں ہے، اسے گرا دینے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ ایک ہزار خدا کے مقرب فرشتوں کو قتل کر دینے سے بڑا ہے۔ ایک مومن کا دل توڑنا ، چاہے وہ عام مومن ہو، چاہے وہ پڑوسی ہو، چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہو، چاہے وہ تمہاری بیوی ہو اور چاہے وہ تمہارا شوہر ہو۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی خوبی سمجھتے ہیں کہ ہم بہت Straight farward آدمی ہیں۔ ہم بالکل کھلی بات کہہ دیتے ہیں۔ ہمیں بات کو چھپانا یا بات کو موڑنا نہیں آتا۔ ہم بڑے صاف دل ہیں۔ ہمارے پاس منافقت نہیں ہے۔ یہ بات منافقت نہیں ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ کسی کا دل ٹوٹنے سے بچانے کے لئے اگر تم اس کی غلط تعریف بھی کر دو، گمراہ کرنے کیلئے نہیں، دل ٹوٹنے سے بچانے کے لئے، تو اس کا ثواب اتنا ہے کہ جتنا بعض اوقات ایک نبی کو اپنی امت میں تبلیغ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

اب وہ حدیث سنیں جو آپ نے اکثر سنی ہوگی مگر آدھی سنی ہوگی۔ مشہور حدیث ہے کہ اگر کوئی عورت اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو جائے تو پھر اس عورت کی تمام نمازیں اور روزوں کا ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ پروردگار اس کی کوئی عبادت قبول نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ اپنے

شوہر کو راضی نہ کرے گی اور جنت کو اس کے اوپر حرام قرار دیتا ہے۔ یہ آدھی حدیث تو عام طور پر بیان کی جاتی ہے۔ اگلا فقرہ رسول کا یہ ہے: ''بالکل یہی معاملہ شوہر کے ساتھ ہوتا ہے، جس کی بیوی اس سے ناراض ہو کر ایک رات سوتی ہے یعنی اگر کسی شوہر نے بغیر کسی شرعی جواز کے اپنی بیوی کے ساتھ بد زبانی کی یا بد اخلاقی کی یا جھگڑا کیا۔ اور بیوی ناراض ہو کر ایک رات سوئی۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اس شوہر کی نمازیں ٹھکرا دی گئیں، روزوں کا ثواب رد کر دیا گیا۔ نماز، روزہ غلط نہیں ہوا بلکہ ثواب کو ختم کر دیا گیا۔ اور اس وقت تک پروردگارِ عالم اس شخص کی عبادتوں کو قبول نہیں کرے گا جب تک یہ اپنی بیوی کو راضی نہیں کر لیتا ہے۔ وہ جو آپ آج تک شوہر کا حق سمجھتے آئے ہیں، حدیث کے مطابق بالکل یہی حق بیوی کا بھی ہے۔

اس حدیثِ نبوی کا آخری جملہ ہے حَرَّمَ اللّٰہ جَنَّتَہ یعنی جنت حرام ہے اس عورت پر جو اس حالت میں دنیا سے رخصت ہو کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔ اتنا آسان معاملہ بھی نہیں ہے اتنی مختصر چیز بھی نہیں ہے کہ انسان سمجھے کہ چونکہ میری اس سے شادی ہو چکی ہے وہ میرے دائرہ اختیار میں آ چکی ہے۔ اس لئے میں جو مرضی کہوں۔ اسلام نے شوہر کیلئے بیوی کی غیبت کرنا بھی ناجائز قرار دی ہے۔ غیبت عام مومن کی حرام ہے اسی طرح بیوی کی غیبت بھی حرام ہے بلکہ زیادہ اس طریقے سے حرام ہے لیکن اگر بدقسمتی سے شوہر وہ ہے جو ان ساری باتوں سے اجر لینے کو تیار نہیں۔ اسی کیلئے ہی پیغمبرؐ نے

کہا تھا اِمْرَأۃ صَبَرَت عَلٰی سُوْءِ خَلْقِ زَوْجِھا ۔شریعت میں اس بد اخلاقی کا علاج طلاق بھی بتایا گیا ہے لیکن اگر وہ عورت صبر کرے تو اس کا صلہ یہ ہے کہ میری بیٹی کی ساتھی بنے گی۔

۳۔نامحرموں سے پردہ کرنیوالی:

تیسری عورت کہ جس کو قیامت اور جنت میں فاطمہؑ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوگا یہ وہ مومنہ ہے جس نے ساری زندگی اپنے آپ کو نامحرموں سے بچایا۔سوائے ان مواقع کے کہ میں 50 یا 60 سال کی عمر ہوگی اس سے زیادہ تونہیں ہوگی۔اس کا انعام تجھے کیا ملنے والا ہے۔قیامت کے میدان کے 50,000 سال ہیں۔ہر آدمی گرمی سے تڑپ رہا ہے۔ہر طرف آدمی سائے کی تلاش میں دوڑا جا رہا ہے اور تو فاطمہ زہراؑ کی سواری کے پہلو میں عرشِ الٰہی کے سایے میں کھڑی ہے۔فقط اس لئے کہ تو نے دنیا میں اپنے آپ کو نامحرم سے بچایا۔اب ذرا دیکھئے یہ منزل بظاہر کتنی آسان ہے اس کے بعد ان مومنات کو دیکھئے جو آج کل کے زمانے میں جمادی الاول کا مہینہ ہے، جمادی الثانی، رجب اور شعبان یہ تو مہینے ہی ایسے آتے ہیں کہ جس کے اندر پردہ کرنیوالیاں بھی پردے کو بالائے طاق پر رکھ دیا کرتی ہیں۔شادی بیاہ کا زمانہ ہے، منگنیوں کا موسم ہے، شادی کی تقریبات کا موسم ہے۔ان تمام چیزوں کے اندر پہلا کام یہی کیا جاتا ہے پردے والیاں بھی پردے کو خیر باد کہہ رہی ہیں۔اور کوئی بے ہودہ کام بھی نہ کیا جائے تو کم از کم Movie اتاری جا رہی

ہے videoCamera حرکت کر رہا ہے۔اس میں تو ہمارا pose آنا ہی چاہئے ورنہ یہ نکاح ہی شاید صحیح نہ ہو جس کے اندر شرکت کی گئی ہے۔اور یہ مومنہ نبیؐ کی اتنی بڑی نعمت کو ٹھکرا رہی ہے۔اگر رسولؐ یہ نہ کہتے کہ پردے کا حکم تو ویسے ہی واجب تھا چاہے شادی بیاہ کی تقریب ہو یا غمی کی تقریب ہو یا کیسا ہی اہم ترین موقع کیوں نہ ہو۔

حجاب کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فلاں عورت کو ہماری نیت پر کوئی شک ہے۔خاندانوں میں اس بات پر جھگڑے ہوتے ہیں کہ دیور کے سامنے، جیٹھ کے سامنے حجاب۔کیا ہمیں لچا لفنگا سمجھا ہے کہ اس طرح سے ہمارے سامنے حجاب ہو رہا ہے؟۔اور پھر اگر عورت آقائے خوئی کی مقلدہ ہو کہ اسے تو احتیاط واجب پر بھی عمل کرنا ہوتا ہے۔نقاب بھی پہنے گی اور دستانے بھی پہنے جائیں گے۔خاندان کے لوگ اسے اپنی توہین سمجھتے ہیں اور یہی کہیں گے کہ یہ ہماری توہین کی گئی ہے۔اس طرح لپٹ لپاٹ کے دستانے، نقاب پہن کر ہمارے سامنے کیوں آئی ہو۔سڑکوں، بازاروں اور جہاں بد معاش کھڑے ہوتے ہیں وہاں جانا ہو تو ایسا کیا جائے۔ہمارے سامنے ایسے کیوں؟

پردہ کرنیوالوں کو دیہاتی اور پرانے لوگ سمجھا جاتا ہے:

ہمارے معاشرے میں ایک ایسا گروہ ہے کہ جب تک وہ غریب ہے پردہ بھی ہے ان کے یہاں۔نماز بی ہے۔شریعت کی پابندی بھی ہے۔لیکن جب اللہ نے پیسہ دیا تو واجبات پر عمل سے شرما رہے ہیں۔معلوم ہے انھیں کہ پردہ واجب ہے لیکن اب کیسے اپنی

عورتوں کو پردہ کرائیں۔ دنیا مذاق نہیں اڑائے گی کہ دیکھو اسے، رہتا ہے society میں
اور فکر ہے دیہاتی لوگوں جیسی۔ اب شرم آرہی ہے، گھبراہٹ پیدا ہو رہی ہے۔ اب
معاشرے میں ایک عزت ہوگی۔ Status بلند ہوگیا ہے۔ یہ مثال آپکی نہیں لیکن آپ
کو، ایسے مومن ملتے ہوں گے آجکل دولت آنے کے بعد تعلیم آنے کے بعد، اچھی کوٹھی اور
اچھا بنگلہ ہونے کے بعد، اچھا کاروبار ہونے کے بعد ایک چیز اور ضروری سمجھی جاتی ہے علماء
کا مذاق اڑانا اور ان کی ہر بات پر اعتراض کرنا۔ جب یہی سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو یہ کام
Fashion بن جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے پڑھے لکھے لوگ بہت مل بیٹھتے ہیں، اپنے
آپ کو مالدار سمجھنے ولاے، اپنے آپ کو بڑا ذہن سمجھنے والے جب مل بیٹھتے ہیں ایک فیشن
بن گیا ہے کہ ایران پر ضرور اعتراض کیا جائے معاذ اللہ کہ انقلاب اسلامی ایران کو کبھی نہ
مانو۔ اس میں ضرور کیڑے نکالے جائیں۔ یہ کیوں؟ یہ کس لئے؟ فقط اسلام کہ ہم
دوستوں کے جس مجمعے میں، خاص طور پر دفتروں میں کام کرنے والے، وہاں پر اگر
مولویوں کی حکومت مان لیں۔ یا عالم کی حکومت مان لیں۔ تو مذاق اڑایا جائے گا کہ یہ کتنا
تنگ نظر ہے۔ یہ تو ملا ٹائپ کا آدمی ہے۔ اب یہ جاننے کے باوجود کہ امامؑ زمانہؑ کی نظر میں
عالم کا جو مقام ہے لیکن امامؑ کا ماننے والا اعتراض صرف اس لئے کرے گا کہ اگر انقلاب کو
تسلیم کرلیا تو مولویوں کو ماننا پڑے گا، علماء کو ماننا پڑے گا۔ آج اگر ہم فرماتے ہیں کہ یہ ایک
عالم کی بات ہے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اگر امریکہ کے کس سائنسدان نے ایک بات
کہہ دی کہ شراب پینے میں ہزاروں نقصانات ہیں۔ اگر یورپ کے کسی Research
Scholor نے تحقیق کر کے بتایا کہ گانا سننے کے کتنے نقصانات ہیں ہم فخر کے ساتھ بیان

کریں گے لیکن اگر ایک عالم نے کہہ دیا کہ اسلام کے اندر گانا سننا گناہِ کبیرہ ہے اس لئے
چھوڑ، اب شرمارہے ہیں کہ لوگ کہیں گے دیکھا یہ کتنے پرانے زمانے کا ہے، مولویوں کی
باتوں میں آگیا۔ تو جب امامؑ زمانہؑ آئیں گے تو وہ بھی پرانی باتیں ہی کریں گے۔ آج جو
۱۴۰۰ سال پرانا اسلام ہے وہی تو لے کر آئیں گے۔

معصومؑ کی نظر میں مسلمان کون؟:

اور ایک منزل پر جب امام معصوم سے پوچھا گیا کہ مولا! اتنا تو
بتائیے۔ یہ تو ہمارے لئے واضح کیجئے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ سوال کرنے
والے کا سوال ہی بڑا عجیب۔ اے شخص تو نے کیسے سوال کرلیا۔ مسلمان کسے
کہتے ہیں؟ جو کلمہ پڑھ لے وہ مسلمان۔ نہیں امام نے کہا کہ اس کو مسلمان نہیں
کہتے۔ مسلمان اسے کہتے ہیں جو تین مقامات پر اپنے آپکو مسلمان ثابت کر
دے۔ ایک بیان کروں گا کیونکہ میرا موضوع سیرتِ شہزادی ہے۔ یہ ظاہری
مسلمان نہیں۔ یہ تو کلمہ پڑھنے سے آدمی مسلمان بن جاتا ہے۔ یعنی اس کا خون
اور مال محفوظ اور اس کا جسم پاک۔ حقیقی مسلمان عِنْدَ الْفَرَح یعنی جب یہ کسی
خوشی کی تقریب میں جارہا اپنے ساتھ اسلام کو لے کر جارہا۔ اسلام کو گھر میں
رکھ کر اکیلا نہیں جاتا ہے۔ اپنے ساتھ اسلام کو لے کر جارہا کہ ہماری زندگی میں
سب سے بڑی خوشی کی تقریب کیا ہوسکتی ہے۔ سب سے بڑی خوشی کسی شخص کی
زندگی میں اس کی شادی ہے۔ اگر کسی شخص کو جانچنا ہے کہ وہ مسلمان ہے یا
نہیں۔ شادی کے موقع پر دیکھ لیجئے کہ کس حد تک اسلام کا لحاظ رکھا جارہا

ہے۔ جو اہم ترین گناہ ہماری شادیوں میں ہوا کرتا ہے۔

دلہن کی منہ دکھائی کی بدترین رسم:

بہت سے گھرانے اپنے آپکو مہندی کی رسم سے بچا لیتے ہیں مگر ایک جو آخری رسم ہوتی ہے جس کے اندر اب تک کوئی ایسا گھرانہ مجھے نہیں مل سکا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہے ہی نہیں۔ ضرور ہوگا لیکن مجھے نہ مل سکا جو اس رسم سے اپنے آپ کو بچاتا ہو۔ وہ ہے دلہن کی منہ دکھائی کا موقع۔ کہ سارے رشتہ داروں کے لئے نامحرم ہے۔ یہ تو اپنے شوہر کی محرم ہوتی ہے یا اپنے خسر کی محرم ہوتی ہے باقی تو سب اس کیلئے نامحرم ہیں مگر باقاعدہ تقریب میں منہ دکھائی منعقد کی جاتی ہے جس کے اندر ایک ایک شخص آتا ہے خاص طور پر بزرگ زیادہ آگے لائے جاتے ہیں کہ چہرہ دیکھنے جائیں اور جیسا جس مقام پر طریقہ ہے اس کے مطابق کچھ دینا ہے تو دیتے چلے جائیں یہ تو سراسر فعلِ حرام ہے باقی تقریبات کے بارے میں تو الشان گھما پھرا کر کوئی بہانہ بنا سکتا ہے کہ جی نامحرم عورتیں ہیں تو ہم کونے کونے سے نکلے جا رہے ہیں۔ ان کی نگاہ ہم پر نہیں ہماری نگاہ ان پر نہیں مگر یہ تو موقع ہی ایسا ہے کہ نامحرم کو چہرہ دکھانا ہے اسکا، کہ جس کا چہرہ دیکھنا اس کیلئے حرام تھا۔ جہاں تک کہ وہ مجتہدین جو عورت کے چہرے کو دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں وہ بھی ایک شرط لگاتے ہیں کہ چہرے پر زیب و زینت نہ ہو۔ اور کون سی ایسی دلہن ہے جس کا چہرہ بغیر زیب و زینت کے ہو۔ دوست آتے ہیں تو ان کی بھی توقع یہی ہوتی ہے کہ یہ جو دلہن

گھر میں آئی ہے کم سے کم اس کا چہرہ ہم دیکھیں۔ بزرگوں کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے مگر نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ جو موقع ملا تھا ہمارے خاندان کی عورتوں کو فاطمہؑ زہراؑ کا ساتھ دینے کا وہ چند منٹ کی خوشی کی خاطر اس لئے کہ کچھ لوگ ناراض نہ ہونے پائیں، ہم نے وہ موقع اپنے ہاتھ سے گنوا دیا ہم نے اس اہم ترین نعمت کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

شہزادی زہراؑ کو پردے کا کتنا خیال تھا:

اور یہی وہ منزل ہے جہاں ہمارے سامنے تاریخِ اسلام کا وہ مشہور واقعہ آتا ہے کہ یہی فاطمہ زہراؑ ہیں اور ایک مرتبہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ آتی ہے۔ اس وقت اس روایت کے اس نقطے کو بیان کرنا ہے جو عام طور پر لوگ بھول جاتے ہیں۔ میں اس وقت 2 یا 3 ایسی روایات کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو شہزادی کی زندگی کے اس حصہ کو واضح کرنیوالی ہیں۔ پردہ فاطمہؑ کی سیرت کا کیسا جزِ لاینفک ہے۔ وہ مشہور واقعہ ہے کہ باپ کی وفات کے بعد مرتے دم تک فاطمہؑ کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی۔ سوائے ایک موقع کے۔ یہ کون فاطمہؑ، یہ وہ فاطمہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے بابا کی صفِ ماتم کو بچھایا اور بابا کا ماتم کر رہی ہیں وقت آخر۔ مگر شہزادی صفِ ماتم پر بیٹھے ہوئے مسکرا رہی ہیں۔ بیٹی سے زیادہ باپ سے کون محبت کرے گا۔ فاطمہؑ سے زیادہ رسولؐ سے کون محبت کرے گا۔ فاطمہؑ ماتم کر رہی ہیں اور مسکرا رہی ہیں۔

شہزادی آپ صفِ عزا پر بیٹھی ہیں۔ آپ اپنے بابا کا ماتم کر رہی

ہیں۔آپ اپنی یتیمی کے داغ کا تذکرہ کر رہی ہیں۔آپ کے چہرے پر مسکراہٹ اور ایسی مسکراہٹ کہ تاریخ کے اوراق تحریر ہوگئی۔شہزادی جواب دیں گی کہ یہ بھی تو دیکھو کہ میں کیوں مسکرا رہی ہوں۔اس کا سبب بھی تو دیکھو اور پہچانو کہ وہ کتنی اہم چیز ہوگی کہ جس کی خاطر فاطمہؑ نے باپ کے ماتم کو چھوڑ دیا۔باپ کے ماتم کو ایک لمحہ کے لیے ترک کر دیا۔مسکراہٹ کا مطلب ہے کہ اتنی دیر کیلئے آنسو رک گئے۔وہ کیا چیز تھی فقط ایک چیز۔جب اسماء بنتِ عمیس نے شہزادی سے کہا کہ عرب جس طرح سے میت اٹھاتے ہیں وہ مجھے پسند نہیں۔عورت کی کتنی بے پردگی ہوتی ہے۔تو ایک مرتبہ اسماء نے حبشہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ جب میں اپنے شوہر جناب جعفر طیار کیساتھ حبشہ کے ملک میں گئی۔تو میں نے وہاں اس قسم کے جنازے دیکھے اور فاطمہؑ کو کھجور کی شاخوں سے وہ گہوارا بنا کر دیا کہ جس کی تفصیل موضوع سے خارج ہے۔فَتَبَسَّمَتْ فاطمۃؑ۔پس فاطمہؑ مسکرائیں۔آپ نے وصیت فرمائی کہ جب جنازہ اٹھایا جائے تو اسی حالت میں اٹھایا جائے۔شہزادی یہ بھی تو آپ کی وصیت ہے کہ آپکا جنازہ رات کی تاریکی میں اٹھایا جائے تو چند آدمیوں کے علاوہ کوئی آپ کے جنازے پر نہ آئے۔رات کی تاریکی مگر اس اندھیرے میں بھی فاطمہؑ کو اپنے پردے کا کتنا خیال ہے کونسا پردہ؟ زندگی کے بعد کا پردہ کہ مرنے کے بعد فاطمہؑ یہ برداشت نہیں کر پا رہیں۔اور جب پتہ چل رہا ہے کہ میرا وہ پردہ بچ رہا ہے تو باپ کا ماتم روک کر فاطمہؑ مسکرا رہی ہیں۔فاطمہؑ کی

مسکراہٹ ہمیں قیمت بتا رہی ہے پردہ کتنی قیمتی چیز ہے۔فاطمہؑ کی نگاہ میں۔جس فاطمہؑ کی نگاہ میں اتنا قیمتی پردہ ہے اسی فاطمہؑ کی ماننے والیوں کے درمیان اتنا ہی بے قیمت ہے یہ پردہ۔یہاں تک کہ اگر شہادت کی مجلس میں پردے کا ذکر آجائے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ شہزادی کا تو ذکر کیا ہی نہیں پس وہی پرانی باتیں دہرادی گئیں۔مگر سیرتِ فاطمہؑ کا اہم ترین رخ ہے۔

مصائبِ زہراؑ:

فاطمہؑ نے بابا کا ماتم روک کر وصیت کر دی کہ میرا جنازہ اس طرح اٹھے۔کونسا ماتم؟ علامہ مجلسی بحار الانوار میں فاطمہؑ کے ماتم کا تفصیلی تذکرہ کر رہے ہیں۔پیغمبرؐ کے انتقال کے 3 دن گزر چکے ہیں اور اب شہزادی اس قابل ہوگئیں کہ اپنے حجرے سے بابا کے حجرے میں تشریف لے جاسکیں۔فاطمہؑ اور رسولؐ کے حجرے کے درمیان صرف چند قدم کا فاصلہ ہے مگر پرانا مدینہ چھوٹی چھوٹی گلیاں، مختصر سے مکانات ہیں۔باپ سے جدا ہوئے 3 دن ہوگئے۔آج کھڑی ہوئیں تو کہا میں بابا کی قبر پر جاؤں گی۔اس سے پہلے قبر پر نہ گئی تھیں۔شہزادی آپ اب تک باپ کی قبر پر کیوں نہیں گئیں۔3 دن ہوئے آج آپ تشریف لے جا رہی ہیں۔کہا کہ سوال تو کرلیا تم نے۔کیا فاطمہؑ کے گھر کا دروازہ نہیں دیکھا جو جل چکا ہے۔کیا تم نے فاطمہؑ کے اس شکستہ پہلو کو نہیں دیکھا جو دروزہ گرانے کی وجہ سے ہو تھا۔اور کیا فاطمہؑ کے لال محسن کا سقط شدہ جنازہ نہیں دیکھا۔زخم تو ایسا تھا کہ وقتِ شہادت تک یہ زخم باقی رہا۔لیکن تین

دن کے بعد فاطمہؑ اس قابل ہو گئیں کہ سہارے سے کھڑی ہو سکیں اور ایک مرتبہ بابا کی قبر پر گئیں۔ روایت یہ بتاتی ہے کہ جب فاطمہؑ حجرہ رسولؐ کی طرف چلیں تو سارے مدینے میں کہرام بپا ہو گیا۔ گھروں کے دروازے بند کر دو۔ سارے مردوں کو حکم ہو گیا کس نے حکم دیا نہیں مگر اتنا سننا تھا کہ بنتِ رسولؐ گھر سے باہر آ گئی اور اپنے باپ کی قبر کی طرف جا رہی ہے تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ رات کا وقت ہے لیکن چراغ گل کئے جا رہے ہیں۔ پورے مدینے کے بچے اور عورتیں فاطمہؑ کے قریب آئیں۔ ایک مرتبہ باپ کو سلام کیا۔ اور فرمایا۔ بابا آپ مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔ بابا! مدینے کے یتیم اور مسکین آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی ان کی مدد کرنیوالا نہ رہا۔ بابا! قرآن آپ کو یاد کر رہا ہے۔ کوئی قرآن کا حق ادا کرنیوالا نہ رہا۔ بابا! اسلام آپ کے بعد غریب ہو گیا کوئی اسلام کی حمایت کرنیوالا نہ رہا۔ بابا! آپ کا منبر آپ کے غم میں آنسو بہا رہا ہے۔ آپؐ کی مسجد اب تک آپ کا ماتم کر رہی ہے۔ بابا! آپ کی بیٹی فاطمہؑ اپنے زخموں کو دکھانے کیلئے آپ کے پاس آئی ہے۔ بابا! آپ چلے گئے، آلِ محمدؐ کا وہ احترام ہی چلا گیا جو آپ کی زندگی میں تھا۔ بابا! بیٹی آپ کے پاس فریاد لے کر آ رہی ہے۔ تاریخ بتا رہی ہے تین صفحوں کی فریاد جو بحار الانوار میں موجود ہے۔ فاطمہؑ ماتم کرتے کرتے غش کھا کر گر گئیں۔ مدینے کی عورتیں پانی چھڑک کر فاطمہؑ کو ہوش میں لاتی ہیں اور فاطمہؑ اپنے گھر میں تشریف لاتی ہیں۔

شہادت زہراؑ:

تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے بعد 75 یا 95 دن اس حالت میں گزرے کہ فاطمہؑ ہیں اور باپ کا ماتم ہے یہاں تک کہ وہ رات آئی کہ فاطمہ زہراؑ اپنے گھر میں ہیں۔ اور شہزادی زینبؑ کو بلا کر کچھ کان میں کہہ رہی ہیں۔ وہ رات آ گئی، قیامت کی رات۔ صبح کو فاطمہؑ رات سے بیدار ہوتی ہیں۔ پہلا کام یہ کیا کہ زینبؑ کو بلایا۔ زینب ماں کے قریب پہنچی۔ زینبؑ نے کہا ماں کیا حکم ہے۔ فاطمہؑ نے کہا کہ ماں کی وصیتیں سن لے۔ ایک وصیت تو وہی کی کہ جسے کربلا پورا ہوتے آپ بار بار سن چکے ہیں۔ زینب کربلا میں فاطمہؑ نہ ہوگی۔ میری نیابت میں حسینؑ کے اس گلے کا بوسہ لینا کہ جس پر قاتل کا خنجر چلے گا۔ دوسری روایت جو بعض ذاکرین سے سنی گئی ہے کہ ایک دوسری وصیت بھی لکھی۔ زینبؑ کے کان میں۔ وہ وہ دوسری وصیت کیا تھی؟ اس کا ہمیں پتہ نہیں چل سکا۔ ہم نے سنا ہے کہ اس وقت سنا جب مولائے کائناتِ مسجد کوفہ میں بیٹھے ہیں وہاں سے خوشخبری آئی۔ علیؑ بیٹا مبارک ہو۔ میرا مولا گھر آیا۔ بیٹے کو گود میں لیا۔ ایک مرتبہ بیٹے کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ کہا کہ ہاں ہے تو ایسا ہی ہے کہ جیسی میری تمنا تھی۔ ہے تو میری بہادری کا وارث و جانشین۔ کوئی حسینؑ کو بلا کر لائے۔ حسینؑ کو بلایا گیا۔ کہا بیٹا حسینؑ یہ لو علیؑ کی جانب سے تمہارے لے تحفہ۔ ایک مرتبہ حسینؑ نے چھوٹے بھائی کو لیا۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ اس کے بعد دوبارہ علیؑ اپنی گود میں لیتے ہیں اور ایک مرتبہ یہ کہتے ہیں کہ یہ میرا وہ بیٹا ہے کہ جس کے بارے میں رسولؐ نے کہا تھا کہ اس کا نام عباس رکھنا۔ زینبؑ نے یہ سنا۔ ایک مرتبہ زینبؑ کو وہ بات یاد آ گئی۔ بابا ذرا ایک لمحے کے لئے

عباس بھائی کو میری گود میں دیجئے۔ علیؑ نے عباسؑ کو زینبؑ کی گود میں دیا۔ زینبؑ نے عباسؑ کے کانوں میں منہ رکھ کر کچھ کہا۔ (میں نے سنا ہے)۔ بس ایک مرتبہ سوال کرتے ہیں۔ زینب بھائی سے کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ کہا بابا! بابا! جس صبح کو اماں اس دنیا سے گئی تھیں۔ مجھے وصیت کر گئی تھیں۔ بیٹی زینبؑ! جب تیرے ہاں تیرا بھائی عباسؑ پیدا ہو تو کہنا عباسؑ، فاطمہ زہراؑ تمہیں سلام کہہ رہی ہیں۔ فاطمہؑ کو اپنے وقتِ شہادت بھی حسینؑ اتنے یاد آ رہے ہیں، کبھی عباسؑ کی وفا یاد آئی تو عباسؑ کو سلام بھجوایا گیا۔ تاریخ یہ کہتی ہے زینب سے وصیتیں مکمل ہو گئیں۔ میرا مولا جو مسجد میں نماز کیلئے گیا تھا صبح کو واپس آیا۔ دیکھا رسولؐ کی بیٹی جو اب تک اتنی کمزور تھی کہ بغیر عصا کے سہارے کے چلتی نہ تھیں۔ آج گھر کے کاموں میں مصروف ہیں کہ جھاڑو دے رہی ہے۔ کھانا تیار کیا جا رہا ہے۔ تڑپ کر کہا۔ بنتِ رسولؐ، اس بیماری میں آپ کی یہ حالت۔ فرمایا۔ ہاں اے ابوالحسن۔ یہ میرا آخری دن ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے بعد میرے بچوں کو کوئی تکلیف ہو۔ بچوں کا کھانا تیار کر کے جا رہی ہوں۔ بچوں کے لباس دھو کر جا رہی ہوں۔ مولا نے کہا۔ بنتِ رسولؐ اب وحی تو نہیں آتی پھر آپ کو کیسے پتہ چلا۔ فرمایا۔ آج رات کو سوئی تھی۔ صبح کا وقت قریب تھا۔ خواب میں دیکھا میرا بابا آیا ہے۔ میرے بابا کے ساتھ میری ماں خدیجۃ الکبریٰ آئی ہے۔ میں نے باپ کو سلام کیا۔ ماں کو سلام کیا۔ کہا بابا! آپ نے مجھے اسی حالت میں چھوڑا کہ اس کے بعد ایک رات بھی چین سے نہ گزار سکی۔ میرے بابا نے کہا۔ بیٹی گھبرا نہیں۔ ہم تجھی کو لینے آئے ہیں۔ آج تو ہماری مہمان ہو گی۔ مجھے یقین ہے میرا بابا مجھے لینے آیا ہے۔ آج یہ میری آخری رات ہے۔ بس اتنا سننا

تھا۔ میرا مولا تڑپ کر باہر نکلا تا کہ بچوں کو لا کر ماں سے آخری بار ملایا جائے۔ روایات کہتی ہیں کہ مولا جب گھر سے نکلے۔ مسجد کی جانب جا رہے ہیں۔ فاطمہؑ بستر پر لیٹ گئی۔ چادر کو اوڑھ لیا۔ منع کر دیا کہ کسی کو میرے قریب نہ آنے دینا اور ادھر سے ننھے شہزادے حسن و حسین یہ کہتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے کہ ہماری ماں کہاں ہے۔ ایک مرتبہ کنیز نے اشارہ کیا۔ ہائے ہائے! ماں پر اپنے آپ کو گرایا۔ کنیز گھبرا کر کہتی ہے۔ شہزادو۔ شہزادی کو آرام کرنے دو۔ یہ تمہاری کیا حالت ہے۔ کہا مدینے میں نانا کی قبر پر بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ نانا کی قبر سے تڑپ تڑپ کر رونے کی آواز آنے لگی۔ نانا نے کہا بیٹا حسن و حسین جلدی گھر جاؤ تمہاری ماں دنیا سے رخصت ہونے والی ہے۔ حسنؑ نے اپنے آپ کو فاطمہؑ کی پائنتی پر گرایا۔ ماں کے قدموں کو اپنے رخساروں پر مل رہے ہیں۔ اماں تمہارا بیٹا حسن پکار رہا ہے۔ حسن کو جواب دو۔ حسینؑ نے اپنے آپ کو ماں کے سرہانے گرایا، فاطمہؑ کے رخسار پر رخسار رکھ کر کہا اماں فاطمہؑ! تمہارا بیٹا حسینؑ تمہیں پکار رہا ہے جواب دو۔ لیکن کوء جواب نہیں آ رہا۔ ایک جملہ تھا، ایک فقرہ، ایک مرتبہ حسینؑ کہتے ہیں۔ اپنی ماں فاطمہؑ کو دیکھ کر، اماں تمہیں حسینؑ کی غربت کی قسم ایک مرتبہ حسینؑ کو جواب دو۔

روایت میں ہے کہ چادر سے فاطمہؑ کے دونوں ہاتھ باہر نکلے۔ حسینؑ کو اپنی آغوش میں لے کر سینے پر گرایا۔ حسینؑ نے غربت کا حوالہ دیا تو ماں نے کیسے جواب دیا۔ میں کہوں گا شہزادی یہاں تو حسینؑ کی فقط یہ غربت کہ ماں سے جدا ہوئے۔ مگر کربلا کے میدان میں جب آپ کا حسینؑ ہر لحاظ سے غربت کے عالم میں تھا تو آپ پر قیامت

گزر رہی ہوگی۔ اور ادھر روایت یہ بتا رہی کہ میرا آقا تیزی سے گھر میں آئے۔ کنیز سے پوچھا حسن و حسین تو گھر نہیں آئے۔ کنیز نے کہا آقا آپ اتنے پریشان کیوں نظر آرہے ہیں۔ کہا کہ میں رسولؐ کی قبر پر حسنین کو تلاش کر رہا تھا کہ جبرائیل کی آواز آئی۔ اے ابو الحسن گھر میں جا کر حسن و حسین کو خاموش کروائیے۔ ان کے رونے سے فاطمہؑ رو رہی ہیں اور فاطمہؑ کے رونے سے رسولِ خداؐ غش کھا کر گر پڑے ہیں۔ ایک دفعہ کمرے میں داخل ہوئے۔ بیٹوں کو جدا کیا۔ حجرے کے دروازے کو بند کیا۔ زینب کہتی ہیں میں نے بابا کو کبھی روتے نہیں دیکھا تھا۔ مگر آج حجرے کے دروازے سے بابا کے چیخ چیخ کر رونے کی آواز آنے لگی۔ دروازہ کھلا۔ علیؑ باہر آئے۔ اس سے پہلے کہ کچھ کہیں زینب تڑپ کر کہتی ہے۔ بابا اماں کو غسل دیتے ہوئے رو کیوں رہے تھے۔ مولا نے فرمایا۔ بیٹی زینبؑ جب میں نے فاطمہؑ کے جسم پر پانی ڈالنے کیلئے کرتے کے دامن کو ہٹایا۔ تو ایک مرتبہ کوڑے کے زخم کا نشان مجھے نظر آیا۔ فاطمہؑ کے جسم پر کوڑے کا نشان علیؑ بھی برداشت نہ کر سکے۔ پس ایک مرتبہ علیؑ نے آواز دی حسن و حسین، زینب و ام کلثوم اب ماں کو چھوڑ دو۔ ایک مرتبہ دونوں کو انتہائی نرمی سے جدا کیا۔ مولا! جب بیٹیاں ماں کی میت پر گر رہی ہیں۔ تو الگ کرنے کیلئے۔ پھر آپ جیسے امہربان شفیق باپ آگے آ رہا ہے۔ مگر جائے وہ کربلا کی بیٹیاں جب بابا کے جنازے پر گریں تو شمر نے کوڑے مار کر جنازے سے الگ کیا۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

فلسفۂ اجتہاد اور تاریخِ اجتہاد

عالم اور مجتہد میں فرق:

آپ کی آسانی کیلئے ایک مثال سے ایک عالم اور ایک فقیہ میں فرق واضح کر دوں۔ کیونکہ دونوں آپ کو مسئلہ بتاتے ہیں تو آپ کو فرق نظر نہیں آتا۔ مثلاً اگر ہم بازار چلے جائیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ کون کون سی چیزیں بازار میں موجود ہیں۔ کون سی چیزیں مہنگی ہیں اور کون سی سستی۔ 15 دن کا ایک survay کریں تو ایک اچھا خاصا علم ہمارے پاس آجائیگا جو کہ اس شخص کے پاس نہیں ہوگا کہ جو یہ survay نہ کرے۔ لیکن یہ سرسری علم ہے۔ سطحی علم۔ لیکن ماہر معیشت جس کو یہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ آجکل بازار میں جو چیزیں نہیں، جو چیز مقبولیت حاصل کر رہی ہے تو کن وجوہات کی بنا پر۔ کسی چیز کی قیمت بڑھنے کی وجوہات کیا ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ اندازہ لگائیں گے کہ چونکہ اس چیز کی demand زیادہ ہے اسی وجہ سے اسکی قیمت بڑھ رہی ہے۔ پس ہمارا علم، علمِ اجمالی ہے یعنی سرسری علم۔ جبکہ ماہرِ معیشت تو ہر چیز کی وجوہات جانتا ہے۔ اسی لیے وہ پہلے سے بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ کونسی چیز 10 سال کے بعد مقبول ہوگی اور کونسی چیز ختم ہو جائے گی۔ پس ہم ہر معیشت کو علمِ معاش کا مجتہد کہہ سکتے ہیں۔ یہی ہر علم کا مسئلہ ہے اور علم

فقہ کا بھی۔ایک وہ شخص ہے جسے مسائل یاد ہیں۔

مجتہد معصومینؑ کے بیان کردہ قوانین سے فقہی مسائل اخذ کرتا ہے:

جبکہ مجتہد وہ شخص ہے جو ان تمام مسائل کی وجہ جانتا ہے۔ان کے اصول و قوانین جانتا ہے۔اور انہی قوانین کی بنیاد پر وہ ہر مسئلہ حل کرسکتا ہے۔چاہے وہ مسائل کتنے ہی جدید کیوں نہ ہوں۔اس سے زیادہ مسائل بتانا ان کو ممکن نہ تھا۔نہ وہ یادرکھ سکتے تھے اور نہ وہ سمجھ سکتے تھے اور نہ وہ اس کو سننے کے بعد رسولؐ کی رسالت پر قائم رہ سکتے تھے بلکہ ان کے دل میں شک بھی پیدا ہوسکتا تھا کہ یہ رسولؐ تو ایسی ایسی باتیں کررہا ہے کہ جس کا کہیں بھی وجود نہیں۔جب تمام پڑھے لکھے اور صاحبانِ عقل کی یہ کیفیت ہے کہ اگر سیاست کا علم، اگر اس علم سے ٹکرانے والے مسائل بتائے جائیں کہ فقہ تو یہ کہتی ہے تو صاحبانِ ایمان ڈگمگانے لگتے ہیں کہ یہ کیسا علم ہے جو ایسی باتیں کہہ رہا ہے جو کہ غلط ہیں۔اور غلط کس لئے کیونکہ آج کی سائنس یا سیاست کیخلاف ہیں۔تو اس وقت کے لوگوں کیلیئے تو بالکل یہ ممکن نہ تھا کہ ایسے مسائل جو ان کے خیال میں تو کہیں بھی موجود نہیں تھے۔تو وہ پھر بہک جاتے۔

بہت سے امامؑ کے ایسے شاگرد تھے جو مستقل نہ تھے یعنی کچھ عرصہ امامؑ کی شاگردی اختیار کرتے تھے اور پھر پلٹ کر اپنے وطن جاتے تھے۔امامؑ نے ان میں اجتہاد کی صلاحیت کو پیدا کیا۔امام نے نہیں اصول وقوانین بتائے تاکہ جب کبھی ضرورت پیش آئے تو انہی قوانین کے ذریعے فتویٰ دے دیا جائے۔مثلاً ابنِ____ کی ایک روایت ہے کہ چھٹے امامؑ کے پاس پہنچے۔مولا ایک آدمی ہے جو بے ہوش ہوگیا

ہے 2، 3 دن تک مسلسل بے ہوش ہوتا رہا۔اب جب وہ ہوش میں آیا ہے تو کیا وہ اپنی قضا نماز پڑھے گا پچھلے دو تین دنوں کی یا نہیں۔اب اگر امامؑ چاہتے تو صرف ہاں یا نہیں میں جواب دے دیتے۔چونکہ انہی لوگوں کو پھیل کر تمام اسلامی دنیا کے مسائل حل کرنا ہیں۔مثلاً ایک شخص امامؑ کی شاگردی کرکے مراکش چلا جاتا ہے۔اب اگر اسے کوئی وہاں نئی قسم کا مسئلہ پیش آجائے تو وہ کیا دوبارہ مراکش سے مدینہ آئے اور پھر واپس جائے یہ تو ناممکن ہے۔اس طرح صرف مسائل ہی کا جواب نہیں دیا جاتا تھا بلکہ ایسے اصول وقوانین بھی بتائے جاتے تھے کہ جن کے ذریعے نئے پیش آنیوالے مسائل کو خود شاگرد حل کرسکیں۔امام نے جب اس کا سوال سنا تو فرمایا میں تمہیں ایسی بات کیوں نہ بتاؤں جس سے تم بعد میں ہمیشہ مسائل کو خود حل کرسکو گے۔فرمایا کہ جب کوئی شخص ایسی آفت میں گھر جائے جو خدا کی جانب سے آئی ہو۔خدا کی جانب سے نازل ہونیوالے امر کی وجہ سے مجبور ہو جائے تو پھر خدا اس پر کوئی واجب قرار نہیں دیتا۔چونکہ یہ شخص بیہوش ہوگیا تھا۔اور بے ہوشی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی اس لئے اس تمام عرصے میں اس پر نماز کی قضا واجب نہیں۔اب چونکہ اس شخص کو اصول معلوم ہوگیا تو اسی قسم کے مزید مسائل اس اصول کی مدد سے حل کرسکتا ہے۔مثلاً اگر اس سے کوئی پوچھے کہ ایک شخص 3 دن سوتا رہا اس کی نمازوں کی قضا کا کیا حکم ہے۔وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تو صرف بیہوشی کا مسئلہ معلوم ہے۔پس پانچوے اور چھٹے امام کے زمانے میں اجتہاد کی تعلیم کا آغاز ہوا۔یعنی امام نے اپنے پاس پڑھنے والوں کو وہ اصول بتانا شروع کیے، کہ وہ اصول یاد کرو اور ان کی بناء پر فتویٰ دیا کرو۔اور

جب مجتہدین ہوں گے تو اختلاف ہوگا۔اور امام ہی کے دور میں مجتہدین کا اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔امامؑ موجود ہیں اور امامؑ کے براہِ راست شاگردوں میں اختلاف ہو گیا۔راوی پہنچا کہ مولا کیا کریں آپکا ایک مجتہد یہ کہتا ہے دوسرا یہ کہتا ہے۔امامؑ نے فرمایا دونوں میں سے جس کا علم زیادہ ہے اس کی بات پر عمل کرو۔خُذْ اَعْلَمُھُمَا۔لیکن کسی معصومؑ نے اس کو ختم نہیں کروایا اور نہ ہی اس کی مذمت کی کہ اس کو بند کرو۔کیونکہ اختلاف مجتہدین ایک عقلی، فطری اور مذہبی ضرورت ہے۔اسی طرح آٹھویں امامؑ نے سعید ابنِ احیابی جیسے مجتہدین پیدا کیے۔نویں، دسویں اور گیارہویں امامؑ کے دور میں اجتہاد کی تعلیم دی گئی۔اس تمام دور میں اجتہاد کی تعلیم جاری رہی اور مجتہدین پیدا ہوتے رہے۔لیکن اس زمانے میں اجتہاد بہت آسان تھا کیونکہ اگر کوئی مجتہد کسی موقع پر فتویٰ دیتے ہوئے جھجھکتا تھا تو وہ فوراً رجوع کرلیا کرتا تھا۔

مجتہد کی تحقیق کا طریقہ کار:

آج کے دور میں اجتہاد کا، بنسبت اس زمانے کے مشکل ہونے کی وجہ امام کی عدم موجودگی ہے۔مثلاً امامؑ اپنے صحابی کے ساتھ جارہے تھے۔ایک عورت راستے میں مل گئی۔امامؑ نے اسے سلام کیا اور اس سے بات چیت کرنے لگے۔روایت میں تو اسی طرح آجائیگا اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر عورت سے بات چیت کرنا جائز ہے۔لیکن مجتہد ایسا نتیجہ نہیں نکالے گا بلکہ وہ فوراً دیکھے گا کہ ایک طرف تو روایتِ امام یہ ہے کہ نامحرم کو دیکھنا حرام ہے۔جبکہ دوسری طرف امامؑ خود عورت سے بات کررہے ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں۔مجتہد سوچے گا کہ کوئی ایسی چیز ضرور ہے کہ جو ان روایات

میں سے کسی ایک میں تھی اور ہمارے پاس نہیں آئی۔یا تو کچھ نامحرموں کو دیکھ سکتے ہوں گے یا امامؑ نے مرد سے ملاقات کی ہوگی عورت سے نہیں۔پس مجتہد کو بہت تحقیق کرنا ہوگی۔مگر چھٹے امامؑ کے زمانے میں تو یہ بڑا آسان تھا کیونکہ شاگرد پوچھ لیتا تھا کہ مولا یہ روایت ہم تک آئی ہے اس کا مطلب سمجھ نہیں آرہا۔تو امامؑ نے مثلاً بتایا کہ وہ تو میری خالہ یا پھوپھی تھی اس لئے میں نے اس سے ملاقات کی۔

دورِ معصومینؑ میں اجتہاد:

پس دورِ معصومینؑ میں اجتہاد بہت آسان تھا کیونکہ معصوم سے روایت کا پسِ منظر پتہ چل جایا کرتا تھا۔لیکن آج تو بڑا مشکل ہے کہ 1400 سال پہلے والی روایت کا پس منظر معلوم کیا جائے۔اور ویسے بھی اس زمانے میں امامؑ کے پیدا کردہ مجتہدین کی اتنی ضرورت نہیں پڑتی تھی کیونکہ ہر سال ہر شہر سے کچھ حاجی جب حج کرنے آتے تو امامؑ سے مسائل دریافت کرلیا کرتے تھے۔پس پانچویں امامؑ سے گیارہویں امام تک اجتہاد کی تعلیم دیتے رہے۔

غیبتِ صغریٰ میں اجتہاد:

غیبتِ صغریٰ کے چوتھے نائبِ امام، حسین ابنِ روح کی ساری زندگی فقیری میں گزری ہے۔اتنا عرصہ تقیہ کہ اہل سنت ان کو اپنے علماء میں شمار کرتے ہیں۔انہیں پتہ نہ چل سکا کہ یہ شیعہ عالم ہیں۔اسی دور میں اجتہاد کی شدید ضرورت پڑی کیونکہ امامؑ غائب ہیں اور ان کے نائب تقیہ میں تو مسائل کس سے دریافت کیے جائیں۔علی ابنِ محمد بابویہ قمی ہمارے وہ مجتہد ہیں جن کا انتقال 329 میں ہوا ہے۔محمد ابنِ یعقوب کلینی

جس نے اصول کافی تحریر کی ہے۔ان کا انتقال بھی 329ھ میں ہوا ہے۔اور اسی طرح عیاشی جو اہل سنت کے بہت بڑے عالم تھے اور انہی کی تفسیر بہت مشہور ہے۔بعد میں انہوں دینِ حق قبول کیا شیعہ ہو گئے اور مجتہد بنے ان کا انتقال بھی 329ھ میں ہوتا ہے یعنی جس زمانے میں غیبت صغریٰ چل رہی تھی۔یہ سب مجتہد اپنے فتوے دے رہے تھے، احادیث کو ملا کر مسئلہ نکال رہے ہیں۔اور ان کے مسئلوں میں اختلاف بھی ہوتا ہے اور زمانہ ہے غیبتِ صغریٰ کا۔اگر اختلافِ مجتہدین غلط ہوتا یا خلافِ شریعت ہوتا تو فوراً امامِ زمانہ کی جانب سے خط آنا چاہئے تھا کہ تم لوگ ی کیا کر رہے ہو۔ہماری غیر موجودگی میں ہماری امت کو بہکا رہے ہو۔ایسا کوئی خط نہ آیا بلکہ حکم یہ آیا کہ اپنے تمام مسائل میں امت ان کی طرف رجوع کرے۔پس تصدیقِ امامؑ ہو گئی۔یہ جو تینوں مجتہدین' یہ امامؑ کی غیبت کے ہیں جب کہ ان سے پہلے وہ مجتہد جو تھے وہ آئمہ کی موجودگی و ظاہری حاضری میں تھے۔اس لئے انہیں مجتہد نہیں کہا جاتا۔یہ تینوں ابتدائی زمانے کے مجتہد تھے پھر تاریخِ اجتہاد کا آغاز ہوتا ہے۔

چھٹے امامؑ نے اپنے زمانے میں ''اصول'' کی کتابیں لکھوائی تھیں جنہیں اصولِ اربعہ مائۃ کہا جاتا ہے۔جس میں امامؑ نے ان تمام مسائل کا حل اور جواب دیا تھا کہ جو انسان کو تا قیامت پیش آتے رہیں گے۔لیکن ظالم حکومتوں نے ان تمام راویوں پر حملہ کیا کہ جن کے پاس یہ کتابیں موجود تھیں اور کوشش یہ کی کہ ان کتابوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔چنانچہ بہت مشہور ہے کہ امام کے اسحاق نامی صحابی کا واقعہ ان کے پاس بھی امامؑ کی کچھ لکھوائی ہوئی کتابیں تھیں۔حکومت کو اطلاع ملی چنانچہ ان کے گھر پر چھاپا مارا

اور انہیں گرفتار کر کے لے گئے۔ان کی بہن کو معلوم ہوا کہ میرے بھائی کے گھر پر چھاپا پڑ رہا ہے اور ان کی گرفتاری ہو رہی ہے۔انہوں نے فوراً یہ کیا کہ صحن میں گڑھا کھود کر جتنی کتابیں تھیں وہاں چھپا دیں۔پھر زمین کو برابر کر دیا۔اسحاق 20 سال کی قید سے رہا ہو کر جب واپس آئے تو پہلا سوال انہی کتابوں کے بارے میں کیا۔20 سال یہی فکر رہی کہ علومِ آلِ محمدؐ کہیں ضائع نہ ہو جائیں۔بہن نے بتایا کہ فلاں جگہ چھپائی ہوئی ہیں۔زمین کھودی گئی۔وہ کتابیں مل گئیں۔البتہ جگہ جگہ سے کاغذ گل گل کر گر گیا تھا۔جس کی وجہ سے کچھ احادیث آدھی رہ گئیں، کچھ نامکمل رہ گئیں۔کچھ ایسی احادیث تھیں جو اسحاق نے امامؑ سے خود نہیں سنی تھیں بلکہ کسی اور راوی نے سنی تھیں لیکن اب راوی کا نام مٹ چکا تھا یا وہ حصہ گل کر گر گیا تھا۔اور جب تک راوی کا پتہ نہ چلے اس وقت تک روایت کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔50 سال پہلے سنا ہے یہ بھی یاد نہیں کہ کس کی روایت ہے۔غیبتِ صغریٰ میں حکومت نے سمجھا کہ اب تو ان لوگوں کا کوئی ھادی نہیں رہا پس اس کی توجہ شیعانِ اہلبیت کی طرف اتنی نہ رہی۔اس دور میں شیخ محمد یعقوب کلینی نے یہ عزم کیا کہ موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور ان 400 کتابوں میں سے جتنی بھی مل جائیں ان کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا جائے۔چنانچہ 19 سال مسلسل وہ سفر کی حالت میں رہے۔جس کے بارے میں کوئی اطلاع ملی کہ فلاں شخص کے پاس کچھ حصے موجود ہیں اس شخص کے پاس گئے۔کوئی دوسرا شخص جو 1000 میل کے فاصلے پر ہے جس کے پاس کچھ احادیث ہیں اس کے پاس گئے۔700 میل کے فاصلے پر اگر کوئی بسیر املاء اس کے پاس گئے اور ایک کتاب ''اصول کافی''، لکھی۔

مسائلِ دین پہنچانے میں معصومینؑ کو دشواریاں:

معصومینؑ میں سے کوئی بھی معصوم ایسا نہیں ہے جس کی ساری زندگی پریشانیوں مشکلات ومصائب میں نہ گزری ہو کہ جو انہیں اس زمانے کے حاکموں اور عام مسلمانوں کی جانب سے درپیش تھیں۔ یہ حقیقت ہمارا بچہ بچہ جانتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھا جاتا کہ آخر وہ پریشانیاں کیا تھیں۔ کیونکہ ان کا شہید کیا جانا یا زہر دیا جانا تو ظاہراً ایک دن یا ایک گھنٹے کی پریشانی معلوم ہوتی ہے۔ ہر معصوم نے جو پوری زندگی گزاری ہے اس میں شہادت کے علاوہ اور کونسی پریشانیاں اور مصیبتیں امامؑ کو برداشت کرنا پڑیں؟

آلِ محمدؐ کے لئے سب سے بڑی پریشانی یا سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ انہیں یہ موقع نہیں دیا گیا کہ وہ امت کی ہدایت کریں۔ حکومت کا مسئلہ بعد کی چیز ہے۔ آلِ محمدؐ کو مسائل نشر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ وضو، غسل اور نماز کے اہم اہم مسائل بھی آلِ محمدؐ بیان نہیں کر سکتے تھے۔ آجکل صاحبانِ ایمان نے یہ سمجھ لیا ہے کہ آلِ محمدؐ چونکہ سب کچھ بتا گئے ہیں تو احادیث کا ترجمہ کر لیں پورا دین مل جائیگا۔ جو حالات تھے۔ اس زمانے میں کہ اگر امامؑ اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی فقط یہ مسائل بیان کرنا چاہیں (سیاست پر تنقید نہ کریں) اور ان کے ماننے والے یہ مسئلہ سننا چاہیں تو یہ بھی حاکمِ وقت برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام الناس سے امامؑ کا رابطہ ختم ہو کر رہ گیا یا بالفاظِ دیگر ختم کر دیا گیا۔ ان حالات میں بعض محبّ کسی نہ کسی طرح معصومینؑ کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور جتنا وقت انہیں مل جاتا ہے وہ کوشش کرتے ہیں

کہ زیادہ سے زیادہ علمِ امامؑ سے حاصل کریں۔ کوئی گھنٹہ رہتا ہے، کوئی مہینہ اور کوئی چھ ماہ تو کوئی دو سال رہ پاتا ہے۔ پوچھنے بھی آتا ہے تو بعض اوقات حاکم کے جاسوس اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ بعض اوقات قتل کر دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک ایسا وقت بھی آیا کہ امامؑ نے اپنے پاس آنے کو ناجائز قرار دیا بلکہ منع کر دیا۔ ویسے تو ہر شخص امام کو نہ جانتا تھا اور جو جانتے تھے امامؑ خود ہی ان کو پاس آنے سے منع کر رہے ہیں۔ پس جو علم ہم تک پہنچا ہے وہ ان صحابیوں اور شاگردوں کے ذریعے جو اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر جاتے تھے۔ اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہم کو امامؑ سے محبت نہیں بلکہ نفرت ہے اور امامؑ بھی یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہ ہمارے چاہنے والے نہیں بلکہ یہ تو ہمارا امتحان لینے آئے ہیں اس لئے مسائل پوچھ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کچھ ایسی روایات نظر آتی ہیں۔ لیکن بعد میں امامؑ نے ان کے نام پیغام بھجوایا اور برا کہنے کی وجہ بتائی اور تعریف کی۔ اگر ایک آدمی اپنے آپکو کامیابی کے ساتھ تین سال پوشیدہ رکھتا ہے حکومت سمجھتی رہی کہ یہ کوئی امامؑ کا دشمن ہے۔ امامؑ کا مذاق اڑانے کیلئے امامؑ کے پاس بیٹھتا ہے۔ حکومت نے اس پر سے جاسوسی ہٹا لی۔ لیکن جب 2، 3 سال اور گزر گئے تو حکومت کو شک ہونے لگا کہ نہیں یہ تو امامؑ کا مخلص نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے امامؑ کا حکم اس صحابی یا شاگرد کیلئے آتا ہے کہ بس اب تمہارے لیے یہاں آنا خطرناک ہے۔ اگر اب بھی تم یہاں آئے تو چھ سال تک جو تم نے ہم سے حاصل کیا ہے وہ سب کچھ ضائع ہو جائیگا۔ فوراً پلٹ جاؤ اپنے وطن یا اتنے دور دراز علاقے میں چلے جاؤ کہ حکومت کو تمہارا پتہ نہ چلے۔ اور جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے ساری حدیثیں اپنے

بیٹے کو سنا دیں۔عربوں کا حافظہ بہت قوی اور طاقتور ہوتا تھا۔ایک ہی آدمی کو 50،50 ہزار صفحات کی کتاب یاد ہو جایا کرتی تھی۔اس بیٹے نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے کو تمام احادیث یاد کروائیں۔اس طرح علمِ امامت یعنی جو چیزیں آئمہ کو پہنچانا تھیں امت کو وہ تو محفوظ ہو گئیں لیکن یہ علم مختلف/متعدد شاگردوں میں منتشر ہو گیا۔اور انتشار اس طرح ہوا کہ جب ایک بیمار شخص نے پوچھا کہ مولا وضو کا طریقہ تو معلوم ہے لیکن مجھے فلاں بیماری ہے تو اس کا طریقہ بتائے۔امامؑ نے بتایا۔اب جو شاگرد ایسے موقع پر تھا اسے تو بیمار انسان کیلئے وضو کا خاص طریقہ معلوم ہو گیا لیکن جو شاگرد اس وقت موجود نہ تھے ان کو پتہ نہ چل سکا۔اب اس شاگرد سے کوئی بیمار انسان وضو کا طریقہ پوچھتا ہے تو یہ بھی وہی طریقہ بتائے گا جو امامؑ نے اس بیمار و بتایا۔لیکن جب ایک دوسرے شاگرد سے کسی نے بیمار انسان کے وضو کے بارے میں سوال کیا۔جو شاگرد اس وقت موجود نہ تھا۔تو اس نے جواب دیا کہ امامؑ نے مجھے تو ایک ہی طریقہ بتایا ہے۔بیمار شخص کیلئے کوئی علیحدہ وضو تو نہیں بتایا تم بھی اسی طریقے سے وضو کرو۔اس طرح ایک شخص الگ طریقے سے وضو کرتا ہیا ور دوسرا شخص علیحدہ طریقے سے۔اب فرضاً ان شاگردوں کا انتقال ہو گیا۔اب آئمہ کا سلسلہ امامِ غائب پر ختم ہوا اور امامؑ غیبت میں چلے گئے۔غیبت کا عرصہ جب زیادہ گزرا مثلاً ایک دو صدیاں بعد تو پھر موجودہ حاکمِ وقت جو تھا اس کی توجہ امامؑ کی طرف بالکل نہ تھی کیونکہ اتنے عرصے بعد حکمرانوں کی اگلی نسلیں حاکم ہو گئی تھیں۔ان کو علم ہی نہ تھا کہ کوئی امام تھے بھی یا کسی نے ایک غلط خبر مشہور کر دی جس کے پیچھے میرے دادا پردادا لگے

رہے۔جب یہ دور آیا تو ہمارے علماء نے احادیث جمع کرنا شروع کیں۔وہ اس طرح کہ 14 معصومینؑ کے جتنے شاگرد تھے ان کی فہرست بنائی جائے۔جن علاقوں سے ان کا تعلق تھا ان علاقوں میں جا کر ان سے ساری احادیث اور علوم لے کر آئیں جو انہوں نے آئمہ سے حاصل کی تھیں۔محمد ابنِ یعقوب کلینی نے 20 سال لگا کر احادیثِ امامؑ اکٹھی کرنے کی سب سے پہلی کاوش کی تھی۔

مذہب اہلبیتؑ میں جعلی احادیث شامل کرنے کی سازش:

حکومت نے اس زمانے میں ایک اور کام کیا۔وہ یہ کہ چونکہ بہت کم مومنین امامؑ کے پاس پہنچتے تھے اکثر مومنین نہ پہنچ پاتے تھے تو حکمرانوں نے ہر امامؑ کے زمانے میں کسی ایک آدمی کو مقرر کر دیا جس کا کام ہی یہ تھا کہ امامؑ کے نام سے جھوٹی احادیث بنا بنا کر نشر کرتا رہے۔چونکہ چوتھے امامؑ کے زمانے میں ایک ایسا جھوٹا شخص ملتا ہے۔اسی طرح پانچویں، چھٹے اور ساتویں امامؑ کی ایک حدیث سامنے آئی کہ فلاں شخص سے روایتیں نہ لینا کیونکہ وہ مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔فلاں کی کوئی روایت نہ لینا کیونکہ اس نے میرے والد پر جھوٹ باندھا ہے۔فلاں سے روایت نہ لینا اسنے میرے دادا پر بہتان باندھا ہے۔

حکمرانوں کے مقرر کردہ یہ جھوٹے راویانِ حدیث ایسے دور دراز علاقوں میں جاتے تھے جہاں امامؑ کے ماننے والے ہوتے تھے اور بہت بے چین ہوتے تھے کہ ہمیں امامؑ کی احادیث سننے کو نہیں مل رہیں۔وہ ان کو شوق سے سنا کرتے تھے۔مگر جب انہیں پیغام ملا کہ امامؑ کے نام پر جھوٹی احادیث پھیلائی جا رہی ہیں تو وہ ذرا احتیاط

کرنے لگے کہ ہم ہر ایک سے حدیث نہیں قبول کریں گے جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ ہمارا مومن بھائی ہے۔ اب یہ جو جھوٹ بولنے والے تھے ان کیلئے مسئلہ ہو گیا۔ انہوں نے اس کا ایک حل نکالا اور اس میں ظالم حاکم کی تائید بھی شامل تھی۔ یہ جو حل نکالا اس کو میں اپنے صاحبانِ ایمان کو نہیں بیان کر سکتا ہوں کیونکہ لوگ آج بھی اس بات کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ planning کی کہ اگر ہمیں ان امام کے ماننے والوں سے اپنی جھوٹی احادیث قبول کروانا ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم یہ ثابت کر دیں کہ ہم امامؑ کے ماننے والے ہیں تو انہوں نے اس کام کیلئے امامؑ کی شان اور فضائل میں کچھ ایسی احادیث بنائیں چونکہ مقصد گمراہ کرنا ہے اس لیے حدیثیں بنائیں تو ایسی کہ جن کو ماننے سے توحید اور وجودِ خدا تک خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ کر کے یہ کام شروع ہوا۔ اور اسی کے نتیجے میں ایسے فرقے بن گئے جنہوں نے حضرت علیؑ کو ''خدا'' مانا یا یہ کہا کہ ان کے اندر خدا حلول کر گیا ہے یا اس قسم کی حدیثیں کہ پیغمبرؐ کی بھی علیؑ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔

یہ تو بہت زیادہ امامؑ سے محبت کرنیوالا ہے۔ ارے ہم تو کچھ بھی نہیں مانتے۔ جتنا یہ مانتا ہے۔ یہ آپ کو نکتہ یاد رہے کہ جو احادیث اہلبیتؑ کی شان کو کم کرنے کیلئے بنائی گئیں وہ علی الاعلان بنائی گئیں۔ وہ فضائل اٹھا کر دوسروں میں بانٹ دیئے گئے۔ اب یہ جھوٹے راویانِ حدیث اپنے آپ کو بڑا محبؑ اور شیعہ ظاہر کرتے تھے۔

مذہبِ اہلبیتؑ میں ''نظریہ تفویض'' شامل کرنے کی سازش:

مثلاً ایک چیز جو میں بیان کرنے لگا ہوں کہ ایک گروہ ایسا ہو گیا تھا کہ جن کا یہ

نظریہ تھا کہ خدا تو کائنات میں کچھ کرتا ہی نہیں ہے۔ اس کا کام تھا اس دنیا کو بنا کر چھوڑ دینا۔ اب اس دنیا کا نظام آلِ محمدؐ چلا رہے ہیں، علیؑ یا آلِ محمدؐ ہی رزق دیتے ہیں وہی مارتے ہیں، وہی زندہ کرتے اور پیدا کرتے ہیں۔ اہلبیتؑ کے ماننے والوں میں یہی لوگ داخل ہو گئے اور لوگوں نے بھی کہا کہ یہ تو آلِ محمدؐ کا بڑا پکا ماننے والا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے آپ کو شیعہ کہلوانا شروع کر دیا۔ امامؑ نے ان کا سخت سے نوٹس لیا اور فرمایا کہ ان کو اپنی صفوں سے نکالو۔ بدقسمتی سے ان غلو والی احادیث میں سے کچھ ہمارے یہاں اب تک رائج ہیں۔ معذرت کے ساتھ خاص طور پر خواتین ذاکرات کا ایک گروہ ایسا ہے جو اس قسم کی احادیث کو بیان کر دیتا ہے یہ سمجھ کر کہ اس میں اہل بیتؑ کی کوئی شان بیان کی جا رہی ہے کچھ اس قسم کے معجزے اور واقعات۔ لیکن انہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس میں شانِ اہلبیتؑ تو بیان ہو رہی ہے لیکن توحید کو ختم کیا جا رہا ہے کہ جس کو بچانے کیلئے آئمہ نے اتنی قربانیاں دی تھیں۔

شیعہ کتبِ احادیث میں ضعیف احادیث ہونے کی وجہ:

جب غیبتِ صغریٰ میں روایتوں کو جمع کیا جا رہا تھا تو جمع کرنیوالوں نے یہ چیز پہلے تہہ کر لی کہ یہ تحقیق ابھی ہم نہیں کرینگے کہ کونسی حدیث صحیح ہے یا غلط۔ کیونکہ اتنا وقت ہمارے پاس نہیں۔ جب وقت ملا تو ہم تحقیق کریں گے۔ اصول کافی کے بعد دوسرے عالم نے یہ دیکھا یعقوب کلینی سے بعض روایتیں چھوٹ گئی ہیں کیونکہ انہیں معلوم نہ ہو سکا تھا کہ فلاں علاقے میں بھی کوئی امامؑ کے شاگرد کی اولاد ہے۔ اس طرح انہوں نے بچی ہوئی احادیث جمع کیں اور تقریباً پچاس سال بعد کتاب کی صورت بن

گئی۔اس کتاب میں کچھ ایسی احادیث بھی جمع تھیں کہ جو ان احادیث سے ٹکرا رہی تھیں جو اصولِ کافی میں تھیں۔ان کے 200 سال بعد وسائل آمد ورفت آسان ہوئے، سفر کرنا آسان ہوا تو ایک اور عالم نے ان جگہوں سے بھی احادیث جمع کر لیں جہاں تک پہلے دونوں علماء نہ پہنچ سکے تھے۔

بہت سی ایسی احادیث تھیں کہ جن کو 100 سال پہلے علماء صحیح سمجھ رہے تھے لیکن آج علماء کی تحقیق نے انہیں غلط ثابت کیا ہے۔کیونکہ 100 سال پہلے کے علماء جس کو اس حدیث کا راوی سمجھ رہے تھے اس کا وہ راوی نہیں بلکہ ایک جھوٹے اور مکار راوی نے دوسرے سچے راوی کا نام لے کر یہ روایت بیان کی ہے۔چونکہ وہ روایت غلط ثابت ہوگئی۔اس لئے مسئلہ بدل گیا۔

یہ ہمارے مراجع اور مجتہدین کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے کہ جب وہ دیکھے کہ پرانا فتوئ دینے میں مجھ سے کہیں غلطی ہوئی ہے تو فوری طور پر اس غلطی کا اعلان کر کے مسئلہ بدل لیتے ہیں۔یہاں تو چھوٹے سے چھوٹا آدمی، ایک بار تو بات زبان پر آگئی اگر وہ غلط ہو تو اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتے۔بلکہ ضد، ہٹ دھرمی، پر قائم رہتے ہیں۔اپنی عزت بچانے کیلئے بالفاظ دیگر ناک نہ کٹنے پائے، غلط بات پر بھی زور دیا جاتا ہے۔اور کہاں اتنے بڑے level کا مرجع۔پس احکامِ دین بچوں کا کھیل نہیں۔بازیگر اور بازنہیں۔کہ ہر آدمی چاہے اس کا اس شعبے سے کوئی تعلق بھی نہ ہو، یہ کہیں کہ میرے خیال میں یہ حرام ہے اور یہ حلال ہے۔60 سال، 70 سال، 80 سال، 24 گھنٹے قرآن وحدیث کے اندر گم رہنے والے، وہ بھی کبھی مسئلے میں غلطی

کر جاتے ہیں اور بعد میں اعتراف کرنا پڑ جاتا ہے۔مثلاً آیۃ اللہ خوئی 95 سال کی عمر، آخری عمر میں بھی بعض مسائل کو بدلتے رہے اور حوزے میں تعلیم 5 سال کی ہی عمر میں شروع کر دی۔اتنی محنت کے بعد بھی غلطی کا احتمال رہتا ہے۔

فقہی مسائل میں اپنی رائے دینے کا نقصان: تشریح بالمثال

اور جس شخص کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔جس کی زیادہ سے زیادہ research (تحقیق) قرآن کا ترجمہ، یا اور احادیث کی چند ایک ترجمہ شدہ کتابیں۔وہ ذرا سوچے کہ کیا مجھے یہ حق ہے کہ میں کوئی فتوئ دوں۔سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ اگر اخبار میں چھوٹا سا مضمون پڑھ کر ہر شخص کا علاج کرنے لگوں۔اور اپنے آپکو ڈاکٹر سے بھی زیادہ قابل سمجھوں۔عقل یہی کہے گی کہ تم نے بے شمار لوگوں کی جان کو خطرے میں ڈالا۔اسی طرح اگر ہم نے دو چار مستریوں کے ساتھ مل کر بغیر معلومات کے ایک پل بنانے کا ارادہ کیا، ایک building بنانے کا ارادہ کیا۔تو اس کا مطلب ہم نے سو، دو سو کی جان خطرے میں ڈالا۔لیکن قرآن و حدیث میں دخل اندازی کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کے ایمان کو خطرے میں ڈالا۔عمارت گرنے یا پل ٹوٹنے سے جان جائے گی۔لیکن اگر ہم اپنے پاس سے حرام کو حلال کر دیا۔حلال کو حرام کر دیا۔ضروری عقیدے کی نفی کر دیا۔جو عقیدہ نہیں تھا ہونا چاہئے تھا اسے عقیدہ بنالیا تو لوگوں کا قیمتی ایمان چلا جائے گا۔یہ کام اتنا آسان نہیں ہے ورنہ بظاہر اتنی چھوٹی سی بات کہ بلغم کے نکلنے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں۔؟ 80،80 سال کی research کے بعد آیۃ اللہ خوئی مرتے دم تک کہہ گئے کہ

میرے لئے مسئلہ واضح نہیں ہو رہا احتیاط واجب یہ ہے کہ اس طرح عمل کر لو۔ آیۃ اللہ سیستانی نے بھی 65 سال کی محنتوں اس مسئلے میں تبدیلی کی ہے۔ اور سورۃ نحل کی آیت نمبر 116 لَا تَقُوْلُوْا .... لِمَا اَلْسِنَتِكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ. اے صاحبانِ ایمان کبھی اپنی زبان پر اپنی طرف سے یہ نہ کہنا کہ یہ "حلال ہے اور یہ حرام"۔ صاف قرآنی آیت ہے کیونکہ قرآن عام طور پر مبہم بات کہتا ہے۔ لیکن یہاں واضح طور پر کہا ہے۔ اور بعد میں آیا اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْهُمْ لَا يُفْلِحُوْنَ. جان لو! جو آدمی اپنی طرف سے حلال و حرام کہہ کر اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ کبھی نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

دیکھئے ایک علمی بحث و مباحثہ کرنا اپنی جگہ۔ جہاں آپ نے عمل اپنے مرجع کے فتویٰ کرنا ہے اور صرف یہ معلوم کریں کہ اس فتویٰ کی کیا دلیل ہوگی؟ کیا آیت اور کیا حدیث ہوگی؟ تو کوئی حرج نہیں۔ اچھی چیز ہے۔ اگر نیت یہ ہو کہ جو بھی ہماری بحث و گفتگو کا نتیجہ نکلے، چاہے ہمارا نتیجہ فتویٰ سے اتفاق کر لے چاہے اتفاق نہ کرے اور ہمیں عمل فتویٰ ہی پر کرنا ہے، تو اس خیال سے یہ گفتگو ہی عبادت ہے۔

پس اگر ہم پوری surity (یقین) کے ساتھ یہ کہیں کہ هذا حلال و هذا حرام۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ کہنے والا شخص خدا پر جھوٹ باندھ رہا ہے۔ کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ نے ایسا ہی کہا ہے؟۔ اللہ نے یہی حکم دیا ہے؟

تقلید کیوں کریں؟:

ان تمام جھنجھٹوں سے بچنے کیلئے امامؑ نے عوام کو تقلید کا حکم دیا۔ تقلید جس کو بیشک آج کا آدمی پریشانی کہتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو معصومینؑ کے ماننے والے ہیں مگر تقلید ہمیں خمینی صاحب کی کرنا پڑتی ہے۔ یہ خوئی، خمینی غیرِ معصوم کہاں سے آ گئے۔ جب تک یہ پورا تاریخی پسِ منظر آپ کو معلوم نہ ہوگا مسئلۂ تقلید سمجھ میں نہیں آئیگا۔

اب ہمارے پاس غلط احادیث بھی ہیں اور صحیح بھی، یہی وجہ ہے کہ اگر آپ ہماری احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں تو مثلاً آپکو ایک جگہ نظر آئیگا کہ فلاں چیز حلال ہے۔ اسی باب/chapter میں آپ دیکھیں گے کہ امامؑ فرما رہے ہیں کہ یہ چیز حرام ہے۔ ایک عام تو ضرور confuse ہو جائیگا کہ یہ کیا امامؑ ہے کہ ایک ہی چیز کو حلال بھی کہہ رہا ہے اور حرام بھی۔ مجتہد تحقیق کرتا ہے اور پھر وہ تحقیق کر کے بتاتا ہے کہ صحیح حدیث کونسی ہے۔ یہ تمام باتیں اکثر اس لئے نہیں بتائی جاتی ہیں کیونکہ لوگ کمزور عقائد رکھتے ہیں۔ امامت کے بارے میں بھی شک رکھتے ہیں۔

اختلاف مجتہدین کی ایک وجہ:

ان تمام پریشانیوں کی ایک اہم وجہ یہ کہ جو آئمہ نے بیان کیا اسے فوراً نہیں لکھا گیا اور جب کچھ لکھا گیا تھا وہ مکمل طور پر محفوظ نہ ہو سکا۔ کیونکہ جو احادیث یاد کی گئی تھیں ان میں سے کچھ نہ کچھ تبدیلی آ چکی تھی، کسی حدیث میں ایک دو لفظ کم ہو گئے کسی میں زیادہ، کیونکہ اگر لوگ نیک اور دیانتدار بھی ہو وہ بھول تو جاتا ہی ہے۔ ایک شخص

نے حدیث بیان کی وہ دو لفظ چھوڑ گیا اور دوسرے نے حدیث بیان کی وہ دو لفظ کا اضافہ کر بیٹھا۔ اب مجتہد کیلئے مسئلہ یہ ہے کہ دونوں آدمی سچے ہیں۔ اس کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے یا اس کی۔ مجتہد کی تحقیق کا آغاز یہاں سے ہو جاتا ہے۔

بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں امامؑ کی روایت نامکمل ہوتی ہے، ایسا نہیں کہ امامؑ نے نامکمل بات کہی ہو بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم تک پوری روایت نہیں پہنچی۔ ان مقامات پر فتویٰ دینا بہت مشکل ہوتا ہے اور انہی مقامات پر مجتہدین کے فتاوی میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اختلافِ فتاویٰ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک ہی راوی کو بعض علماء صحیح قرار دیتے ہیں اور بعض علماء اسی راوی کو غلط۔ جو صحیح مانتے ہیں وہ اس کی بیان کردہ روایت کو بھی قبول کرتے ہیں اور اسی کی بناء پر فتویٰ دیتے ہیں اس طرح مسائل میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور راوی کو صحیح یا غلط قرار دینے میں مجتہد کا بھی کوئی قصور نہیں وہ تو جو تحقیق کرتا اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے۔ پس تقلید کا کیا معنیٰ نکلا۔ یہ معنیٰ نہیں کہ ہم خوئی صاحب کی شریعت پر عمل کرتے ہیں ان کے فرامین کی اتباع کرتے ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آئمہ نے جو کچھ فرمایا۔ ان فرامین کیساتھ جو جھوٹی اور سچی روایتیں مل گئیں تو خوئی صاحب نے جو تحقیق کی ہم اس تحقیق کی بناء پر فرامین معصومینؑ پر عمل کرنے جارہے ہیں۔ پس ی واضح ہو گیا کہ مجتہد کے فتوے پر عمل کرنا فرمانِ معصومؑ پر عمل کرنا ہے۔

جب شریعت ایک ہے تو مجتہدین کے فتاویٰ الگ الگ کیوں؟

لَولا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ. لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (سورۃ توبہ)۔

''تم لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ تم میں سے کچھ علمِ فقہ حاصل کریں اور جب وہ واپس آئیں تو اپنی قوم کو دین کا یہ علم سکھائیں تاکہ ان کی قوم والے اس پر عمل کریں''۔

یہ آیت میں نے اس لئے تلاوت کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مدارس کا یہ وجود، کسی عالم یا مجتہد کا بنایا ہوا/ قائم کیا ہوا نظام نہیں۔ خود نبیؐ کے زمانے میں یہ سسٹم بنایا گیا تاکہ قیامت تک دین کا کام چلتا رہے۔ اور وہ نظام یہ کہ ہر ہر آدمی پر علمِ دین حاصل کرنے کی ذمہ داری نہیں ڈالی جارہی ہے۔ دیکھئے بہترین idea تو یہی ہے کہ ہر آدمی پڑھے قرآن اور تمام احادیث کو سمجھے کوئی آدمی کسی دوسرے پر rely نہ کرے / سہارا نہ لے۔ جس طرح نماز میں ہوتا ہے کہ ہر آدمی اپنی نماز کو د پڑھتا ہے۔ ہر شخص اس طرح دین میں کچھ بوجھ پیدا کرنا یا تو ناممکن ہے impossible یا next to impossible ہے کہ ہر آدمی قرآن وحدیث کو لے کر بیٹھ جائے اور

اپنے تمام کام چھوڑ دے۔ اللہ نے کود ہی ایک سسٹم بنا دیا تا کہ اسلامی معاشرہ چلتا رہے تا کہ ڈاکٹرز پیدا ہوتے رہیں، کچھ آدمی انجینئرز بنیں۔ کچھ Accountant کچھ businessman اور کچھ کسان اور کچھ لوگ عالمِ دین۔

لیکن اسمیں سب سے بڑا confusion یا جس چیز کیوجہ سے شیطان ہمیں تقلید کے setup سے بھگا تا ہے اور اس سے نفرت پیدا کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ

''جب شریعت ایک ہے تو مجتہدین کے فتوے الگ الگ کیوں؟''

لوگ سمجھتے ہیں کہ امامؑ نے ایک ہی دفعہ ایک ہی حدیث میں سارے وضو کے مسئلے بتا دئے ہوں گے۔ جس طرح کے توضیح المسائل میں ہوتا ہے کہ ایک سرخی کے تحت سارے اس سے متعلقہ مسائل ہوتے ہیں اور پھر دوسری سرخی کے تحت اس سے متعلقہ سارے مسائل جبکہ ایسا نہ قرآن میں ہے نہ ہی احادیث میں۔ نماز ہی کی تفصیل و وضاحت قرآن سے مکمل نہیں ملتی۔ بلکہ قرآن و حدیث میں مسائل منتشر ہیں scattered ہیں۔ اور کسی ترتیب کے ساتھ بکھرے ہوئے نہیں ہیں کہ تکبیر کا مسئلہ پہلے ہے اور پھر الحمد کا مسئلہ پھر رکوع کے بارے میں حدیث۔ بکہ آگے پیچھے احادیث بکھری ہوئی ہیں۔

مفہوم قرآن سمجھنے کا مسئلہ:

قرآن میں جو احکام ہیں تو وہ تو متعین ہیں کیونکہ قرآنی آیہ کے ضعیف اور غیر معتمد ہونے کا کوئی چکر نہیں ہوتا یہ مسائل تو احادیث کے ہیں۔ لیکن قرآن کے مفہوم سمجھنے کا مسئلہ تو باقی رہے گا۔

قرآنی فقہی مثالیں:

تیمم کی مثال: صعید کے معنی سمجھنے میں اختلاف:

مثلاً تیمم کے بارے میں دو مختلف فتوے ہیں۔

۱۔ آقائے روحانی کا مسئلہ: تیمم صرف مٹی پر ہوسکتا ہے۔

۲۔ دوسرا فتویٰ آقائے خوئی، خمینی اور سیستانی کا کہ مٹی پر، پتھر، ریت پر بھی جائز ہے۔ پتھر کی وجہ سے مکے اور مدینے کی مساجد میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ پتھر میں سنگ مرمر بھی آ گیا۔ لیکن یہ جو اختلاف ہے اس کی وجہ قرآن ہی کی آیت کا لفظ صَعِیْدَ۔ اِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَآءً۔ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو فَتَیَمَّمُوْا، تو تیمم کرو صعیدًا۔ صعید کے معنی کیلئے ہم نے ڈکشنری کھولی تو دو معانی ملے۔

معنی اول: مٹی۔

دوسرا معنی: زمین کے اوپر والی تہ "fearth" outer/upper surface۔ اب یہ اوپر والا حصہ یا تہہ کہیں مٹی ہوتی ہے کہیں ریت ہوتی ہے (ریگستان میں) کہیں پتھر ہوتا ہے (پہاڑی علاقوں میں)۔ اس دوسرے معنیٰ ''زمین کا اوپر والا قدرتی حصہ'' اب تیمم کے بارے میں قرآن میں صرف یہی ایک آیت دیا ہے۔ اور جن علماء نے صعید کے دوسرے معانی لیے ہیں انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا۔ اپنی طرف سے کسی نے معانی نہیں نکالے۔ انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا۔ اپنی طرف سے کسی نے معانی نہیں نکالے۔ اب اس میں مجتہد بیچارہ کیا کرے۔

اب یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صعید کے معنی صرف ''مٹی'' مان لو کیونکہ یہ

دونوں معانی میں قدرِ مشترک ہے۔ اگر آپ اپنی طرف سے یہ فتویٰ دے دیں کہ تیمم صرف مٹی پر ہو سکتا ہے باقی چیزوں پر نہیں۔ اب اگر کوئی شخص صحرا میں ہو اور اس کو تیمم کرنا پڑ جائے تو اس کے پاس تو صرف ریت ہے۔ اگر ہم سستی اور کاہلی کرتے ہیں اور تحقیق نہیں کرتے کہ زیادہ researh ہو تو یہ آدمی جو صحرا میں ہے یہ صحیح تیمم کر سکتا تھا تو وہ چونکہ ہمارا مقلد ہے اس کی عبادتیں غلط کر دیں۔ ہاں اگر تو حاکم واقعی یہ ہو تو صحیح لیکن مجتہد صرف اندازہ لگا کر یہ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں دیگر مجتہد کا اندازہ تو حکمِ خدا نہیں بن سکتا۔

دوسری مثال: عورتوں کی ماہانہ نجاست کی مدت میں اختلاف:

آیئے ایک اور دلچسپ مسئلہ سورہ بقرہ آیت 182 اے حبیب لوگ تم سے آ کر عورتوں کی ماہانہ نجاست کا سوال کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ جب تک وہ اپنے period میں ہے اس سے الگ رہو حتیٰ یَطۡھُرۡنَ۔

ایک بات یاد رکھیں کہ قرآن میں زیر، زبر، پیش، تشدید پڑھے تو رسولؐ کے زمانے سے جاتے ہیں۔ لیکن زمانہ رسولؐ میں لگائے نہیں گئے تھے۔ یہ جو یاء، طاء، ھاء، راء اور نون کا مرکب ہے۔ اگر اس کی ھاء پر تشدید پڑھ لیں تو معنیٰ کچھ اور ہو جائیں گے۔ بغیر تشدید کے رکھیں تو معنیٰ کچھ اور ہیں۔ جس دن سے قرآن پر اعراب لگائے گئے ہیں اسی دن سے اس آیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا اس آیت پر ھاء پر تشدید ہے یا نہیں۔ اچھا اب آپ جب گھر جائیں تو دوڑ کر قرآن کھولیں گے یہ دیکھنے کے لئے کہ جو قرآن آپ کے گھر میں ہے اس میں کیا ہے۔ یہ

جو پاکستان اور ہندوستان میں قرآن چھپ رہے ہیں۔ یہ حکومت نے ایک standard text منتخب کر لیا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ جو اس کے اندر اعراب موجود نہیں وہ ہر جگہ صحیح ہیں۔ اس میں کئی اختلافات ہیں۔

اگر یہ تشدید نہ ہو (یطھرن) تو آیت کا ترجمہ یہ بنے گا "یہاں تک کہ عورت پاک ہو جائے" اور اگر تشدید مان لی جائے (یَطَّھَّرۡنَ)۔ تو ترجمہ یہ بنے گا "یہاں تک کہ عورت اپنے آپ کو پاک کر لے"۔ "پاک ہو جائے" الگ حالت ہے "پاک کر لے" والی حالت سے۔ "پاک ہو جائے" یعنی جب خون کا سلسلہ بند ہو گیا چاہے عورت نے غسل کیا ہو یا نہ پس وہ جو علیحدہ رہنے کی پابندی آئی تھی وہ ختم ہو گئی اور یطھرن اپنے آپ کو پاک کرنے کا مطلب ہے کہ جب تک عورت غسل نہ کرے اس وقت تک وہ پابندی رہے گی کہ عورتوں سے الگ رہو۔

پس یہ سارا اختلاف اس قرآنی آیت کے لفظ میں اعراب کی وجہ سے قآن کی

ایک اور مثال: قرآن میں ہے کہ کسی عورت کو طلاق مل جائے تو وہ ثلاثہ قُرُوۡءٍ۔ یعنی تین قروع تک عدہ رکھے۔ یہ عدہ کی مدت اللہ time of period بتایا جا رہا ہے۔ قُرۡءٍ کے دو معنی ہیں۔ ۱۔ عورت کی پاکی/ پاکیزگی ہے۔
۲۔ عورت کی نجاست

پس اختلاف یہ ہو گیا کہ عورت کا عدہ اس کے 3 monthly period ہیں 3 monthly period سے پاک ہونا/ 3 طہارت یا 3 نجاست۔ صعید والی مثال میں "مٹی" تو common معنیٰ تھا۔ آپ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ

مشترک معنیٰ کو ہر مجتہد لے لے کے قوم کو اختلاف میں ڈالا جائے۔ لیکن اس مثال میں قرع کے دو معانی opposite ہیں۔ آپ کو کچھ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مجتہد کا کام اتنا آسان نہیں۔

احادیث کے مسائل:

ابتدائی عربی میں نکتے نہیں لگتے تھے اور بغیر نکتوں کے عربی پڑھ لی جاتی تھی۔

تاریخی مثالیں: شہزادیؑ کی تاریخ وفات میں اختلاف:

اس کی مشہور ترین تاریخی مثال شہزادیؑ کی شادی کی تاریخ ہے۔ ۱۴ جمادی الاولیٰ بھی منائی جاتی ہے اور ۳ جمادی الثانی بھی۔ نبیؐ کی وفات ۲۸ صفر کو ہوئی تھی۔ شہزادی وفات نبیؐ کے بعد یا 75 دن زندہ رہیں یا 95۔ اگر ۲۸ صفر میں ۷۵ دن جمع کریں تو ۱۴ جمادی الاول بنتی ہے۔ اور اگر ۲۸ صفر میں ۹۵ دن جمع کریں تو ۳ جمادی الثانی ہے۔ جو زیادہ معتبر ہے۔ کیونکہ کتابوں میں شہزادیؑ کی وفات کی تاریخ نہیں بلکہ یہ ہے کہ بابا کی وفات کے بعد کتنے دن زندہ رہیں ۷۵ یا ۹۵۔ اور عدد میں اختلاف اس لئے ہوا کیونکہ تاریخ خمسہ سبعین بغیر نکتوں کے۔ اگر یہ جو نیچے ایک نکتہ ہے اس کی بجائے اگر اوپر دو نکتے آجائیں تو تسعین (۹۰) بن جائے اور خمسہ (۵) جمع ہو کر ۹۵ ہو جائے گا۔ اختلاف یہ ہوا کہ نیچے ایک نکتہ لگا ہے یا اوپر دو نکتے چونکہ پرانی عربی میں نکتے نہ ہوتے تھے۔ جنہوں نے نیچے والا ایک نکتہ مانا انہوں نے ۱۴ جمادی الاول کہا۔ اور جنہوں نے اوپر دو نکتے مانے انہوں نے ۳ جمادی الثانی کہا۔ ایک مثال

ہے۔ اس کا تعلق ہمارے مستقبل سے ہے۔ ظہور امامؑ سے پہلے کوفے میں کالے رنگ کے جھنڈے حَرق جلائے جائیں گے یا خَرق پھاڑے جائیں گے۔ نکتہ ہے یا نہیں یہ اختلاف ہے۔

احادیث کی فقہی مثالیں:

حدیث کی مثال: اِحۡتَجَرَ الرسولُ فی المسجد۔ رسولؐ نے مسجد نبوی میں یہ عمل کیا۔ اگر زاء کے اوپر ونا سا نقطہ لگا دیا جائے تو اِحۡتَجَمَ بن جائیگا۔ آخر میں راء ہے یا میم یہ اختلاف ہے۔ بدن سے خون نکالنا جسے عربی میں حجامت کہتے ہیں جبکہ اردو میں بال کٹوانے کو کہتے ہیں۔ اگ میم مانیں تو روایت بنے گی کہ رسولؐ نے مسجد میں اپنا خون نکلوایا۔ کیا عام مسجد میں بھی نجاست بند سے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ چہ جائیکہ سب سے عظیم مسجد میں دوسرے نمبر پر۔ اس مسئلے میں پڑے بغیر کے نبی کا خون پاک؟ اور اگر اسے راء پڑھی احتجر۔ یعنی حجرہ بنوانا۔ ترجمہ یہ ہوگا نبیؐ نے اپنی ازواج کیلئے حجرے بنائے۔ حجرہ بنانا جائز کام۔ خون نکالنا چونکہ نجاست ہے جائز نہیں۔ حدیث میں تو اس طرح یہ لفظ آ گیا کہ احتجر بھی پڑھ سکتے ہیں اور احتجم بھی۔ اور یہ اختلاف ایک آدھ جگہ کی بات نہیں قرآن کی چھ ہزار سے زیادہ آیات، 40,000 احادیث۔ معصومینؑ کے 2 سے 4 ہزار تاریخ کے واقعات۔ 50,000 سے زیادہ جگہوں پر مجتہدین کو یہ research کرنا ہوتی ہے۔

جلد شادی کرنے کی تاکید

ہمارے ہاں ایک ایسی رسم ہے جو بالکل اسلام سے ٹکرا رہی ہے۔اور اس رسم کے ذریعے والدین اور معاشرہ جوان اولاد کو مجبور کرتا ہے کہ تم گناہ کرو۔اور یہ رسمِ بد ہے کہ جب تک لڑکیوں کی شادی نہیں ہوگی ان لڑکیوں کے بھائیوں کی شادی نہیں کی جائے گی۔ جب تک بڑی بہنوں کا نکاح نہ ہو جائے چھوٹی بہنوں کا نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔ جب تک بڑے بھائیوں کا گھر نہیں بس جاتا۔ چھوٹے بھائیوں کو انتظار کرنا پڑے گا۔اگر بڑی بہن گھر بیٹھی ہوئی ہے تو چھوٹے بھائی کی شادی ہو ہی نہیں سکتی۔کوئی اس کی شادی برداشت کرنے کو تیار نہیں وہ چھوٹا بھائی گناہ کرتا ہے کرے۔

وہ چھوٹا بھائی غلط راستے پر نکل جاتا ہے تو نکل جائے، معاشرے کو اس کے غلط راستے پر نکل جانے اور گناہ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔لیکن اگر وہ صحیح طریقے سے اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کیلئے شادی کرنا چاہتا ہے۔بس جب وہ زبان سے شادی کرنے کا اظہار کرے۔ایسا لگے گا کہ جیسے کسی نے بارود کو آگ لگا دی ہو۔اس کے والدین، اس کے عزیز واقارب، اس کا خاندان سب ایسے سمجھیں گے کہ جیسے گناہ کی اجازت اپنے والدین سے لینے

آیا ہے۔کون؟ وہ بیٹا کہ جو دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر نکاح واجب ہو چکا ہے۔وہ اپنے نفس سے کیوں مقابلہ کرے؟ یہ تو ایک حماقت ہے کہ انسان بلاوجہ اپنے نفس سے مقابلہ کرتا ہے جب کہ شریعت نے اس کے لئے جائز راستہ کھولا ہے۔ جائز بھی نہیں بلکہ سنت ہے۔ بلکہ سنت بھی نہیں ۔آجکل کے ماحول میں تو واجب ہے۔ پھر بھی والدین کی یہ الٹی ضد کہ جب تک لڑکیوں کی شادی نہیں ہو گی ۔لڑکے کی شادی نہیں ہوسکتی۔اگر لڑکے کی بہنیں ابھی گھر میں بیٹھی ہیں اور وہ شادی کی بات کرے تو اس جوان کو بہنوں کا خیال نہ کرنے والا شمار کیا جاتا ہے۔اس لڑکے کی آنکھ سے مروت اور وفاء جا چکی ہے۔کہ جو یہ تقاضہ کرتا ہے کہ میری شادی پہلے کردو۔

والدین اور معاشرے کی یہ غلط رسم جو ہمیں دیمک کی طرح کھا رہی ہے،اس کا نتیجہ ابھی آپ کے سامنے نہیں آیا۔مغربی اور یورپی معاشرہ جو ہر چیز میں آپ سے آگے ہوتے ہیں۔اب وہاں کی اولاد والدین کو یہ بتانے کی زحمت بھی نہیں دیتے کہ ہم نکاح کرنے جا رہے ہیں۔آپ آکر شرکت کر لیں۔نکاح بھی ہو جاتا ہے۔اولاد بھی ہو جاتی ہے۔تب والدین کو جا کر پتہ چلتا ہے کہ ہمارے صاحبزادے ماشاءاللہ صاحب اولاد ہو چکے ہیں۔

مغربی جوان مجبور ہیں ایسا کرنے پر، کیا کریں، والدین جوان اولاد کی شادی میں تاخیر کرنے کی وجہ سے اولاد کیلئے خود ہی شادی کر لینے کا راستہ کھول دیتے ہیں۔والدین مجبور کر رہے ہیں کہ بیٹا بغاوت پر اتر آئے۔یہ کون

سی فقہ ہے، یہ کون سا مذہب ہے؟ یہ کون سی شریعت ہے کہ لڑکی کی شادی اگر دیر سے ہونی ہو تو اس کے بھائی کی شادی اور تاخیر سے ہوگی۔ بہن کی شادی کے بعد ہوگی۔ اگر بڑا لڑکا کسی وجہ سے (معاشی مسئلہ، بیماری وغیرہ) شادی جلدی نہیں کر سکتا مثلاً اس کی تعلیم نامکمل ہے۔ وہ اپنا ابھی Career بنا رہا ہے۔ یا اپنے نفس پر قابو پا کر بیٹھا ہے اس کو ابھی شادی و نکاح کی ضرورت نہیں۔ تو یہ ظلم کیوں کیا جا رہا ہے کہ چھوٹا بھی انتظار کرے۔ اور بڑے بیٹے کی شادی کے بعد ہی چھوٹے کی شادی ہوگی۔ اس بات کو یوں سمجھئے۔

مثلاً اگر بڑا بیٹا کھانا نہ کھائے تو چھوٹے بیٹے سے یوں نہیں کہا جا سکتا کہ جب تک تمہارا بڑا بھائی کھانا نہ کھائے تم کو بھی کھانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ کیوں کہ اگر بڑے بیٹے کو بھوک نہ لگی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے بھائی کو بھی بھوک نہیں لگی۔ اس کی بھوک اس کے ساتھ، اس کی بھوک اس کے ساتھ۔ میں کھل کر بات کرنے پر مجبور ہوں۔ اگر کھل کر بات نہ کروں تو اس رسمِ بد کا خاتمہ بہت مشکل ہے۔ جس طرح پیٹ کی بھوک ہوتی ہے اسی طرح جنس کی بھی بھوک ہوتی ہے۔ اگر بڑے بیٹے کو جنس کی بھوک مٹانے کے بارے میں ابھی کوئی فکر نہیں ہے اور چھوٹے پر وہ منزل آ چکی ہے۔ تو یہ کس مذہب نے چھوٹے کو کہا ہے کہ تم بیٹھ جاؤ کم از کم اسلام میں تو ایسا کوئی اصول نہیں۔

ہاں ہندو مذہب کی بات کریں تو دوسری بات ہے۔ عیسائیت کی بات

کریں تو الگ مسئلہ ہے۔ لیکن وہ مذہب اسلام جیسے محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ہم تک پہنچایا ہے اس میں اس رسم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اگر لڑکیوں کے رشتے نہیں آ رہے تو لڑکوں کو گناہ پر مجبور کیا جائے۔ اگر بڑوں کے رشتے نہیں آ رہے تو چھوٹوں کی بھی شادی نہ کی جائے۔

اور اسی ضمن میں ایک اور مسئلہ بھی آ جاتا ہے۔ وہ لڑکیوں کا مسئلہ ہے۔ کہ اگر چھوٹی لڑکی کا رشتہ آ رہا ہے چاہے اچھا رشتہ بھی ہو ہر اعتبار سے بہتر بھی ہو لیکن والدین کرنے پر تیار نہیں ہوتے کہ جب تک بڑی بیٹی کی شادی نہ ہو ہم چھوٹی بیٹی کی شادی کیسے کریں۔ اگر چھوٹی کی شادی کر دی تو بڑی کی شادی کبھی ہو ہی نہیں سکے گی۔ یہ غلط تصور ذہنوں کے اندر بھر لیا جاتا ہے۔

شادی کے مسئلے میں یہ بدترین رسم ہمارے ہاں رائج ہو چکی ہے اور اس کی وجہ سے بڑے سے بڑے گناہ ہو رہے ہیں۔ نوجوان ہمارے پاس آ کر روتے ہیں۔ خطوط تحریر کرتے ہیں کہ ہم کو پتہ ہے کہ ہم کتنا بڑا گناہ کر رہے ہیں۔ ہم کتنا بڑا فعلِ حرام کر رہے ہیں، لیکن ہم کیا کریں ہمارے والدین سوچنے کو تیار نہیں۔ اس چیز کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر بیٹا ایک دن کھانا نہ کھائے تو والدین پریشان ہو جاتے ہیں کہ کہیں ہمارا بیٹا بیمار تو نہیں ہے۔ اس کو نظرِ بد تو نہیں لگ گئی۔ اس کے پیٹ میں کیڑے تو نہیں پڑ گئے۔ اگر کھانا نہیں کھاتا تو زبردستی کھلایا جاتا ہے، اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جایا جاتا ہے۔ جب تک کہ کھانا نہ کھا لے۔ والدین کو چین نہیں آتا۔ خاص طور پر مائیں

اگر دو دن کسی کا بیٹا بھوکا رہ جائے تو آپ دیکھیں ماں کی کیا حالت ہوگی؟ اگر پریشانی کو ظاہر نہ بھی کرے تو اندر سے ماں کا دل کتنا پریشان ہوتا ہے۔ لیکن وہی ماں اور باپ ہیں، بیٹے کی دوسری بھوک (جبکہ پتہ ہے کہ یہ فطری تقاضہ ہے) کی فکر نہیں۔ اگر آپ اس کو صحیح وسالم انسان سمجھتے ہیں تو یہ فطری جنسی بھوک اسے ضرور لگے گی۔

تو یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے کی اس رسمِ بد کا خاتمہ کیا جائے۔ ایک مرتبہ آپ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اللہ پر توکل مومن کی علامت بتائی گئی ہے۔ یہ نشانی کتابوں میں لکھے رہنے کیلئے نہیں ہے۔ انہی باتوں پر عمل کرنے کیلئے ہے۔ اسی طرح بیٹے اور بیٹیوں کا مسئلہ۔ اگر بیٹیوں کا رشتہ تقدیر میں لکھا ہے تو چاہے لڑکوں کی شادی آپ پہلے کریں یا نہ کریں۔ لڑکیوں کا رشتہ آکر رہے گا۔ اور اگر کسی مومن کا خدا نے امتحان لینا چاہا۔ یعنی اس کا مقدر میں لکھ دیا کہ اس کی لڑکیوں کو رشتہ نہیں ملے گا۔ تو چاہے تو اپنی تمام نسل کو بٹھائے رکھے کہ شادی نہیں کرنا تو بھی ان لڑکیوں کا رشتہ آنے سے رہا۔ جن کے بارے میں خدا نے فیصلہ کرلیا۔

مزید یہ کہ کسی کو واجبات ادا کرنے سے مت روکیں۔ اگر صبح سویرے کسی پر غسل واجب ہوگیا۔ اور وہ نوجوان غسل کرنا چاہتا ہے تو والدین رکاوٹ نہ بنیں۔ اتنا صبح سویرے بیمار پڑنے کا ارادہ ہے۔ پاگل ہو گئے ہو۔ دماغ خراب ہوگیا ہے۔ ہم اپنے موضوع کی طرف واپس چلتے ہیں۔

﴿مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ اَحْرَزَ نِصْفَ دِيْنِهٖ﴾ جو نکاح کرتا ہے وہ اپنا آدھا دین بچالیتا ہے۔ کتنے بدقسمت ہیں وہ والدین جو اپنی اولاد کے آدھے دین کو بچانے کا انتظام نہیں کرتے (اور حدیث خالی لڑکوں کے ہی متعلق نہیں بلکہ لڑکیوں کے بارے میں بھی ہے) وہ والدین نہیں جن کے ہاں دین و ایمان کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ بلکہ مومن والدین، خوفِ خدا رکھنے والے والدین، متقی والدین، اگر فرضاً آپ اس رسم کو ختم کرنے پر قادر نہیں، تو کم از کم اتنا ارادہ تو کرلیں کہ جو آپ نوجوانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ وہ کل آپ کی اولاد پر نہ گزرنے دیں گے۔

جس طرح آپ اس بناوٹی امتحان سے گزر رہے ہیں اور اپنے نفس سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ عظیم ارادہ ہونا چاہئے کہ جب آپ کی اولاد جوان ہوگی تو اس پر یہ سرحد نہیں آنے دیں گے۔ کتنا بدقسمت ہوجاتا ہے وہ بچہ جو آخر میں پیدا ہوا۔ جس کا آٹھواں، نواں نمبر ہے۔ اب اس بیچارے کا کوئی قصور نہیں Family Planing کی وجہ سے کم از کم ایک فائدہ تو ہوا کہ Seniority list چھوٹی ہوگئی ہے۔ نکاح میں آپ اللہ، رسولؐ اور آلِ رسولؐ کو گواہ بناتے ہیں اس چیز کا۔ بسم اللّٰہ و باللّٰہ و علٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہ. میں اللہ کا نام لے کر اور اللہ کی قسم کھا کر نکاح کا آغاز کرتا ہوں اور سنتِ رسولؐ، طریقۂ رسولؐ پر نکاح کرتا ہوں۔ لیکن پھر یہ نکاح طریقہ نبویؐ سے ہٹ جاتا ہے اور گناہوں کا پہاڑ کھول دیا جاتا ہے۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ تمہیں حیا و شرم نہیں آتی کہ تمہاری عورتیں مردوں کے ساتھ بازار سے گزرا کرتی ہیں۔ تمام عورتیں مردوں کے دوش بدوش چلا کرتی ہیں۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ ان سے بے باکانہ (بے باک = نڈر) گفتگو کرتی ہیں، بغیر کسی جھجک کے کلام کرتی ہیں۔ ہر مومن اٹھ کر یہی کہے گا کہ الحمد للہ ہماری عورتیں ابھی اتنی آزاد نہیں ہوئیں۔

شادیوں میں کئے جانیوالے گناہ:

نکاح کے موقع پر بیٹھ کر دیکھ لیجئے۔ یہ سارے گناہ ہوتے ہیں۔ اور بدترین گناہ، عورت و مرد کا ساتھ اٹھنا بیٹھنا، یعنی اختلاط۔ اور اسی طرح نامحرم کو دیکھنا یہ بھی شادیوں میں کثرت سے ہوتا ہے۔ بعض گھرانوں میں شادی کی مبارکباد دینے اور لینے کے موقع پر نامحرموں سے گلے بھی ملا جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ نامحرم میں مامی (ممانی)، چاچی (چچی)، تائی cousin بھی آتے ہیں۔

ایک اور گناہ جو شادی کے سلسلے میں کیا جاتا ہے وہ یہ کہ پیغمبرؐ کی حدیث ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کیلئے زیب و زینت کی، بناؤ سنگھار کیا تو خدا اس عورت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں ڈالے گا، اس کی بخشش کا امکان نہیں مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے۔ اور جو عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کیلئے زینت کر کے گھر سے باہر نکلی تو ہر ہر قدم پر اس پر لعنت کی جاتی ہے۔ کون سا مومن ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر میرے گھر کی

عورتیں آرائش کر کے نہیں جاتیں۔ وہاں میک اپ کر کے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں دوسری عورتوں سے ممتاز بنوں۔ کسی کے دل میں اپنے شوہر کیلئے زینت کرنا نہیں ہوتا۔ شاید ہی کسی کے دل میں ایسا ہوتا ہو۔ ساری زیبائش غیروں کیلئے ہوتی ہے۔ ہاں اگر مقصد یہ ہو کہ وہ عورتیں دیکھیں گی کہ محفل میں ہوں گی تو بات شرعاً صحیح ہے۔ لیکن اگر عورت کو زینت کسی بھی نامحرم کو دکھانے کا خیال آگیا۔ تو یہ فعلِ حرام اور گناہ بن جائے گا۔ تو یہ ہماری شادیاں جن میں منگنی کے دن سے شادی کی پہلی رات تک گناہ ہی گناہ ہوتے ہیں۔ گناہوں کے پٹارے کھلنے کا نام شادی ہے۔

نامحرم سے تعلقات اسلام کی نظر میں:

حدیث ہے کہ جو نامحرم کو دیکھے گا۔ خدا روزِ قیامت اس کی آنکھوں میں آگ کو داخل کرے گا۔ حدیث ہے کہ جو نامحرم سے مصافحہ کرے گا خدا اسے الٹے منہ جہنم میں ڈالے گا۔ جو معانقہ کرے گا، اس سے گلے ملے گا خدا اس شخص کو اور شیطان کو ایک ہی رسی میں باندھ دے گا اور دونوں کو ایک ہی مقام پر رکھے گا۔ نامحرم سے گفتگو کرنا اسلام میں حرام نہیں۔ لیکن انتہائی تاکید ہے کہ بغیر ضرورت کے نامحرم سے گفتگو نہ کی جائے۔

خطبہ مولا علیؑ:

حدیثِ نبیؐ اور حدیثِ امیرالمومنینؑ ہے فَسَيَاتِيْ زَمَانٌ علٰی اُمَّتِيْ . چھٹے امام نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے، اور انہوں نے

مولاؑ سے نقل کیا ہے کہ مَنْ اَطَاعَ اِمْرَئَتَهُ فی اربع خصال فَكَبَّهُ اللّٰهُ فِی جَهَنَّمَ بِوَجهِه. جس نے 4 چیزوں میں اپنے گھر کی عورتوں کی اطاعت کی خدا اسے اوندھا منہ جہنم میں ڈالے گا بغیر کسی حساب کتاب کے۔ وہ چار چیزیں کونسی ہیں؟ بدترین۔

دوسری حدیث سَيَاْتِیُ زَمَانٌ عَلٰی اُمتی. عنقریب میری امت پر ایک بدترین زمانہ آنیوالا ہے جس میں عورتیں یہ چار کام کریں گی اور ان کے شوہر ان کاموں پر راضی ہوا کریں گے۔ شوہر 4 باتوں میں اپنی بیوی کی اطاعت کریں گا۔

۱۔ بیوی سیر وتفریح کی اجازت مانگے گی، شوہر اجازت دے دے گا۔

۲۔ بیوی شوہر سے شادی بیاہ میں جانے کی اجازت مانگے گی۔ شوہر اسے اجازت دے دے گا۔

۳۔ بیوی اس سے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت مانگے گی۔ شوہر اجازت دے دے گا۔

۴۔ بیوی تقاضہ کرے گی کہ میرے لئے باریک لباس لے کر آؤ اور شوہر خود اس کیلئے باریک لباس لے کر آئے گا جس کے پہننے سے اس کا جسم نمایاں ہو گا۔

انہی چار کاموں کے بارے میں ایک حدیث میں یہ ہے کہ جب یہ ہوں گے تو میری امت کا بدترین زمانہ ہوگا۔ اور ایک دوسری حدیث ہے کہ جو

شوہر اس طرح کی اجازتیں دے گا۔ ایسے شوہر کو اوندھے منہ جہنم میں گرایا جائے گا۔

نہ ہی شادی بیاہ میں جانا حرام ہے۔ نہ ہی سیر وتفریح کرنا عورت کا حرام ہے۔ پھر کس وجہ سے امام نے یہ ارشاد فرمادیا؟ اور یہ کیوں کہا کہ آخری زمانے میں ایسا ہوگا۔ کیا آخری زمانے سے پہلے عورتیں شادی میں نہیں جایا کرتی تھیں؟ پھر کیا فرق ہے جس کی بناء پر یہ حدیث آئی۔ لازمی طور پر شادی کی تقریب میں کچھ ایسی چیزیں شامل ہوچکی ہوں گی کہ جو شوہر اپنی بیویوں کو ان شادیوں میں بھیجے گا۔ وہ بارگاہِ الٰہی مس اتنا بدترین قرار پائے گا کہ بغیر حساب و کتاب کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ یقینی طور پر سیر وتفریح کا انداز آخری زمانے میں کچھ اتنا بدل چکا ہوگا کہ ممکن ہی نہیں ہوگا بغیر حرام کہ اپنی بیوی کو سیر وتفریح کرنے دینا۔ جب کہ آجکل وہ عورتیں بھی ہیں جو گھروں میں برقعہ پہنتی ہیں لیکن جب سیر وتفریح کرنے کیلئے جاتی ہیں تو اپنے آپ کو حجاب سے بے نیاز سمجھنے لگتی ہیں۔ کہ بھئی اگر سیر وتفریح کے موقع پر پردہ لیا تو مزہ کرکرا ہوجائے گا، ہوا بھی نہیں لگے گی، گھٹن محسوس ہوگی تو مزہ خاک آئے گا۔

ایک واقعہ:

ایک اور حدیث سنتے چلیں اگر چہ یہ حدیث طرقِ عامہ سے آئی ہے لیکن یہ وہ حدیث ہے جسے علماء نے پڑھنے کی اجازت دی ہے یعنی حدیث ضعیف تو ہے لیکن غلط نہیں۔ کہ اس عابد کا واقعہ جو 70 سال تک خدا کی عبادت کرتا

رہا۔ایک دن کہنے لگا خداوندا کیا میری عبادتیں تیری بارگاہ میں قبول ہو رہی ہیں۔تو جواب آیا قطعاً نہیں۔تیری کوئی عبادت بارگاہ میں قبول نہیں ہوئی۔گھبرا کر پوچھا کہ کیوں نہیں؟ جواب دیا گیا تیری بیوی ایک مرتبہ شادی میں گئی تھی۔اس شادی میں جانے کی وجہ سے تیری ساری عبادتیں روکی گئیں۔کیونکہ تو اس کے جانے پر راضی تھا۔عابد نے بیوی سے پوچھا تم اس شادی میں گئی تھیں۔وہاں جا کر کیا کیا تھا! جواب دیا۔۲ غلطیاں ہوگئی تھیں۔دلہن کے قریب گانا بجایا جا رہا تھا۔میں بھی جا کر گانے بجانے میں شریک ہوگئی تھی۔اور شادی میں مصروفیت میں مجھ سے ایک دن صبح کی نماز قضا ہوگئی تھی۔ان دونوں غلطیوں کی وجہ سے 70 سال کی عبادتوں کو روک دیا گیا۔ٹھکرایا نہیں گیا۔اب بھی سچے دل سے توبہ کرے تو ساری عبادتیں قبول ہو جائیں گی۔اور بعد میں اس نے توبہ کرلی۔

پس جوان آج یہ تہیہ کرلیں کہ ہم پر جو گزری سو گزری۔ہم جس گناہ میں مبتلا ہوئے سو ہوئے۔اس کا کفارہ اس طرح دیں گے کہ 25 سال بعد اپنے آپ کو اس گناہ سے بچائیں گے۔نہ کبھی اس بیوقوفانہ رسم کا شکار ہوں گے کہ لڑکوں کی شادیاں اس وقت تک نہیں ہوسکتیں جب تک لڑکیوں کی شادیاں نہ ہوں۔بڑوں کی شادیاں تاخیر سے ہوں تو چھوٹوں کی شادیاں بھی دیر سے ہوں گی۔

ہاں اسلام روکھی پھیکی شادی کو واجب نہیں قرار دیتا۔یہی وجہ ہے کہ

راوی امام کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ امام انتہائی سرخ لباس پہنے ہوئے ہیں۔راوی امام کو دیکھ کر حیران ہوگیا۔امام نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ یہ لباس دیکھ کر تمہارے دل میں کیا تاثرات پیدا ہوئے؟ کہا۔مولا آپ نے پہنا ہوا ہے میں کیا عرض کروں۔لیکن اگر ہم میں سے کوئی نوجوان یہ لباس پہنتا ہے تو ہم اسے ملعون کہا کرتے ہیں۔اسے برا بھلا کہا کرتے ہیں۔اور اس کے اس فعل پر انتہائی ناراضگی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔امام نے فرمایا۔میں نے یہ لباس اس لئے پہنا ہے کیونکہ میری نئی نئی شادی ہوئی ہے یعنی امام نے بتایا کہ شادی کے دن عام دنوں سے مختلف لباس پہننا صحیح ہے۔

شادی میں گانا مقررہ شرائط کے ساتھ جائز ہے:

مزید یہ کہ بعض علماء ۲ مقامات کے بارے میں کہتے ہیں اور بعض علماء ایک مقام کے بارے میں کہتے ہیں۔لیکن اس ایک مقام یعنی شادی کے بارے میں تمام علماء متفق ہیں کہ غناء یعنی گانا لڑکی کی رخصتی کے وقت گانے کی اجازت دی گئی ہے لیکن ان کی ۲ شرائط کے ساتھ۔ ا۔نامحرم تک آواز نہ پہنچے۔

۲۔آلاتِ موسیقی استعمال نہ کیا جائے صرف گلے (throat) سے گانا گایا جائے۔

شادی کے موقع پر گناہ کی اجازت دینا، یہ بتاتی ہے کہ شریعت بھی شادی کے موقع پر روکھی پھیکی شادی کا تقاضہ نہیں کر رہی۔شادی کا موقع بار بار

کہاں آیا کرتا ہے۔ جب یہ موقع ملے تو خوشی منائیں۔ لیکن اس چیز کا خیال کرتے ہوئے کہ ہماری تمام خوشی شریعت کے دائرہ کے اندر اندر رہنا چاہیے۔ شریعت کو لپیٹ کر ایک کونے میں نہیں رکھ دینا چاہیے۔ کہ بعد میں دیکھا جائے گا کہ شریعت کیا کہتی ہے۔ یہ تمام باتیں، ان کا ایک بنیادی سبب ہماری غفلت بھی ہوا کرتا ہے۔ ایسی غفلت طاری ہے ہمارے اوپر کہ ہم شریعت کو اس حد تک فراموش کیے بیٹھے ہیں۔

اکثر لوگوں سے آپ کہیں تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے موقعوں پر شریعت کو بولنے کی کیا اجازت ہے۔، شریعت چپ چاپ ایک موقع پر بیٹھی رہتی۔ اور اسی غفلت کا علاج، نمازِ غفیلہ ہے۔ یعنی غفلت کو ختم کرنے والی نماز، سنت نمازوں میں اس نماز کی تاکید بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے مجتہدین کی توضیح المسائل میں نمازِ وحشت اور نمازِ غفلیہ کا خصوصاً تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو خدا کی چار نصیحتیں:

مشہور حدیث کہ جب حضرت موسیٰ کوہِ طور پر گئے تھے اور جانے کے بعد کہا خداوندا! مجھے کوئی نصیحت کر کہ جو دوسرے مومنوں کو بھی پہنچا سکوں۔ جواب دیا گیا کہ اے موسیٰ 4 باتوں کو یاد رکھ۔

۱۔ جب تک میرے خزانے ختم ہونے کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک روزی کی فکر نہ کرنا۔ ہاں جس دن یہ یقین ہو جائے کہ آج خدا کا خزانہ خالی ہو گیا ہے۔ اس وقت رزق کے بارے میں پریشان ہونا۔

۲۔ جب تک تمہیں اپنے گناہ اور عیب معاف ہونے کا یقین نہ ہو جائے خبردار کسی دوسرے کے عیب اور گناہ پر نظر نہ رکھنا۔

۳۔ جب تک تمہیں شیطان کے مرنے کا علم نہ ہو اس کی طرف سے مطمئن نہ بیٹھنا۔ اس وقت تک اپنے آپ کو اس سے محفوظ نہ سمجھنا بلکہ ہر ہر لمحے ڈرتے رہنا۔ وہ کسی وقت بھی آ کر تمہارے ایمان کو چرا کر لے جا سکتا ہے۔ وہ تو اتنا نڈر ہے کہ کبھی رسولوں پر حملہ کرتا ہے کبھی آئمہ پر جبکہ اسے یہ علم ہے کہ یہ ہستیاں ہیں کہ جن پر میرا کوئی وار چل ہی نہیں سکتا۔ لیکن پھر بھی وہ امام کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ مشہور واقعہ چوتھے امام کا کہ دورانِ نماز شیطان سانپ کی صورت میں آیا اور تمام وقت امام کے انگوٹھے کو کاٹتا رہا اور زہر داخل کرتا رہا۔ شیطان اس طرح پیچھے لگا ہوا ہے کہ بالغ ہونے سے لے کر موت تک مسلسل بہکاتا رہتا ہے۔ حدیہ معصومؑ ہے کہ کتنے ہی ایسے مومن ہیں کہ آخری وقت میں جب ان کی روح نکل رہی ہوتی ہے اس وقت شیطان آ کر اپنی طرف مائل کر لیتا ہے۔ اس وقت پیاس کی شدت وسختی ہوتی ہے شیطان پانی لا کر مرنے والے کو بہکا کر اپنے آگے سجدہ کروا لیتا ہے۔ تو کتنے ہی ایسے مومن ہیں جو زندہ تھے تو مومن تھے موت آئی تو کافر بن کر مرے۔ پس شیطان کی کوشش آخری لمحے تک جاری رہتی ہے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا میں ذرا سی دولت انسان کے پاس آ جائے

تو اس کی حفاظت کے خاص انتظامات کئے جاتے ہیں۔خاص قسم کے لباس سلوائے جاتے ہیں، Brief CasePerse وغیرہ رکھا جاتا ہے Banking کا نظام قائم ہوا Lockers بنائے گئے۔صرف اس لئے کہ انسان اپنی دولت کو چوروں سے بچانا چاہتا ہے۔لیکن ایمان کی حفاظت کی کوئی فکر نہیں کرتا۔اور خاص طور پر اس زمانے میں، جو آخری زمانہ ہے کہ جس کے بارے میں معصومؑ کا فرمان ہے کہ آخری زمانے میں صبح کو جو مومن ہو گا وہ شام کے وقت کافر ہو چکا ہوگا اور شام کو اگر مومن ہوں گے تو اگلی صبح کو وہ کافر ہو چکے ہوں گے۔ایمان اس طریقے سے دلوں سے رخصت ہو جائے گا۔جس طرح رات کو کوئی سرمہ لگا کر سوتا ہے صبح کو اٹھتا ہے تو اس کی آنکھ سے سرمہ جا چکا ہوتا ہے۔

احادیث میں تاکیدِ نکاح:

معصومینؑ نے ہمیں طریقہ بتایا کہ کس طرح ہم اپنے دین کو بچا سکتے ہیں۔دولت کو بچانے کے مختلف طریقے ہیں۔اپنی جان بچانے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔اولاد کو بچانے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔اسی طرح ایمان و دین کو بچانے کے بھی طریقے ہیں۔اس ڈاکو سے، اس چور سے جس کا نام شیطان ہے۔پس مولائے کائناتِ ایمان بچانے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ من تزوج فقد احرز نصف دینہ فَلْيَتَّقِ اللهَ فِيْ نِصْفِ الْاٰخر. یہ حدیث کئی معصومینؑ سے مروی ہے یہاں تک کہ خود نبی اکرمؐ سے بھی یہی

حدیث مروی ہے۔جس کا نکاح/شادی ہوگی اس نے اپنے آدھے دین کو بچا لیا اور باقی آدھے دین کو بچانے کیلئے اسے تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔شادی ہماری اور آپ کی نظر میں شاید دینی اعتبار سے اتنی اہم نہ ہو لیکن امام اس کی دینی اہمیت کو ہمارے سامنے واضح کر رہے ہیں۔اگر چہ دنیاوی اعتبار سے تو شادی انسان کی زندگی کا بہت اہم موڑ ہے، زندگی میں بہت بڑی تبدیلی ہے۔اس کی دنیاوی حیثیت تو ہمارے لئے واضح ہے۔اسی سلسلے میں پیغمبرؐ کی ایک اور حدیث ملتی ہے۔﴿تناکحوا وتنا سَلُواْ و تَكْثَرُوْا فَاِنّی اُبا حِی بكُمُ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَلَوْ بِالسِّقْط.﴾ نکاح کرو اور اپنی نسل کو آگے بڑھاؤ، میں قیامت کے دن تمام انبیاء کے سامنے اپنی امت کی کثرت کو دیکھ کر فخر کر سکوں۔یعنی میرے ماننے والے، میرا کلمہ پڑھنے والے سب سے زیادہ ہیں ولو بالسّقط چاہے وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو جو شکم مادر میں ساقط ہو گیا تھا۔

کبھی یہ فرمایا﴿ النکاح من سنتی فمن رغب عن سُنَّتِی فلیُس مِنّی.﴾ نکاح میری سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور جس نے نکاح کرنے سے دوری اختیار کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔کبھی یہ فرمایا۔''جو اس لئے نکاح کرنے سے ڈرتا ہے کہ میں کس طرح بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام کروں گا۔میرا اپنا گزارا بہت مشکل سے ہو رہا ہے۔کس طرح 4 اور بندوں کا بوجھ اٹھاؤں گا۔معصومؑ فرماتے ہیں جس نے اس خیال سے شادی نہیں کی، اس نے خدا سے بدگمانی کی کیونکہ خدا نے یہ فرمایا ہے﴿ وانکحوا الایامیٰ

مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ عِبادِکُمْ وَ اِمٰئِکُم اِنْ یَّکُوْنُ فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. ﴾ نکاح کرو اگر تم فقیر ہو، خدا تمہیں اپنے فضل سے غنی کرے گا، خدا اپنے فضل سے تمہیں مالدار کرے گا۔ پس جس نے فقر و فاقہ کی وجہ سے، غربت کیوجہ سے، پیسے کی کمی کی وجہ سے شادی نہ کی۔ اس نے خدا سے بدگمانی کی۔ کبھی یہ ارشاد فرمایا ''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں تم میں سے شیطان کے بھائی کون ہیں؟ اصحابِ رسولؐ نے پوچھا۔ اللہ کے رسولؐ ہمیں آگاہ کیجئے۔ فرمایا ﴿کَانُوْ اِخْوَانُ الشَّیٰطِیْن﴾۔ جولوگ شادی نہیں کرتے۔ یہ درحقیقت شیطان کے بھائی ہیں۔ شیطان کی سیرت پر چل رہے ہیں۔

کبھی یہ ارشاد فرمایا۔ اس دنیا میں مجھے تین چیزوں کے علاوہ اور کوئی پسند نہیں۔ ۱۔ نماز، ۲۔ خوشبو، ۳۔ عورت۔ کبھی یہ ارشاد فرمایا ''نکاح کرنا اور نسل کو بڑھانا پیغمبروں اور انبیاء کی سنت ہے کہ آدمؑ سے خاتمؐ تک کوئی نبی ایسا نہیں کہ جس نے نکاح نہ کیا ہو''۔ کبھی یہ فرمایا گیا ''راہب نہ بنو۔ دنیا چھوڑنے والے نہ بنو۔ جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے دنیا کو ترک کیا۔'' اگر کبھی کسی نے رسولؐ سے پوچھا کہ مسلمان یہودی یا عیسائی کیسے بنتا ہے؟ فرمایا نکاح نہ کرکے۔'' پس شادی کی اہمیت کو قرآن اور احادیثِ معصومینؑ میں بار بار بتلایا گیا۔ اور یہ تو واضح ہے کہ جو نیک کام جتنا مشکل ہو، جس نیک کام کیساتھ جتنی زیادہ ذمہ داریاں لگی ہوں۔ اس نیک کام کا اتنا ہی زیادہ ثواب ملتا ہے۔

جلد شادی انسانی جسم کا تقاضہ:

وہ والدین جو آج کے دور میں اور آج سے پہلے بھی اپنی اولاد کے اوپر اس طریقے سے حاکم بن جایا کرتے ہیں کہ باوجود اس حقیقت کے جاننے کے کہ لڑکا یا لڑکی اگر وہ جسمانی طور پر صحیح ہیں یعنی صحیح معنوں میں مرد یا صحیح معنوں میں عورت ہے اور شادی کی عمر بھی آچکی ہے تو اس وقت یقینی طور پر ان میں شادی کی خواہش پیدا ہو چکی ہے۔ تو اب کتنی تاخیر کی جائے گی۔ یا وہ غلط راستے پر چلے گا یا اسے اپنے نفس کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ جب عمر کا وہ مرحلہ آگیا کہ اب اس کی شادی ہو جانا چاہئے اور اس کے باوجود اس کی شادی نہ ہو۔ تو اس لڑکے یا لڑکی کا قصور اور اگر اس کے والدین منع کر رہے ہیں تو والدین کا قصور۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب وہ مرحلہ آگیا اور جسم خواہش کر رہا ہے، جسم ایک ضرورت کا تقاضہ کر رہا ہے۔ شریعت ساتھ ساتھ پوری تائید کر رہی ہے۔ پھر بھی والدین قدم نہیں اٹھاتے اور مجبوری بھی کوئی نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ والدین اپنی اولاد کو اس امتحان میں ڈال رہے ہیں جس سے بہت کم کامیاب نکلتے ہیں اور یا وہ خود اپنی اولاد کو غلط راستے پر چلانا چاہتے ہیں۔

جلد شادی احادیث کی روشنی میں:

غیر شادی شدہ کو شیطان کا بھائی اس لئے کہا گیا کیونکہ ہر وقت شیطان اس کے پاس رہتا ہے اور وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ اسی لئے حدیثِ معصومؑ ہے

کہ ایک شادی شدہ شخص کی رات کی نیند یعنی اس کا رات کو سونا اس شخص سے بہتر ہے جو تمام دن روزے رکھتا ہے اور تمام رات نمازیں پڑتا ہے لیکن غیر شادی شدہ ہے۔ ایک کنوارے کا تمام دن کا روزہ اور تمام راتوں کی نمازیں امام کے نزدیک اس سے بہتر شادی شدہ شخص کی نیند ہے۔ اتنی اہمیت ہے شادی کے مسئلے کی شریعت میں۔

چنانچہ امام محمد باقرؑ کی حدیث کہ ایک دن جبرائیل پیغمبرؐ کے پاس آئے اور کہا۔ خدا نے آپ کو یہ پیغام بھجوایا ہے تاکہ آپ فوراً اسے اپنی امت کے کانوں تک پہنچا دیں کہ باکرہ لڑکیاں، کنواری لڑکیاں درخت پر پکے ہوئے پھل کی مانند ہوا کرتی ہیں۔ جب پھل پک جائے تو اسے درخت سے توڑ لینا چاہئے۔ اگر اسے درخت سے نہ توڑا گیا اور سورج کی تپش اس پر پڑتی رہی تو وہ پھل سڑ جائے گا، وہ تباہ ہو جائے گا۔ کنواری لڑکیاں بھی پھل کی مانند ہیں۔ اگر تو ان کی عمر شادی کے قابل ہو جائے، اس کے باوجود شادی نہ کی جائے تو وہ فساد میں گرفتار ہو جائیں گی۔ اور قصوروار ان کے والدین بھی ہوں گے۔ ایک اور حدیث ہے "اگر لڑکا یا لڑکی جب ان کی عمر شادی کی ہوگئی اور جان بوجھ کر بغیر کسی مجبوری کے اس کے والدین شادی نہ کریں اور پھر اس نے کوئی گناہ کر لیا تو یہ پورے کا پورا گناہ اس کے والدین کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔ کہ بظاہر ان کو خبر تک نہیں کہ ہماری اولاد نے کیا گناہ کیا لیکن یہ گناہ برابر ان کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔ پس والدین کو پتہ بھی نہیں

چلتا اور ان کے کھاتے میں گناہ آتے جاتے ہیں۔ لہٰذا جب بڑے متقی و پرہیزگار والدین میدانِ قیامت میں اپنے نامۂ اعمال کو پڑھیں گے تو "زنا" بھی لکھا ہوا پائیں گے، استمناء کو بھی تحریر شدہ پائیں گے۔ گھبرا کر پوچھیں گے کہ خداوندا زنا، یہ بدترین گناہ، یہ تو ہم نے نہیں کیا۔ حدیث یہ ہے کہ زمین اور آسمان میں کوئی پانی ایسا نہیں ہے جو زنا کرنے والے کو پاک کر سکے۔ جس نے یہ فعلِ حرام کیا تو نجس ہوا اور ایسا نجس ہوا کہ زمین اور آسمان میں کوئی پانی نہیں ہے جو اس کے جسم سے نجاست دور کر سکے۔ جب وہ روزِ قیامت محشور ہو گا تو جہنم والے اپنی تمام تر پریشانیوں اور سختیوں کے باوجود اس کے جسم سے اٹھنے والی بدبو کی وجہ سے تکلیف محسوس کریں گے۔

متقی والدین کہیں گے خداوندا اس گناہ کا تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ جواب دیا جائے گا۔ تیری بیٹی نے یا تیرے بیٹے نے اس گناہ کو انجام دیا تھا۔ چونکہ اس کی عمر شادی کے قابل ہو چکی تھی اور تم نے اس کی شادی نہیں کی تھی اسی لئے تم بھی اس گناہ میں برابر کے قصوروار ہو، شریک ہو، اور تمہیں بھی فعلِ حرام کا عذاب دیا جائے گا۔

ایک اور حدیث جو کتاب "المواعظ العددیہ" میں ہے وہ یہ ہے کہ مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ 5 کاموں میں جلدی کیا کرتا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے ان 5 کاموں کو انجام دیتا ہے۔

۱۔ نماز کو پڑھنے میں، ۲۔ دفن میں، ۳۔ قرضہ کی ادائیگی میں،

۴۔ توبہ میں۔ یہ نہیں سوچتا کہ ابھی کچھ اور دن مزے لوٹ لوں پھر توبہ کرلوں گا۔ جب بوڑھے ہو جائیں گے پھر بیٹھ کر توبہ کرلیں گے، ۵۔ اپنی بیٹی کی شادی میں۔ یہ مومن کی علامات ہیں۔

احادیث میں ہے ''انتہائی خوش قسمت ہے، انتہائی سعید ہے وہ باپ کہ جس کی بیٹی نے پہلا واجب غسل اس کے گھر میں نہیں کیا بلکہ شوہر کے گھر میں جا کر انجام دیا۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ کہ جب بیٹی شادی کے قابل ہوئی اس کے باوجود بغیر مجبوری کے باپ اس کا نکاح نہ کردے تو ہر دن باپ کے نامۂ اعمال میں اتنا گناہ لکھا جاتا ہے جتنا ایک نبی کے قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ (المواعظ العددیہ)۔ جب جبرائیل خدا کا یہ حکم لے کر نازل ہوئے جو میں بتا چکا ہوں تو پیغمبرؐ اسی وقت گھر سے نکلے۔ مسجد میں پہنچے لوگوں کو جمع کیا اور یہ پیغام دیا کہ تمہاری باکرہ لڑکی جب شادی کے قابل (بالغ) ہوگئی تو پھل کی مانند ہے اگر فوراً اس کی تزویج نہیں کر دی گئی تو وہ فاسد ہو جائے گی، اس کا اخلاق بگڑ جائے گا اس کی عزت جاتی رہے گی۔ سنو لوگو یہ حکمِ خدا آیا ہے۔ اسی لئے میں نے فوری طور پر اپنی چچا زاد کا نکاح مقداد سے کیا۔ مقداد اسود کے غلام تھے۔ اور غلام کی عرب کے معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لوگ اسے بیٹی دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ یہاں تک کہ بلال حبشی جیسی ہستی جنہیں اصحابِ رسولؐ سیدنا سیدنا کہہ کر مخاطب کیا کرتے ہیں، کو بھی لوگ بیٹی دیتے ہوئے گھبراتے تھے۔

حضرت بلال کی شادی کا واقعہ:

لیکن تاریخ کا فقرہ ہے کہ ایک صحابی ابو بقیع ان کی لڑکی شادی کے قابل ہو گئی۔ ان کے لڑکے پیغمبرؐ کے پاس آئے اللہ کے رسولؐ ہم آپ سے مشورہ لینے آئے ہیں۔ آپ ہمارے خاندان، حسب نسب کو جانتے ہیں آپ کو پتہ ہے کہ ہم کتنے عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری برابری کے کسی خاندان میں رشتہ ہو۔ آپ مشورہ دیں کہ ہم اپنی بہن کی شادی کس سے کریں۔ پیغمبرؐ نے کہا۔ بلال حبشی سے کرلو۔ بس اتنا سننا تھا۔ باتوں کا رخ موڑ دیا۔ اٹھ کے چلے گئے۔ کیونکہ بلال اپنی تمام تر عظمت کے باوجود عرب معاشرے کے لئے ایک حبشی غلام تھے۔ سیاہ پوش تھے۔ پھر اگلے دن آئے اور وہی سوال کیا۔ پیغمبرؐ نے سنا اور فوراً کہا۔ بلال حبشی سے کر دو۔ آج پھر اٹھ کر چلے گئے۔ چند دنوں بعد پھر پلٹ کر آئے۔ پھر زور دیا۔ رسولؐ اللہ آپ ہمارا خاندان، ہمارے قبیلے، ہماری دولت کو، ہماری خاندانی شرافت اور standard جانتے ہیں آپ بتایئے کہ ہم اپنی بہن کی شادی کس سے کریں۔ پیغمبرؐ نے کہا اگر کسی جنتی سے شادی کروانا چاہتے ہو تو بلال سے بہتر تمہیں اور کوئی رشتہ نہیں ملے گا۔ میں حکم دیتا ہوں کہ بلال سے شادی کرواؤ۔

تو بلال، اتنی عظمت کے باوجود لوگ ان کو بیٹی دیتے ہوئے گھبرا رہے ہیں۔ مقداد کا ظاہری معاشرتی مقام بلال کے بعد تھا کیونکہ مقداد بھی سیاہ پوش غلام تھے۔

اگر چہ حقیقت ایسی نہیں کیونکہ احادیث میں ہے کہ سلمان فارسی کو کبھی غلط خیال آسکتا ہے۔ابوذر کے دل میں کبھی غلط خیال آیا لیکن مقداد نے ایک لمحے کے لئے بھی کبھی اپنے ایمان سے جنبش نہیں کھائی۔

پس کون مقداد (جو کہ کالا غلام ہے) کو اپنی بیٹی دیتا۔اسی لئے پیغمبرؐ نے مسجد نبوی کے منبر پر پہلے خدا کا حکم سنایا اور پھر کہا کہ میں اپنی چچا کی لڑکی کا رشتہ مقداد سے کر رہا ہوں۔اور اس لئے کر رہا ہوں کہ تم اس حقیقت کو یاد رکھو کہ مومن مومن کا برابر ہے۔مومن مومن کا کفو ہے۔اب کبھی رشتہ ڈھونڈ نے میں زیادہ تاخیر نہ کرنا۔جب تمہیں کوئی حقیقی کفو مل جائے اپنی بیٹی کا رشتہ فوراً اس سے کر لینا۔ایک ہاشمیہ، فقہ کے اعتبار سے سیدانی، زبیر کی بیٹی، زبیر پیغمبرؐ کے چچا ہیں۔خاندانِ بنو ہاشم، اس سے بلند تر کون سا خاندان ہو سکتا ہے لیکن شادی ایک غلام کے ساتھ ہو رہی ہے۔صرف اس لئے کہ جب لڑکی کی عمر شادی کے قابل ہو جائے اور پھر بھی شادی نہ کی جائے تو والدین برابر کے گناہ گار ہیں۔

شادی فقہی اعتبار سے:

اور ایک مسئلہ دوہرا دوں۔وہ یہ کہ یہ عام تصور ہے ہمارے معاشرے میں کہ شادی کرنا سنت ہے لیکن اس وقت جو ماحول ہمارے معاشرے کا ہو چکا ہے۔اس میں تقریباً ہر لڑکے اور لڑکی کیلئے شادی کرنا واجب ہے۔یہی تو اسلام نے ہمیں بتایا ہے کہ اگر شادی نہ کرنے کی وجہ سے کسی حرام کام میں

پڑنے کا خطرہ ہو تو اس آدمی کیلئے شادی کرنا واجب ہو جائے گی۔جس طرح نماز پڑھنا اس پر واجب ہے اسی طرح اس پر یہ بھی واجب ہے اور اگر پھر بھی وہ شادی نہیں کرتا تو وہ عدالت سے خارج ہو جائے گا یعنی عادل نہیں رہے گا۔

حرام میں پڑنے سے کیا مراد ہے؟ اگر شادی نہ کرنے کی وجہ سے لڑکی کی غلط نیت سے نگاہ نامحرم لڑکوں پر اٹھ جاتی ہے اور لڑکے کی نگاہ لطف اٹھانے کیلئے غلط نیت سے نامحرم لڑکیوں پر پڑ جاتی ہے تو اس پر شادی واجب ہے اور یہ کام حرام اور گناہ ہے۔اور اگر والدین شادی نہ کریں یا رکاوٹ ڈالیں تو وہ برابر کے قصوروار ہیں۔ایسے کتنے ہی نوجوان ہیں جو دن رات اپنے نفس سے جنگ کرنے پر مجبور ہیں ان کی تمام صلاحیتیں اسی ایک فطری جذبے کو ختم کرنے میں لگ جاتی ہیں۔وہ دنیا کے کام کرنے کے قابل نہیں رہتے۔اس لئے کہ ان کا جسم ان سے کچھ تقاضہ کر رہا ہے لیکن ان کے والدین اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ہمارا معاشرہ گناہ کرنے والے کیلئے تو راستہ ہموار کرتا جاتا ہے۔گناہ کرنے والے کی مدد کرنے کو تو تیار ہے اور نیکی کا راستہ اختیار کرنے والے کیلئے ہر قدم پر رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔

شادیوں میں تاخیر کا ایک سبب: غلط رسم و رواج:

یہ ہمارا معاشرہ ہے جس نے شادی کو اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ اب ایک شخص کیلئے اس وقت تک شادی کرنا ناممکن ہے جب تک اس کے پاس ایک بڑی تعداد میں پیسہ نہ جمع ہو۔اتنی غلط رسومات ہیں ہماری شادی میں کہ اسلامی

شادی تو نہیں بلکہ صریحاً ہندوانہ شادیاں ہیں۔قبل از قیامِ پاکستان ہندوؤں اور مسلمانوں کے اکٹھے مل جل کر رہنے کے دوران ہم نے ان کی اکثر رسومات اپنالیں اور ہم نے ان رسومات کو لاعلمی کی وجہ سے مذہب کا درجہ دے دیا۔اور خاص طور پر وہ لوگ جو پہلے ہندو تھے پھر خدا نے ان پر اپنا فضل کیا۔انہیں راہ ہدایت ملی۔وہ سیدھے راستے پر آ گئے لیکن وہ پرانے رسم ورواج جو ہندوؤں کے زمانے میں ان میں رائج تھے مسلمان ہونے کے باوجود ان رسم ورواج کو نہ چھوڑا۔مسلمان تو بن گئے اس لئے کہ جنت لینا تھی لیکن جو دل نے چاہا کرنا وہی ہے۔

آج اگر کوئی مذہب کے اصولوں پر عمل نہ کرے تو لوگ اسے کچھ نہیں کہتے۔کوئی نماز نہ پڑھے، گانے سنے، داڑھی نہ رکھے، کوئی دوسرا اعتراض نہیں کرتا۔معاشرے کو قطعاً تعجب نہیں ہوگا۔اس پر انگلیاں نہیں اٹھائی جائیں گی۔لیکن اگر معاشرے کے رسوم ورواج کو کوئی چھوڑ دے، شادی کے موقع پر، بچے کی ولادت پر، کسی کی موت کے موقع پر اگر وہ کسی رسم کی پیروی نہ کرے۔تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔اس کی پیٹھ پیچھے باتیں بنائی جاتی ہیں کہ جیسے وہ کافر ہو گیا، اس نے غیرِ خدا کو سجدہ کر لیا ہو، قیامت آ گئی پتہ نہیں کتنا بڑا قہر نازل ہو گیا۔مذہب ہاتھ سے چلا جائے فکر کی بات نہیں ہے لیکن رسم ورواج کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیۓ اگر ان رسم ورواج کی خاطر کتنے ہی جوانوں کا ایمان چلا جائے۔۔۔۔اس کی وجہ سے کتنی ہی لڑکیوں کا اخلاق فاسد ہو

جائے۔۔۔۔کتنے ہی گھرانوں کا سکون برباد ہو جائے جو کہ شادی نہ کرنے کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔لیکن کوئی فکر نہیں کیونکہ رسم ورواج کو پورا نہ کیا تو ناک نیچی ہو جائے گی۔ناک کٹ جائے گی۔مذہب کی پابندی نہ کی تو کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔بوڑھے ہو کر توبہ کر لیں گے یا شفاعت ہو جائے گی۔جنت یقینی ہے۔

پورا معاشرہ برابر سے قصوروار ہے۔اس نے مرنے کو بھی مشکل بنا دیا ہے۔اب ایک غریب آدمی مر بھی نہیں سکتا ہے۔پہلے تو یہ سوچا کرتے تھے کہ ایک آدمی پر بڑی مصیبتیں پڑیں تو مر جائے گا۔اچھا ہے مصیبتوں سے جان چھوٹ جائے گی اس کے غریب گھرانے کی۔لیکن اس معاشرے میں مرنے کے ساتھ اتنے رسم ورواج بن چکے ہیں کہ مرنا بھی غریب گھرانے کیلئے آسان نہیں رہا۔مرنے کیساتھ بھی اتنا خرچہ، شادی کیساتھ بھی اتنا خرچہ، ہاں جس کے پاس ہے وہ خرچ کرے کوئی حرج نہیں۔لیکن معاشرے نے رسومات کو اتنا اہم بنا دیا ہے کہ غریب آدمی بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ان مقامات پر خرچ کرنے سے۔یقیناً معاشرے کا قصور ہے۔لیکن معاشرہ کس چیز کا نام ہے۔ہم اور آپ ہی سے تو مل کر بنتا ہے۔

شادی سے پہلے لڑکی اور لڑکے کو ایک دوسرے کی سیرت وصورت معلوم ہونا چاہیۓ:

اسلام نے زیادہ زور نہ ہی شکل وصورت پر دیا ہے اور نہ ہی دولت پر۔بلکہ اسلام سیرت پر زور دیتا ہے۔چونکہ شوہر و بیوی میں ذہنی مطابقت اور

ہم آہنگی ہونا انتہائی ضروری ہے۔اس لئے دو حرام کاموں کو اس کیلئے حلال کر دیتا ہے۔چھوٹی موٹی باتوں کے لئے کبھی حرام حلال نہیں ہوسکتا۔ہم فقہی مسائل میں دیکھتے ہیں کہ عام طور پر حرام تب حلال ہوتا ہے جب زندگی کو خطرہ ہو۔مثلاً شراب پینا حرام ہے۔اگر جان جارہی ہو تو اس قدر شراب استعمال کر سکتا ہے کہ جس سے اس کی زندگی بچ جائے۔اسی طرح سور حرام ہے۔لیکن اگر کوئی مر رہا ہو اور اس کی زندگی کا دارومدار سور کے گوشت پر ہو تو اس قدر لقمے کھا سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ جائے۔ایک حرام جب حلال ہو رہا ہو تو آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ کتنا ہی اہم مسئلہ ہوگا کہ جس کی وجہ سے اسلام نے اپنے قانون کو بدلا۔

دو حرام کام شادی کے موقع پر حلال ہیں:

شادی کے موقع پر ۲ حرام ایسے ہیں کہ اسلام نے انہیں حلال کر دیا بلکہ ان میں سے ایک ایسا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ وہ حلال ہی نہیں ہوا بلکہ وہ واجب ہو گیا اور دوسرے کے بارے میں بعض مجتہدین نے فرمایا کہ وہ جائز ہی نہیں ہوا بلکہ مستحب ہو گیا۔

(۱) غیبت:

مذمتِ غیبت: بہت سے ایسے گناہ ہیں کہ جن کی توبہ بھی کر لی جائے تو گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن ان کے آثارِ وضعی باقی رہتے ہیں۔غیبت کی اگر صحیح توبہ بھی کر لی جائے۔صحیح توبہ کا مطلب اللہ سے بھی معافی مانگنا اور اس بندے سے

بھی معافی مانگنا ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے۔تو بھی اس کا ایک نقصان ہے۔وہ حدیثِ کہ جس میں رسولؐ نے فرمایا۔اگر کوئی شخص بغیر توبہ کے دنیا سے جاتا ہے تو یہ سب سے پہلا آدمی ہوگا جو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔تو یہ ہے غیبت کا اثر۔جیسا کہ بہت سی بیماریوں کا وقت پر علاج ہو جائے تو جان تو بچ جاتی ہے لیکن بیماری کے اثرات ساری زندگی رہتے ہیں۔اسی طرح غیبت ہے۔جو باقی تمام نیکیوں کی جزا کو اور اس کے reward پر اتنا اثر ڈالتی ہیں کہ اب یہ آدمی کونے میں کھڑا کر دیا گیا۔عمل میں اس سے کم تر کے لوگ، وہ اس سے پہلے جنت میں بھیجے جا رہے ہیں۔فرق یہ تھا کہ ان کے پاس غیبت نہیں تھی چاہیے باقی اعمال نماز، روزہ، حج۔انسانیت کی مدد حقوق العباد کے خیال اور لحاظ رکھنے میں وہ کم بھی تھے مگر چونکہ غیبت نہیں کی تھی اس لیے وہ پہلے چلے جائیں گے۔اور وہ شخص کہ جس نے تمام اعمال صحیح انجام دیئے تھے لیکن چونکہ غیبت کر کے توبہ کر چکا تھا۔پھر بھی غیبت کے اثرات یہ ہوئے کہ کونے میں کھڑے رہو۔

شریکِ حیات کے انتخاب کیلئے مشورے میں غیبت کی اجازت:

لیکن اگر شادی بیاہ کیلئے کسی نے آکر مشورہ مانگا کہ میں فلاں لڑکی سے اپنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتا ہوں تمہاری رائے کیا ہے؟ یا لڑکی والے نے اگر مشورہ مانگا کہ فلاں رشتہ میرے پاس آیا ہے اس لڑکے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ایسے موقع پر اسلام نے حقیقت۔بیان کر دینے کا حکم دیا ہے چاہے اس میں اس

لڑکی کی برائی ہو جائے۔ چاہے اس مشورے میں اس لڑکے کی برائی ہو جائے کیونکہ یہ پوری زندگی کا مسئلہ ہے بجائے اس کے کہ شادی ہو جانے کے بعد شوہر یا بیوی کو دوسرے ساتھی/ رفیق کی خرابی کا پتہ چلے۔ آپ کی understanding ختم ہو کر رہ جائے چاہے زبان سے کچھ نہ کہیں دل پہ بوجھ رہے اس کے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو جائے گی۔ دل ہی دل میں کڑھے گا۔ جس کے اثرات اولاد پر ہوں گے۔ اسلام کہتا ہے کہ پہلے ہی سے حقیقت واضح ہو جائے اس لئے اس موقع پر غیبت کی جا سکتی ہے۔ اور وہ غیبت غیبت نہیں کہلائے گی۔ بلکہ بعض مراجع فرماتے ہیں کہ جب آپ سے شادی کے مسئلے میں مشورہ مانگا گیا تو آپ پر واجب ہے کہ جو حقیقت/ truth ہے وہ بتائیں۔ خرابیوں کو آپ نہیں چھپا سکتے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ وہی باتیں بتائی جائیں جن کا تعلق اس جوڑے کی زندگی سے ہو۔ باقی خاندان بھر کے عیب بتانے کی ضرورت نہیں۔

(۲) شریکِ حیات کے انتخاب کیلئے نامحرم کو دیکھنا:

دوسری چیز پردہ ہے کہ جسے حلال کر دیا اسلام نے شریکِ حیات کے انتخاب پر۔۔۔ شادی کے لئے اگر لڑکا لڑکی کو دیکھنا چاہے تو اس کو دیکھا جا سکتا ہے بعض شرائط کا خیال رکھتے ہوئے۔ اس مسئلے میں ہر ایک کو اپنے مرجع کے مسئلے کے مطابق عمل کرنا ہے۔ چہرہ اور بال دیکھے جا سکتے ہیں بلکہ بعض مراجع ساڑھی اور بلاؤز میں بھی دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ لڑکا اس لڑکی کو دیکھ سکتا ہے۔ البتہ لڑکی تو لڑکے کو دیکھتی ہی رہی ہوگی کیونکہ اسلام میں مردوں کے پردے کا کوئی خاص concept

نہیں۔ بلکہ شہید ثانی نے تو شرح لمعہ میں لکھا ہے کہ صرف دیکھنا جائز نہیں بلکہ مستحب ہے کہ لڑکی کو دکھا ہی دیا جائے اور آگے وجہ بھی یہی بیان کی ہے جو میں نے ابھی بتائی ہے۔

پس عدمِ پردگی کو جائز کر کے اسلام نے صورت معلوم کر لینے کی اجازت دی اور غیبت جائز کر کے اسلام نے سیرت معلوم کر لینے کی اجازت دی۔ صورت و سیرت معلوم ہو جائے تا کہ پہلے ہی understanding ہو جائے۔ کیونکہ misunderstanding کی صورت میں اگر بے دین گھرانہ ہے تو طلاق ہو جائیگی جو خود ایک بری چیز ہے۔ اور اگر دیندار گھرانہ ہوا تو صبر کریں لیکن صبر کرنے سے جو کڑھتے رہیں اس کے اثرات اولاد میں منتقل ہوں گے۔

اپنی بیٹی کو شوہر کی تنگ معاشی حالت میں بھی شکرِ الٰہی کرنے کی تعلیم دینا:

اسلام نے اس موقع پر ہمیں ایک اور پیغام دیا۔ وہ یہ کہ جس طرح educatin system میں ایک basic تعلیم ہے مثلاً ہمارے ملک میں میٹرک تک یا مڈل تک basic تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ سب کے لئے common ہے۔ اور specialization کیلئے الگ الگ تعلیم ہو جائیگی۔ جو ڈاکٹر بننا چاہتا ہے اس کی تعلیم الگ۔ جو انجینئر بننا چاہتا ہے اس کی تعلیم الگ ہے۔ اسلام اولاد کے بارے میں بھی یہی کہتا ہے کہ کچھ تو basic دینی تعلیم ہے جو ساری اولاد کو دینا ہے اور پھر لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں فرق کرنا ہے کیونکہ لڑکے کی ذمہ داریاں کچھ اور ہیں لڑکی کی ذمہ داریاں کچھ اور۔ یہ کسی قسم کا تعصب نہیں جس کے بارے میں مغربی دنیا

اعتراض کرتی ہے بلکہ یہ تو ہرایک کی فطرت کے لحاظ سے پیشہ الگ الگ ہے۔

جس طرح اگر ڈاکٹر کو الگ تعلیم دیں اور انجینئر کو الگ تعلیم دیں تو کوئی عقلمند بھی اسے تعصب نہ کہے گا۔ لڑکا اور لڑکی دونوں کیلئے ضروری ہے کہ ان کے دل سے مادی اشیاء کی محبت نکال دی جائے لیکن لڑکی کے لئے زیادہ ضروری ہے۔ اسے اس چیز کی عادت ڈال دینا ہے جو شہزادیؑ کی زندگی کا خاصہ ہے۔ اگر پھٹے پرانے کپڑے ملیں اگر سوکھی روٹی ملے۔ اگر شوہر کے گھر جا کر problems پیدا ہوں تو خالی صبر نہ کرے۔ دیکھئے یہ بہت اہم بات ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو دین دار گھرانے اور والدین ہیں وہ اپنی بیٹی کو یہی پیغام دیتے ہیں کہ بیٹی اب تمہاری قسمت۔ جیسا بھی شوہر مل گیا صبر کرو کیونکہ صبر اسے سل، دق اور ٹی بی کی بیماریوں میں مبتلا کردے گا۔

صبر یعنی یہ جو وہ اپنے جذبات کو دبا کر رکھے گی اور اس کے اثرات اولاد میں منتقل ہو جائیں گی۔ دنیا میں جتنے بھی ظالم گزرے ہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سب ایسے ہیں کہ جن کی ماں نے problems میں صبر کر کے زندگی گزاری ہے۔ ہٹلر، نپولین جیسوں کا ذکر تھا۔ پس لڑکی کی training ایسی ہو کہ وہ ان چیزوں پر بھی شکر کرے۔ اسی پر راضی ہو اسی پر خوش ہو۔ صبر یہ نہیں کہ دل اس کا جل رہا ہو، دماغ اس کا رو رہا ہے۔ بس منہ سے بھاپ نہیں نکال رہی۔ اولاد پر اس کے اثرات دورانِ حمل ہونے کے علاوہ بھی ہوتے ہیں کیونکہ اولاد اپنی ماں سے بہت attached ہوتے ہیں۔ دل و دماغ جس لڑکی کا رو رہا ہو اس کی اولاد کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ یقیناً اولاد بھی ذہنی طور پر disablance ہو جائیگی۔ پس اسلام میں صبر کی

ایک منزل اور اس سے بڑھ کر وہ ہے شکر کی منزل۔

شاید آپ نے سنا ہو کہ جب رسولؐ نے اپنی بیٹی کی شادی کی تھی تو آخری جملہ اس کے بعد بیٹی کو الوداع کر دیا تھا۔ وہ یہی تو تھا کہ فاطمہؑ بیٹی عرب کی عورتیں کچھ ہی کیوں نہ کہتی رہیں۔ یہ بھی ایک بہت اہم بات کہ بہت سے لوگوں کو ماحول بگاڑتا ہے۔ اس کی بڑی بہن اس کو آ کر بہکا رہی ہے وہ لڑکی شکر کرنے کو تیار ہے لیکن اس کی cousins آ کر اسے بہکا رہی ہیں۔ اس کے سکول و کالج کی سہیلیاں اسے آ کر بہکاتی ہیں۔ اس کی ماں آ کر بہکاتی ہے۔

خود شہزادیؑ کی زندگی میں یہ واقعہ ملتا ہے۔ جب مولا سے شادی ہو گئی تو عرب کی عورتوں نے چاہے وہ مدینے کی مسلمان عورتیں ہی کیوں نہ ہوں حقیقی مسلمان تو نہیں ہوئی تھیں۔ شہزادی کے پاس مختلف informations لے کر آنے لگیں۔ شہزادی کے پاس ساری معلومات پہلے سے تھیں۔ سب کچھ پہلے سے معلوم تھا وہ کس طرح؟ اس طرح کہ پہلی تو یہ کہ ایک ہی نور کے دونوں اجزاء تھے۔ دوسرے یہ کہ علیؑ رسولؐ کے گھر رہتے ہیں۔ اور جب شہزادی اس دنیا میں تشریف لائیں تو علیؑ 15 سال کے تھے۔ علیؑ کی ساری زندگی شہزادی کے سامنے ہے۔ علیؑ کے پاس کوئی جائیداد نہیں۔ درہم دینار نہیں، عیش و آرام نہیں۔ سیدہؑ سے بہتر کون جانے گا؟ ایک ہی گھر کے اندر دونوں رہتے ہیں۔ خیر، عرب کی عورتوں نے آ کر جو باتیں کہیں، شہزدی کے لئے بالکل بیکار مگر رسولؐ ہماری بیٹیوں اور بیٹیوں کے والدین کو یہ پیغام دینا چاہ رہے ہیں۔ فرمایا بیٹی فاطمہؑ عرب کی عورتیں کچھ ہی کیوں نہ کہتی رہیں یہ یاد رکھنا دنیا

میں تیرے باپ کے بعد کائنات کا افضل ترین انسان تیرا شوہر ہے۔ اگر تو اس کے گھر دولتِ دنیا چاہے گی تو نہیں ملے گی۔

پس رسولؐ پیغام دے گئے کہ عرب کی عورتوں کے کہنے میں نہ آنا وہ چاہے جو مرضی کہتی رہیں تمہیں یہ دیکھنا ہے کہ آخرت کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر کون؟ یہ جملہ بیٹی کو مصیبتوں پر صبر سکھانے کیلئے نہیں کہا جا رہا بلکہ اسے مصیبتوں پر شکر کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ یہ آپ کو اپنی بیٹیوں کی تربیت کا جزءِ لاینفک بنانا ہے۔ ایک آدمی خود محنت کرے اور فاقہ کرنا پڑے دوسری بات۔ لڑکی کا مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر اس کے گھر میں فاقے آتے ہیں تو وہ یہ نہیں سمجھتی کہ اس میں اللہ کی مرضی و مصلحت ہو گی۔ وہ سارا الزام اپنے شوہر پر ڈال دیتی ہے کہ اسے کمانا نہیں آتا۔ کیونکہ وہ تو دوسروں کے شوہروں کو کماتے ہوئے دیکھتی ہے۔ مرد کا مسئلہ یہ ہے کہ مرد کے پاس جتنی صلاحیتیں ہیں اس نے استعمال کیں پھر بھی اسے پیسے نہیں مل رہے تو اب وہ کس پر الزام ڈالے۔ وہ تو معاملہ اللہ پر ڈال دیتا ہے کہ اللہ اسی پر راضی ہو گا ٹھیک ہے لیکن چونکہ لڑکی کا target تو سامنے ہے اسی لئے وہ شوہر کی گردن پکڑ لیتی ہے کہ اگر تم میری فرمائشات پوری نہیں کر سکتے ہو تو شادی ہی کیوں کی تھی۔ چوری کرو، ڈاکہ ڈالو چاہے جو مرضی کرو میں نہیں جانتی۔

ایک عورت کی ناشکری کا واقعہ :

میرے ایک دوست جو عرب ممالک میں رہتے ہیں۔ حج کی وجہ سے مکہ کے اندر 12، 13 سال سے ایک شخص سے ملاقات رہتی ہے۔ جن کی wife نے ٹیلی فون

پر شکایت کی کہ میں تو اپنے شوہر سے کہتے کہتے تھک گئی ہوں۔ بس اب آپ ہی اس مسئلے کا حل کریں۔ اس لئے کہ آپ کچھ قرآن انہیں سنا سکیں گے۔ اچھا خاتون۔ آپ کا مسئلہ کیا ہے کہ آپکو ایک غیرِ عرب کو اپنے معاملے میں ڈالنا پڑا۔ میرے شوہر کے پاس اتنی دولت ہے اتنی اچھی زندگی گزار رہے ہیں مگر ان کی بیوی بے لباس گھوم رہی ہے۔ ایک جوڑا میرے پاس پہننے کا نہیں۔ میں نے ان کے شوہر سے بات کی۔ کہ آپ تو اپنے آپ کو حاجیوں کا خدمت گزار ظاہر کرتے ہیں اور اپنی بیوی کی ضروریات نہیں پورا کر رہے۔ تو انہوں نے مجھے لے جا کر دکھا دیا۔ ان کے bed room میں کتنی الماریاں تھیں کپڑوں سے بھری ہوئی۔ ایک نہیں، دو نہیں، اٹھاراں الماریاں تھیں جو ان کی بیوی کے کپڑوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جبکہ بیوی کا یہ شکوہ ہے کہ میں بے لباس ہوں۔ ایک جوڑا میرے پاس پہننے کو نہیں اور جب انہوں نے دوبارہ intercom پر بیوی سے بات کروائی۔ میں 18 الماریاں تو میں دیکھ چکا ہوں۔ کہا وہ سب بیکار ہیں۔ وہ جوڑا ایک دفعہ پہنا ہے، وہ دو دفعہ پہن چکی ہوں، اس میں یہ ہو گیا، اس میں وہ ہو گیا ہے۔

آجکل بہت سی عورتوں کا ایسا ہی مزاج ہو گیا ہے کہ وہ ہمیشہ غیر مطمئن رہتی ہیں۔ بس والدین کی ذمہ داری ہے کہ بیٹی کو شکر کا درس دیں۔ البتہ اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ شوہر کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ بیوی کے حقوق مرد پر بہت زیادہ ہیں۔

نیوورلڈآرڈر

"New World Order"

1886ء میں یہودیوں کے چند بڑوں نے سر جوڑ کر plan بنایا کہ آنیوالے زمانے میں ہمیں دنیا کو کس نقشے پر چلانا ہے۔اسی وجہ سے آج جسے ہم نیو ورلڈآرڈر کہتے ہیں۔امریکہ کے بعض صاحبانِ بصیرت اسے Jew World Order کہتے ہیں۔یہودیوں کے چند بڑے جن کی تعداد 100 سے زیادہ تھی۔سر جوڑ کر جمع ہوئے سترھویں اور اٹھارویں صدی میں یہودیت نے جو اپنا ایک طریقہ اور انداز بدلا تھا اور علم کے میدان میں داخل ہو کر دنیا کی قیادت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تھی۔اس کے نتیجے میں 1886ء میں یہ خاصی طاقتور قوم بن گئی۔اور اس کے بعد انہوں نے پورا ایک نقشہ بنایا کہ کس انداز میں ہمیں آنیوالی صدیوں میں دنیا کا نظام چلانا ہے۔اور باقاعدہ یہودی پروٹوکول کے نام سے کتابیں چھپ چکی ہیں۔اگرچہ اسی سازش کو چھپانے کی، ان کتابوں کو جلانے کی اور ان کے مصنفین کو قتل کرنے کی بے انتہا کوشش کی گئی لیکن بہرحال ابھی بھی کچھ کتابیں موجود ہیں۔''یہودی پروٹوکول'' یا ''یہودی سازش'' یا ''طشت ازبام'' کے نام سے۔اس کے اندر جو چند چیزیں شامل ہیں۔اور آج 1886ء سے

1996ء تک 110 سالوں میں جتنا بھی دنیا کا سیاسی، معاشی، اخلاقی اور سماجی نقشہ بنا ہے، آپ ہر اعتبار سے دیکھیے چاہے آپ Politics پر نگاہ ڈالیں، چاہے Economy پر، اس وقت Social Setup پر نگاہ ڈالیں۔آپ کو ہر جگہ یہ نظر آئیگا کہ باقاعدہ کسی سوچے سمجھے نظام کے تحت دنیا چل رہی ہے۔دوسری جنگِ عظیم ترکی پر قبضہ Premacan society کا بنایا جانا، 1917ء میں پہلی مرتبہ فلسطین میں یہودیوں کا داخل ہونا، ہٹلر کا وجود، ایٹم بم کا دھماکہ، یہ ساری چیزیں 1886ء کی اس meeting میں طے پا چکی ہیں۔وہ کتاب بہت دلچسپ ہے۔اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔صرف ایک واقعہ ہوا جو اس پوری منصوبہ بندی کیخلاف چلا یا گیا اور جو کچھ انہوں نے سوچا تھا کہ یورپ میں کیا کرنا ہے، ایشیا میں کیا کرنا ہے، مسلمان ملکوں میں کیا کرنا ہے، غیر مسلم ملکوں میں کیا کرنا ہے ساری دنیا اسی طرح چلی لیکن ایک واقعہ ان کے منصوبے کے خلاف اور جس نے ان کو سب سے زیادہ پریشان کیا۔وہ ایران کا اسلامی انقلاب تھا۔اس پروٹوکول کے 12 نکات تھے۔

BRAINS کا اغواء کیا جانا:

ساری دنیا کے ممالک میں عمومی طور پر اور مسلمان ممالک میں خصوصی طور پر کوئی بھی ذہین شخصیت نظر آئے اچک لینا ہے۔کوئی شخص بھی اگر بہت زیادہ Brilliant نظر آئے اسے اچک لینا ہے۔اسے کسی طرح اپنے قبضے میں کرنا ہے۔دولت کے ذریعے، عورت کے ذریعے، حکومت کے ذریعے، اور اگر وہ کسی

طرح ہمارے قابو میں آنے کو تیار نہ ہو تو اسے قتل کر دو۔ 1886ء سے لے کر اب تک ساری دنیا کی سیاست اور خصوصاً مسلمان ممالک کی سیاست پر نگاہ ڈالئے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہودیوں کے پروٹوکول پر لفظ بلفظ عمل ہو رہا ہے۔ اسلامی دنیا میں اور خصوصاً عرب ممالک میں جو شخصیت ذرا ابھرتی ہوئی نظر آئے، چاہے وہ کوئی سیاست دان ہو، چاہے وہ کوئی سائنس دان ہو، چاہے وہ کوئی کھلاڑی ہو، چاہے وہ ادب کا ماہر ہو، چاہے اس کا فنونِ لطیفہ سے تعلق ہو، کتنی اہم شخصیتیں ہیں جن کے گھر میں آپ کو یہودیوں کی بیویاں نظر آجائیں گی۔ ایک دفعہ پھر اور اس پروٹوکول کی سچائی پر انسان کا یقین بڑھتا جاتا ہے۔

۲۔ اخلاقیات کا خاتمہ:

دوسری بات/نکتہ یہ کہ ساری دنیا میں عموماً اور مسلمان ملکوں میں خصوصاً جو ایک اخلاقی نظام چلا آرہا ہے۔ کسی طریقے سے اس کا خاتمہ کر دو، اخلاق نام کی کوئی چیز نہ رہے، پورا معاشرہ بدتمیزی اور بے حیائی کے راستے پر چلنے لگے اور اس کیلئے جو طریقہ مفید ہو اسے اختیار کیا جائے۔ پہلا نکتہ یہ تھا کہ جو ذہین شخص ہو اس کو لے کر آنا ہے، یہودی نہیں بنانا۔ کیونکہ دنیا کا واحد مذہب یہودیت جو تبلیغ کا قائل نہیں۔ مسلمان کو مسلمان رکھنا ہے، شیعہ کو شیعہ رکھنا ہے، کافر کو کافر رکھنا ہے، عیسائی کو عیسائی رکھنا ہے لیکن کسی طرح سے اس کو اچک کر لے آنا ہے۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ دنیا کے سارے اخلاقی نظام کو تباہ کر کے رکھ دینا ہے۔ والدین کی عزت نام کی کوئی چیز نہ رہے۔ رشتہ دار کا حق نام کی کوئی چیز نہ

رہے۔ شرم و حیاء کا کوئی تصور نہ رہے۔ شادی بیاہ کی کسی قسم کی کوئی رسم نہ رہے۔ تاکہ سارے اخلاقی نظام ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائیں۔

ہر معاشرے میں کچھ اخلاقی اقدار moral values ہوتی ہیں، ہر سماج میں اخلاقیات ہوتی ہیں۔ خالی اخلاقیات کا اسلام سے تعلق نہیں۔ یورپ کے پاس بھی بہرحال وہ کافر ہیں لیکن ان کے پاس بھی اپنا ایک اخلاقی نظام تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اس پروٹوکول کے بننے کے بعد کتنی تیزی سے عمل ہوا۔ یعنی ایک طرف آپ پوری تاریخِ انسانیت رکھ لیجئے اور دوسری طرف یہ ۱۰۰ سال کا عرصہ دیکھئے کہ کس تیزی کے ساتھ media پر قبضہ کیا گیا۔ ریڈیو، T.V، فلم انڈسٹری، cable انٹرنیٹ اور اس کا پورا نظام، میگزین اور سکول و کالج بھی ہمارے بچوں کو بگاڑ رہے ہیں۔ انسان ایک مشین کی طرح ہو جائے۔ مشین کو نہ کسی سے شرم آتی ہے اور نہ ہی وہ کسی کا احترام کرتی ہے۔

نوٹ: یہودیوں کی اسلام اور مسلمانوں کیخلاف سازشوں سے آگاہی کیلئے پڑھیے ا۔ کتاب: ہمفرے (برطانوی جاسوس) کے اعترافات

۲۔ کتاب: استعمار۔ ناشر: امامیہ آرگنائزیشن کراچی ریجن

۳۔ سنیے: ڈاکٹر مولانا سید علی مرتضٰی زیدی آف کراچی کے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے موضوع پر لیکچرز۔

۴۔ کتاب: ''بہائیت کی کہانی روسی جاسوس کی زبانی'' میں ڈالگور کے اعترافات۔ مترجم: مولانا سید ذوالفقار علی زیدی۔ ناشر: الحرمین پبلشر کراچی

۳۔ روٹی کا حصول اتنا مشکل بنا دیا کہ آدمی مشین بننے پر مجبور ہو گیا اور دوسری طرف ہر شخص کو اس کے والدین، اس کی اولاد اور اس کے رشتہ دار، والدین کا رشتہ اوپر والا ہے۔ رشتہ دار برابر والا رشتہ رکھتے ہیں اور اولاد ایک نچلے درجے کا رشتہ ہے، پس ہر شخص کو اوپر والوں سے بھی کاٹ دو، برابر والوں سے بھی اور نیچے والوں سے بھی، کسی کو دوسرے کی خبر ہی نہ ہوتا کہ وہ مشین کی طرح تنہا رہ جائے۔ جو شخص جتنا زیادہ معاشرے سے تنہا ہوگا اتنا زیادہ T.V کی جانب دوڑ کر جائیگا۔ اتنا زیادہ Dish دیکھے گا۔ یہ جو آپ نے سنا اسے تفصیل نہ سمجھئے گا یہ تو کا ایک اشارہ ہے۔

ہر شخص کی فطرت میں اپنے سے بڑے کا احترام ہے۔ آپ میں سے جو لوگ امریکہ سے ہو کر آئے ہیں یا کوئی تعلق تو انہیں پتہ ہے کہ اب وہاں کے بچے بے تکلفی اور frankness کے نام پر کس انداز سے بزرگوں کے سامنے آتے ہیں۔ اور کس انداز سے بات کرتے ہیں اور media باقاعدہ encourage کرتا ہے کہ وہ پرانے تکلفات چھوڑے frankness یہ ہے کہ آدمی اپنے والد یا والدہ سے بات کرلے تو اس کا نام لے کر کرے۔ اور اس کیلئے گانا گانوں سے بہت مدد لی گئی ہے جو اثر نشہ آور اشیاء کا ہے وہی کام گانا بھی کرتا ہے۔ یعنی ہر شخص کو خدا نے صحیح اور غلط، اچھے اور برے کی پہچان کی جو صلاحیت رکھی ہے۔ اس کو ناکارہ بنا دیتا ہے۔ گانا بھی۔ اور ان کا ارادہ بھی یہی ہے کہ کسی طرح سے عقل کو ضبط کر دیا جائے۔ صادقِ آلِ محمدؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنَّ الْغِنَاءَ یَنْبُطُ النِّفَاقَ

کَمَا یَنْبُطُ الماءُ الذَّرْعَ. فرماتے ہیں کہ گانا، اسے تم بہت معمولی چیز سمجھ رہے ہو یہ دل میں نفاق کو اگاتا ہے جس طرح سے بارش کھیتی کو اگاتی ہے۔ دیکھئے جس زمین کے اوپر بارش ہوگی خود بخود وہاں سبزہ اگ آئے گا۔ اس پر کسی کی محنت کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح سے جس دل پر گانے کی بارش ہوتی رہے خود بخود اس میں نفاق پیدا ہونے لگے گا یعنی وہ حق اور باطل کی تمیز کھو دے گا۔ اور جب صحیح اور غلط کی پہچان چلی گئی تو یعنی عقل چلی گئی۔

۴۔ ایک دوسرا حملہ نشہ آور اشیاء کا کیا گیا۔

۵۔ ایک اہم نکتہ فرقہ واریت پھیلانا ہے۔

استعماری سازشوں سے مایوس نہیں بلکہ متحرک ہونا ہے:

ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ ساری تقریر سننے کے بعد مجمع کی ۲ کیفیتیں ہوتی ہیں۔ ۲ حصوں میں مجمع تقسیم ہو جاتا ہے۔ جس طرح اگر قیامت اور آخرت کے بارے میں مجلس پڑھی جائے تو اس وقت ۲ قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک حصہ مجمع کا جو تعداد میں کم ہوتا ہے زیادہ اثر لیتا ہے، ان کے دل میں ان تمام مراحل کا خوف پیدا ہوتا ہے اور یہ خوف اسے اطاعت کے راستے پر لے آتا ہے۔ چاہے ایک دن یا ایک گھنٹے کے لئے سہی کہ وہ ارادہ کرتا ہے کہ آج سے کوئی گناہ میں نہیں کروں گا۔ اور اسی مجمع کا دوسرا حصہ جو اکثریت میں ہوتا ہے، تعداد میں زیادہ ہوتا ہے، اتنا گھبرا جاتا ہے ان باتوں سے کہ وہ کہتا ہے، کہ جب یہ سب ہونا ہی ہے، جب سزا ملنا ہی ملنا ہے تو کھل کر گناہ کیوں نہ کئے جائیں۔ جب شرابی کیلئے

بھی عذاب اور نمازی کیلئے بھی، شرابی کیلئے شراب کی وجہ سے اور نمازی کے لئے واجبات میں گڑبڑ کرنے کی وجہ سے، تو پھر ہم دل کھول کر گناہ کیوں نہ کریں۔ دل میں حسرت کیوں رہے۔

پس ایک ہی تقریر سن کر، وہی واقعات اور وہی احادیث سن کر کچھ لوگ اس تقریر سے مثبت انداز میں متاثر ہوئے اور کچھ منفی انداز میں۔ اسی طرح جب کبھی ماحول اور ہمارے خلاف کی جانیوالی سازشوں کا تذکرہ کیا جائے تو بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ اچھا یہ ہورہا ہے، تو ہمارا فرض ہے اس کا مقابلہ کرنا، لیکن ایسا سوچنے والوں کی تعداد ۱۰۰ میں سے ایک ہوتی ہیں اور ۱۰۰ میں سے ۹۹ یہ سوچتے ہیں کہ یہ اتنی بڑی سازش ہے ہم اکیلے اس کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہم کس طریقے سے ان سے اپنے گھر والوں کو بچا سکتے ہیں۔ جب ریڈیو، T.V، اخبار و میگزین، ڈش انٹینا، کیبل اور انٹرنیٹ، سکول و کالج سب انہی سازشوں کا شکار ہیں تو ہم اپنے بچوں کو کہاں کہاں سے بچائیں اور جب بچا ہی نہیں سکتے تو کوشش کرنے کا کیا فائدہ۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا۔ بلکہ ہمیں تو یہ سوچنا ہے کہ یہ کیا ہے اگر اس سے بڑی سازش اور آفت بھی ہو تو مقابلہ کریں گے۔

معاویہ ابنِ یزید کا انقلابی قدم:

ہمارا ماحول کتنا بگڑ جائے لیکن ماحول سے زیادہ نہیں بگڑے گا جتنا اس بچے کا ماحول بگڑا ہوا تھا۔ نہ صرف یہ کہ نمازیں قضا ہو رہی ہیں بلکہ نمازوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ باپ (یزید) اس کا شرابی ہے اور کہتا ہے کہ اے گانا گائے جا! گائے

جا! اور گائے جا! اور گا کر میرے کان کو پاک کر۔ کان نجس کیسے ہوئے! کہا! یہ جو ابھی موذن نے اذان دی ہے اس نے میرے کانوں کو نجس کر دیا۔ اب تیرا گانا ہی ہے جو میرے کان کو پاک کرسکتا ہے۔ اس محل پر گناہ پایا جاتا ہے اور کسی عبادت کا دور دور تک تصور نظر نہیں آتا۔ اس محل کے اندر ماں، بہن اور بیٹی جیسے مقدس رشتوں کو پامال کیا جاتا ہے خواجہ حسن نظامی کا مختصر سا کتابچہ۔ ''طمانچہ بر رخسارِ یزید'' آج بھی آپ کو بازار میں مل جائے گا۔ اس محل کے اندر ایک منبر بنا کر رکھا گیا ہے جس پر صبح کو بندر اور شام کو کتے کو عربی لباس پہنا کر بٹھایا جاتا ہے۔ آگے بیان کرنا مجھ سے مشکل ہو رہا ہے۔ نعوذ باللہ اس کتے اور بندر کو بیٹھا کر لوگوں کو یاد دلایا جاتا ہے کہ اس منبر پر جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں وہ اس طرح بیٹھتا تھا۔

اس عظیم ہستی سرورِ کائنات کو ان جانوروں سے مشابہت دی جاتی ہے۔ شراب، زنا، غناء، جھوٹ، عریانی، بے حیائی، فحاشی چاروں طرف یہ ماحول۔ مگر اس ماحول میں پروان چڑھنے والا کیسا بہترین مومن بن کر نکلتا ہے کہ بہت سے صاحبانِ ایمان بھی اس منزل پر نہیں پہنچ پاتے۔ اس نے اتنی بڑی قربانی دی ہے کہ کہنا اور ذکر کرنا آسان ہے لیکن عملاً کوئی نہیں کرسکتا۔ اور اس کے ۴۰ دنوں بعد ہی اسے زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ سارا خاندان اس کا دشمن بن گیا۔ اس لئے کہ منبر پر جا کر ایسا خطبہ دے کر آیا اور تختِ حکومت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ ''میرے باپ اور بزرگوں نے اس تخت کی بنیاد علیؑ اور حسینؑ کے خون پر رکھی ہے۔ میں اس حکومت کو حاصل کر کے ان کے خون میں شریک نہیں ہونا

چاہتا"۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ میں اہلِ بیتؑ پر کوئی ظلم نہیں کروں گا اور حکومت جاری رکھتا ہوں، حکومت میں لیتا ہوں۔ میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا، میں نے تو کسی کا خون نہیں بہایا۔ میں نے تو کسی کو قیدی نہیں بنایا۔

آج بھی ایسے کتنے ہی مومن ہیں جن کو باپ کی میراث ملی۔ کہا! ہم نے تو کسی کا حق غصب نہیں کیا۔ ہم نے تو کسی کا حق نہیں دبایا۔ باپ نے اتنا بڑا مکان کیسے بنایا، گاڑی کیسے خرید لی، اتنا Bank balance کیسے کیا، باپ نے یہ کاروبار کیسے چلایا۔ تو جواب دیتے ہیں اس سے ہمارا کیا تعلق ہے۔ وہ جانیں اور ان کے اعمال۔ ہم کسی گناہ میں شریک نہیں ہو رہے اور یہ بہانہ بنا کر وہ دولت لے لیتے ہیں، جس مسئلے اور اسلامی اصول پر آج کا مومن اتنی تھوڑی سی دولت کے لالچ میں آکر عمل نہیں کر رہا۔ یزید کا بیٹا اس پر عمل کر کے دکھا رہا ہے اور اتنی بڑی حکومت چھوڑ رہا ہے۔

کیونکہ اگر وہ خود ظلم نہ بھی کرے تو جس حکومت کی بنیاد ظلم پر رکھی گئی ہے اس کو قبول کرنا بھی ظلم ہے۔ ایسی میراث کو قبول کرنا خود ایک گناہ ہے۔ یہ جو آج ایک مومن کو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے وہ کل یزید کے بیٹے کو سمجھ میں آگیا اور کہتا ہے کہ میرے بزرگ تو آتشِ جہنم میں سزا بھگت رہے ہیں اور ایک آج کا مومن ہے جسے جہنم ہی پر یقین نہیں کہ جہنم ہے بھی یا خالی منبر سے ہمیں چکر دیئے جاتے ہیں۔ اور اس خطبے کے بعد سارا خاندان خلاف ہوگیا کہ تم نے ہماری حقیقت ظاہر کر دی۔ اور ہماری ساری محنتوں پر پانی پھیر دیا۔ جو اپنے زمانے میں سب سے

بڑی حکومت تھی جس کے ۱۸ صوبے تھے اور اس کو ٹھکرا دیا اور دعوتِ عمل دے رہا ہے۔

تاکیدِ خمس:

اور یہاں یہ حالت ہے کہ مومن سے کہہ دیجئے۔ ۱۰ ہزار جو جمع کیے ہیں ان میں ۲ ہزار خمس ہے۔ اول تو خمس مانے گا ہی نہیں کہ خمس آ کہاں سے گیا۔ یہ کس نے مسئلہ نکال لیا اور اگر مان بھی جائے تو ہزاروں بہانے کرے گا۔ مومن کی سادگی اور بھول پنے پہ قربان۔ کہتا ہے کہ یہ تو ہم نے آج تک نہیں سنا آج کہاں سے نکال لیا۔ وہ مومن جو ڈش انٹینا کی مدد سے اتنا بابصیرت ہے کہ دنیا کے آخری کونے تک کی خبر رکھتا ہے۔ خمس کا مسئلہ اس نے کبھی نہیں سنا۔ دسویں پارے کی پہلی آیت ہی خمس کے بارے میں ہے۔ یزید کا بیٹا کہتا ہے پوری حکومت آلِ محمدؐ کا حق اور یہاں مومن آلِ محمدؐ کا حق غصب کئے بیٹھا ہے۔

تربیت میں استاد کا اثر:

یزید کے بیٹے میں انقلاب کی وجہ اس کا استاد تھا جو محبِ اہل بیتؑ تھا۔ یزید نے تو پیدا کر کے اسے چھوڑ دیا۔ ایک مومن نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ امر بالمعروف، نہی ان المنکر، تبلیغ دین۔ اگر انسان ذرا بھی ہمت کر لے تو یزید کے محل میں بھی دین کا پیغام پھیلایا جا سکتا ہے۔ اگر والدین تہیہ کر لیں کہ کچھ بھی کرتا رہے یہودی پروٹوکول ہم اپنی اولاد کو دین منتقل کریں گے تو ہماری اولاد سنور کر رہ جائے۔ تو یقیناً ہماری اولاد یزید کے بیٹے سے بہتر ہو جائیگی کیونکہ ان کی

رگوں میں کبھی بھی دشمنِ اہل بیتؑ نہیں پہنچی۔ یہ ماں کے شکم سے محبت اہل بیتؑ لے کر آئے ہیں اور علیؑ علیؑ حسینؑ حسینؑ سنتے آئے ہیں۔ جب وہ نجس خون تربیت کے نتیجے میں پاک ہوسکتا ہے تو جو خون شروع ہی سے پاکیزہ ہو یہ خون کیسے صحیح نہ ہو اور خصوصیت کیساتھ جو آلِ رسولؐ ہیں۔ سیدزادے ہیں وہ خون کیسے درست نہ ہوگا، مسئلہ یہ ہے کہ توجہ اور وقت دینا ہے۔ یہ مثال میں نے اس لئے دی کہ یہ شیطانی وسوسہ پیدا نہ ہونے پائے کہ ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں اور پھر کربلا کا تو پیغام ہی یہ ہے کہ اگر ساری دنیا ایک طرف جا رہی ہے اور اگر تم چاہو تو ان سب سے ہٹ کر اپنے حق والے راستے پر چل سکتے ہو۔ ہر شخص کا حوصلہ پست ہوسکتا ہے مگر حسینی کا حوصلہ پست نہیں ہوسکتا۔ غیرِ حسینی کہے کہ میں نہیں بچا سکتا تو میں مان لوں گا کیونکہ اس کے بزرگان کا ایسا کردار نہیں۔

ہمارے لئے امام حسینؑ بہترین مثالی نمونہ ہیں۔ کیونکہ حسینؑ اس ہستی کا نام ہے کہ اگر ساری کائنات باطل کے راستے پر چل رہی ہو تو اکیلا حق کے راستے پر چلے گا اور یہ کتنی بڑی کامیابی ہے کہ یزید کے اپنے محل سے۔ حسینؑ کے حق میں آواز بلند ہوئی۔ اور شام کے جوانوں نے یزید کے خلاف تلواریں نکال لیں اور یزید کو pressure میں آکر کہنا پڑا۔ خدا لعنت کرے ابنِ مرجانہ پر اس نے مجھ سے پوچھے بغیر یہ قدم اٹھایا ہے۔ اگر بغیر پوچھے قدم اٹھایا تھا۔ تو اُس دن یزید کیوں کہہ رہا تھا جس دن کٹے ہوئے سر آئے تھے کہ میں نے بدر واحد کا انتقام لے لیا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر (دین کا ستون)

یـا ایهـا الـذین اٰمـنـوا ان تـنـصـروا اللـه ینصر کم و یثبّت اَقْدَامَکُمْ. (سورة محمدؐ)

اسلام تمام social works کی تعریف و حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ایک درخت لگانے کا بہت زیادہ ثواب بتایا گیا۔ پانی کا کنواں کھودنا کتنا ثواب بتایا گیا۔ ارے کنواں کھودنا تو بڑی بات۔ ایک پیاسے کو پانی پلا دینے کا بہت عظیم و بے بہا ثواب۔ اسی طرح ہسپتال بنانا، فلاحی ادارے بنانا، یتیم خانے بنانا، اور اس قسم کے سارے کام۔ یہ سب انسانیت کی خدمت۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ نیکیوں کا پیغام پھیلانا اور معاشرے کو برائیوں سے روکنا۔ ہماری بنیادی ذمہ داری قرار دی گئی۔ اگر تمہارے علاقے میں کوئی ہندو، کوئی غیر مسلم۔ کوئی غیر شیعہ ہے تو دینِ حق کی اس تک آواز پہنچانا تمہاری ذمہ داری۔ اگر تمہارے علاقے میں کوئی بے عمل محبّ اہل بیت ہے تو اس کو گناہوں سے روکنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ کیونکہ جاہل کی ذمہ داری کم اور جاننے والے کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔

جس طرح سونے والے کی ذمہ داری کم اور جاگنے والے کی زیادہ اور

نابینا کی کم، بینا کی زیادہ ہے۔ اگر گھر میں آگ لگ جائے تو جو سور ہے ہیں، آگ سے غافل ہیں۔ ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ جاگنے والے کی ذمہ داری ہے کہ خود بھی آگ سے بچے اور دوسروں کو بھی جگائے اور بچائے۔ ایک آدمی سڑک پر چل رہا ہے۔ اگر کوئی ایسا گٹر نظر آیا کہ جس کا کوئی ڈھکن نہیں تو اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ خود بھی بچے اور جو دائیں بائیں اندھے ہیں انہیں بھی بچائے۔ تو جو جو اسلام کو سمجھتا گیا اس کی ذمہ داری بڑھتی گئی۔ خود بھی عمل کرو۔ اور جو بے چارے لاعلمی کی وجہ سے اسلام سے غافل ہیں انہیں جگاؤ اور بتاؤ۔

اللہ کو کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے:

جو آیت پڑھی تھی اس کا ترجمہ یہ ہے۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ بعض لوگوں کو جو شکایت ہے کہ ہم اللہ سے مختلف معاملات میں مدد مانگتے ہیں، کاروباری معاملات میں، اسی طرح بیماری کا مسئلہ، دشمنوں سے بچاؤ اور اس کے علاوہ ہر آدمی کے ہاں سینکڑوں پریشانیاں ہیں۔ (اولاد نہ ہونے کا مسئلہ، عدم کا، صالح اولاد ہونا، مالی مشکلات، رزق کا، بیٹی کی شادی وغیرہ۔ بیٹا نہ ہونے) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہماری مدد ہی نہیں کرتا۔ قرآن نے الٰہی مدد کی شرط اس آیت میں بتا دی۔ اے ایمان لانے والو پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اللہ کی کتنی مدد کی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی مدد۔ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے وہ کیسے مدد کا محتاج ہو سکتا ہے، جواب ملا۔ اللہ کے دین کی مدد۔

امام حسینؑ آج بھی مدد کیلئے بلا رہے ہیں:

میدانِ کربلا، حسینِ مظلوم اور اس وقت بھی هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَّنْصُرُنَا کی صدا بلند کر رہے ہیں کہ جب کوئی مدد کرنیوالا نظر نہیں آرہا۔ ایک سوال ہے کہ آخر حسینؑ مدد کس چیز کیلئے مانگ رہے ہیں بھئی اپنی جان بچانے کیلئے۔ لیکن اگر عام آدمی ہوتا تو اس وقت قطعاً اپنی جان بچانے کی فکر نہ کرتا۔

عام مشاہدہ یہی ہے کہ دہشت گرد کسی گھر میں داخل ہوتے ہیں اور سارے جوانوں کو شہید کر کے جانے لگتے ہیں۔ بوڑھے باپ اور ماں کہتے ہیں کہ ہمیں بھی مار دو اب ہم جی کر کیا کریں گے اب موت آ جائے تو بہتر ہے۔ جب ایک عام آدمی اپنے گھرانے کو مردہ پائے تو موت چاہتا ہے حسین وہ تو علیؑ کے بیٹے ہیں کہ جن کیلئے موت کبھی مسئلہ تھی ہی نہیں۔ حسین کیا موت سے ڈرتے تھے کہ اپنی جان بچانے کیلئے مدد کو بلا رہے تھے۔ ارے اگر عاشور کی صبح کہہ رہے ہوتے تو سمجھ میں بھی آتا۔ مگر اکبر، قاسم اور عباسؑ کا لاشہ اٹھا کر، اصغر کی قبر تیار کر کے اب جو کہہ رہے ہیں کہ مدد کرو۔ تو کیا ان مراحل کے بعد بھی اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔ ایک عام آدمی ایسے موقع پر موت چاہتا ہے تو حسینؑ تو وہ جو مقاتل کی کچھ حدیثیں ہیں۔ اتنی مستند تو نہیں ہیں کہ استدلال قائم کیا جا سکے۔ لیکن پھر بھی حدیث یہ ہے کہ بعض انبیاء نے مدد کیلئے آنا چاہا، ملائکہ پہنچ گئے، قومِ جن تھی پہنچ گئی۔ اور عرض کی کہ مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن کہا مدد کی ضرورت نہیں۔ تو دو متضاد باتیں ہو گئیں۔ ایک طرف مدد کیلئے پکارا اور

جب مدد کرنے کے لئے آئے تو واپس بھیج دیا۔ پوچھا مولا پھر بلایا کیوں ہے؟ حسینؑ نے اپنے عمل سے جواب دیا۔ میں مدد کو بلا رہا ہوں وہ بھی صحیح ہے۔ آنیوالوں کو بھیج رہا ہوں وہ بھی صحیح ہے۔ اس طرح کہ یہ لوگ جو میری مدد کو آئے میری جانے بچانے آئے اگر میں **ھل من ناصر** اپنی جان بچانے کیلئے کہہ رہا تھا تو ان کی مدد لیتا۔ میں جان بچانے کیلئے نہیں کہہ رہا۔ میں تو اپنے مقصد کیلئے بلا رہا ہوں۔ کیا مقصد بچانے والا ہے کوئی؟ مقصد بچانے کیلئے نہ جن کام آتے ہیں نہ ملائکہ۔ صاحبانِ ایمان کی ضرورت ہے۔ بشر کی ضرورت ہے۔ میرا مقصد ہے اسلام۔ اس لئے یہ آواز ۶۱ھ ہجری سے لے کر قیامت تک کیلئے ہے۔ تبھی تو کہا گیا کہ **کل ارض کربلا، کل یوم عاشورا**۔ ہر زمین کربلا ہے اور ہر دن عاشورا ہے۔ یہ لاہور بھی کربلا ہے اور آج کا دن بھی عاشورا ہے۔ اس لئے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں اسلام کو مددگار کی ضرورت ہے۔ پس اسلام کی مدد کرنا ہے ھل من ناصر کی آواز پر لبیک کہہ کر۔

تبلیغِ دین بھی پُر خلوص ہو، ریا کاری نہ آئے:

لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ کام کو خالصتاً اللہ کیلئے کیا جائے۔ تب اس نیک کام میں برکت و ترقی آئے گی۔ اور ریاء کاری وہ گناہ ہے کہ جسے شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ حیرانی اور تعجب ہے کہ شیخ عباسؒ قمی نے کتاب مفاتیح الجنان میں کونسی ایسی بات لکھ دی ہے کہ دعا و مناجات کی یہ مشہور ترین کتاب

قرار پائی۔ شیعوں کی مقبول ترین کتابوں میں سے ایک، قرآن، کے بعد لوگوں کے پاس یہ پائی جاتی ہے جو گھر گھر میں پائی جاتی ہے مفاتیح کوئی بہت زیادہ ادبی علمی کتاب نہیں۔ ایسی کتاب ہے کہ اوسط درجے کا ایک عالم بلکہ اچھی معلومات رکھنے والا ایک مومن بھی یہ کتاب لکھ سکتا ہے۔ دعائیں ہیں زیارتیں ہیں اور سال کے اعمال ہیں۔ شیخ عباسؒ قمی سے پہلے بھی ایسی کتابیں لکھی گئیں۔ اس کتاب کے بعد تو بے تحاشہ ایسی کتابیں آئیں لیکن وہ مقبولیت کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوئی جو اس کتاب کو ہوئی ہے۔ اس حیرانی کی وجہ شیخ کی زندگی کے ایک چھوٹے سے واقعہ نے بتائی۔ یہ واقعہ ہر دین کی خدمت کرنے والے کے سامنے رکھنا چاہئے۔

شیخ عباسؒ قمی کا خلوص: واقعہ

شیخ عباسؒ کی جوانی (پہلے زمانے میں خصوصاً آج سے 200 سال پہلے کے زمانے میں کتابیں ناپید تھیں کیونکہ Printing Industry کی بالکل نہ تھی۔ کتابیں عام طور پر ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ ایسے زمانے میں شیخ عباسؒ نے بڑی زحمت اٹھا کر ایک کتاب لکھی کہ جس کا موضوع تھا ''نیکیوں کی جزا اور گناہوں کی سزا'' اس میں صرف حدیثیں تھیں۔ ایک ان کا جاننے والا دوست آ گیا اور کہا کہ آپ یہ کتاب مجھے مطالعے کیلئے دے دیں۔ کہا لے جاؤ، وہ لے گیا۔

ان کے بوڑھے والد ایک دن معصومہ قم کے حرم میں نماز پڑھ کر غصے

سے کانپتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور شیخ عباسؒ پر سارا غصہ نکال دیا۔ اور کہا کہ اے عباسؒ میں تو شرمندہ ہوں کہ تم میرے بیٹے ہو۔ کتنی میری تمنائیں تھیں۔ کتنی میری مرادیں تھیں۔ سب تم نے ضائع کر دیں۔ کسی کام نہیں آئے۔ اتنا میں نے تمہیں پڑھایا۔ اتنا میں نے خرچہ کیا کوئی دین کا کام نہیں کر رہے۔ اور ایک دیکھو فلاں نام لیا ان کے دوست کا۔ روزانہ نمازِ فجر کے بعد معصومہ قم کے صحن میں کس طرح سے مومنین کو جمع کرتا ہے اور اتنی محنت کے ساتھ اس نے حدیثیں جمع کیں ہیں۔ لوگوں کو حدیثیں سناتا ہے۔ ان کے کردار کی اصلاح کر رہا ہے۔ ان کی زندگیوں میں انقلاب لا رہا ہے۔ اس کی تبلیغ کی وجہ سے گناہ گار گناہ چھوڑ رہے ہیں۔ تارکِ واجبات واجبات بجالانے لگے ہیں۔ ایسا ہونا چاہئے تھا میرا بیٹا۔ کاش وہ میرا بیٹا ہوتا تمہارے بجائے۔ شیخ عباسؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے لئے نہایت آسان تھا جواب دینا کہ جس کتاب سے وہ ساری حدیثیں پڑھ رہا ہے وہ میری لکھی ہوئی کتاب ہے میری محنت ہے۔ لیکن میں نے سوچا کہ 2 باتیں ہیں۔

۱۔ ایک تو میرے والد غصے میں ہیں۔ اگر میں یہ کہہ دوں کہ بابا آپ کی غلطی ہے اور حقیقت بتاؤں تو شرمندہ ہو جائیں گے۔ باپ کو بیٹا شرمندہ کرے۔

۲۔ اور دوسری بات میں نے یہ سوچی کہ یہ کتاب میں نے کس لئے لکھی ہے۔ تاکہ میرے والد میری تعریف کریں؟ نہیں معاشرے میں میری تعریف

ہو۔ نہیں۔ لوگ کہیں بڑے علامہ ہیں۔ نہیں۔ یہ کتاب میں نے اللہ کیلئے لکھی ہے۔ اور اس لئے لکھی ہے کہ صاحبانِ ایمان کو فائدہ پہنچے۔ چاہے میں پہنچاؤں چاہے کوئی اور پہنچائے۔

اللہ نے شیخ عباسؒ کو وہ عظمت وشہرت دی کہ آج اس آدمی کا نام مٹ گیا جو ان کی کتاب اور ان کی محنت کو استعمال کر رہا تھا۔ تو اگر کام اللہ کے لئے کیا جائے۔ اپنی شہرت کیلئے نہیں۔ اپنے علم کی دھاک نہیں بٹھانا۔ اپنے آپ کو علامۃ الدھر نہیں کہلوانا۔

ایک اور بات کا خیال رکھئے گا کہ دین کی ذمہ داری فقط علماء پر نہیں۔ ہر مومن ومومنہ کی ذمہ داری ہے کہ اسے دین کا کام کرنا ہے۔ جہاں پر بیٹھا ہو، جس حیثیت کا مالک ہو۔ یقیناً عالم کا فریضہ سب سے بڑا ہے۔ اور اللہ نے ہمیں کیسے کیسے علماء دیئے۔ ایک واقعہ سنئے شیخ مرتضیٰ انصاری کا۔ کہ جن کو ان کی ماں نے بغیر وضو کے کبھی دودھ نہیں پلایا۔ دیکھئے بڑا فرق ہے وہاں بنیاد طہارت پر ہے۔ ہمارے بچوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے گناہِ کبیرہ پر یعنی یہاں ماں اول تو دودھ پلاتی نہیں۔ اگر پلاتی ہے تو کیسٹ player میں گانے لگے ہوئے ہیں

نوزائیدہ بچے کی ماں پر گیارھویں دن غسلِ نفاس کر لینا واجب ہے:

ایک اور مسئلہ شریعتِ اسلامیہ میں کوئی بھی عورت بچے کی ولادت کے بعد ۱۰ دن سے زیادہ نجس نہیں رہ سکتی۔ علمائے مقدمین کا ایک فتویٰ ملتا ہے کہ وہ

بھی زیادہ سے زیادہ 18 دن۔ پس جب گیارہواں دن آیا تو اسے غسل کر کے اپنی نمازیں شروع کر دینی ہیں۔ اور ۱۰ دن بھی ہر ایک کیلئے نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی آٹھویں دن، کوئی چھٹے دن، کوئی چوتھے دن، کوئی پہلے دن کوئی ایک گھنٹے کے بعد پاک ہو جائے شریعتِ اسلامیہ کے مطابق۔ کیونکہ ۱۰ دن کے بعد آنیوالا خون خونِ استحاضہ ہوگا پس عورت کو خونِ استحاضہ کے احکام کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ خونِ نفاس صرف ایک ہی لمحہ کے لئے آئے۔ اہلِ سنت کے ہاں 40 دنوں کا مسئلہ ہے۔ شیعیت میں یہ فتویٰ نہیں ہے۔ اور نہ کبھی پہلے 40 دن کا تھا۔ عورت اپنے آپکو 40 دن نجس سمجھتی ہے۔ نتیجتاً جو نمازیں پڑھنا واجب ہیں ان کو قضا کیا جا رہا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر مومن کی ذمہ داری:

المختصر آج ہر مومن و مومنہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہاں بھی ہے جس حیثیت کی مالک ہے۔ معاشرے میں اپنی حیثیت و صلاحیت کے مطابق خدمتِ دین کرے۔ اور آجکل تو عالم کی بات کوئی سنتا بھی نہیں۔ اگر کوئی غیر عالم کہے تو لوگ زیادہ اثر لیتے ہیں عالم کی بات کو تو جمود پسند تنگ نظر مولوی کی بات کہہ کر ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ اگر ہمارا بچہ انجینئر ہے تو وہ انجینئر کے ساتھ ساتھ مبلغِ دین بھی ہو۔ جو ڈاکٹر ہو ڈاکٹر ہوتے ہوئے تبلیغِ دین کرے۔ جس نے MBA کیا ہے یا CA کیا ہے اس میں ساتھ ساتھ اسلام پھیلانے کا جذبہ ہونا چاہئے۔ ہر شخص اسلام کا خدمت گذار ہو اپنی جگہ جس عہدے یا سیٹ پر

بیٹھے ہو اسلام کے مددگار بنو۔

وسائل کی کمی کا کہنا: ایک بہانہ ہے:

اور شیطان ایک خیال اکثر ذہن میں ڈالتا ہے کہ آج کے دور میں وسائل تو ہیں نہیں کیسے دین کو پھیلایا جائے۔ حضرت یوسفؑ کا واقعہ آپ کو یاد ہوگا۔ حضرت یوسفؑ کو ایک گناہ کی پیش کش کی گئی۔ آج بڑے آرام سے کہہ سکتے ہو کہ پروردگار یہ گناہ میں نے اس لئے کر دیا کہ میں کتنا مجبور تھا۔ وزیر اعظم کی بیوی دھمکی دے رہی تھی۔ نہیں حضرت یوسفؑ کا بہانہ تھا مگر گناہ نہیں کیا۔ کاروباری آدمی سے پوچھیں۔ کہتا ہے کہ کیا کریں۔ کاروبار میں تو جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ تو کاروبار نہیں ہو سکتا۔

قید میں بھی تبلیغِ دین ہو سکتی ہے: حضرت یوسفؑ کا عمل

زلیخا نے کہا تھا کہ میری بات نہ مانی تو اپنے شوہر سے کہلوا کر جیل میں بھجوا دوں گی۔ میرا شوہر عزیزِ مصر ہے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک جملہ کہا جو قرآن نے نقل کیا ہے رب اَلسِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ پروردگارا مجھے جیل میں جانا زیادہ پسند ہے۔ اس گناہ کے مقابلہ میں جس کی مجھے دعوت دی جا رہی ہے۔ یعنی یوسفؑ نے بتایا کہ گناہ کر کے آزادی سے بہتر وہ قید ہے کہ جو گناہ سے بچنے کے نتیجے میں ملے۔ اب یوسفؑ جیل میں ہیں اور ان کے پاس ایک ایسا ہنر ہے کہ قیدی اس کے محتاج ہیں۔ اور وہ ہے خواب کی تعبیر بتانے کا ہنر۔ ایک قیدی نے آ کر اپنا خواب بتایا۔ حضرت یوسفؑ نے

جواب نہیں دیا۔ پہلے تبلیغ شروع کر دی۔ایک نے کہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں۔اور دوسرے نے سوال کیا تھا کہ میرے سر پر روٹیاں ہیں پرندے کھا رہے ہیں تعبیر بتاؤ۔یوسفؑ نے تعبیر بعد میں بتائی۔اب تم آہی گئے وہ تو چاہے کسی مجبوری ہی سے آئے۔پوچھا یوسفؑ نے۔ایک بات بتاؤ کہ کئی خداؤں کا ماننا بہتر ہے یا ایک خدا کا۔یہ ہے یوسفؑ کی تبلیغ اور وہ بھی قید میں۔ویسے تو کبھی نہ آتے میری تبلیغ سنئے۔اب اپنی مجبوری کی وجہ سے آ رہے ہیں۔یہی شیعہ ڈاکٹر کا فریضہ ہے۔یہی شیعہ انجینئر کا فریضہ ہے۔یہ شیعہ Business man کا فریضہ ہے۔عالمِ دین اگر تبلیغ کرے گا تو گنے چنے لوگ آئیں گے۔جبکہ تم ایسی جگہ بیٹھے ہوئے ہو اور اگر نہیں تو اپنے آپکو ایسا بناؤ کہ اس عہدے پہ پہنچ جاؤ کہ لوگ تمہارے محتاج ہوں اور جب لوگ اپنی مجبوری کے سلسلے میں آئیں تو ان کا مسئلہ تو حل کرو اور ساتھ ساتھ دین کا پیغام بھی دیتے جاؤ۔اور حضرت یوسفؑ ہمارے سامنے بہترین مثال ہیں۔پس یہ بہانہ نہ کرنا کہ وسائل ہوں تو دین کا کام کریں گے۔نہیں۔قید خانے میں رہ کر بھی تبلیغ کی جا سکتی ہے۔

زینب وسجادؑ کا جہاد:

اگر کبھی یہ دل میں خیال آئے کہ سارا زمانہ ہی ایسا ہے ہم اکیلے کیا کریں گے۔ تو شام میں زینبؑ وسجادؑ کا جہاد دیکھ لو۔سارا زمانہ مخالف تھا اور تنہا زینب وسجادؑ نے جہاد کیا۔اور یہ وہ لوگ کہ جن کی نشو و نما ہی علیؑ کی دشمنی اور لعن طعن بر علیؑ پر کی

گئی ہو۔شام کے لوگوں کا علیؑ کے بارے میں نظریہ وعقیدہ کا اندازہ اس ایک جملے سے لگایا جا سکتا ہے۔شام کا نوجوان دربار میں کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ جس دن سے میں نے یہ سنا کہ اللہ کے رسولؐ نے اپنی بیٹی کی شادی علیؑ سے کی۔اس دن میں نے رسولؐ کا کلمہ پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔جو رسولؐ اپنی بیٹی علیؑ کو دے دے۔اب وہ رسولؐ اس قابل نہ رہا کہ اس کا کلمہ پڑھا جائے۔ذرا سوچئے دشمنیٔ علیؑ کس منزل پر ہے۔اور جب سیدانیاں بازار میں لائی گئیں تو اسی قسم کے نوجوانوں نے کتنا مذاق اڑایا۔اسی لیے بعض علماء نے لکھا کہ جب زینبؑ کبریٰ نے اپنا سر چوب کے محمل سے ٹکرایا۔یہ اس لئے کہ جب دیکھا کہ شام کے بازار میں قافلہ گزر رہا ہے تو دشمنی اس قدر ہے کہ ایک عورت نے مکان کی چھت سے حسینؑ کے سر کا نشانہ لے کر پتھر مارا۔ادھر یہ پتھر سر سے ٹکرایا ادھر زینبؑ کا سر محمل سے ٹکرایا مگر ایک سوال کہ ایسا شام میں اتنا بڑا انقلاب کیسے آیا۔کون سا انقلاب۔کیا پچھتا گیا؟نہیں اگر پچھتاتا تو اگلے سال مدینے پہ حملہ نہ کرتا۔روضۂ رسولؐ میں گھوڑے نہ باندھے جاتے۔اس سے اگلے سال خانۂ کعبہ پر گولہ باری نہ کی جاتی۔پس ندامت و پچھتاوا نہیں ہوا۔پھر اہلِ بیتؑ کو رہا کیوں کیا؟

فقط اس لئے کہ شام کے نوجوان تلواریں نکال کر یزید کے محل کو گھیرے میں لے کر کھڑے ہو گئے تھے۔اے یزید ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ کون ہیں۔اب پتہ چلا۔اگر تو نے ان کو رہا نہ کیا تو ہماری تلوار تیرے خلاف حرکت

میں آ جائے گی۔ تو ایک سال پہلے اسی شام میں علیؑ کی وجہ سے رسول کا کلمہ چھوڑ رہے تھے۔ اور جس شام میں سرِ حسینؑ پر پتھراؤ کیا جا رہا تھا۔ گھر میں بیٹھنے والی عورتیں اتنی زیادہ دشمن ہیں۔ وہ نوجوان کہ جنہیں پالا گیا ہے یزید کی حمایت میں۔ یہی یزید کے خلاف تلوار نکال رہے ہیں۔ یہ زینبؑ و سجادؑ کا جہاد ہے۔ یہ حسینؑ کے بچوں کا جہاد ہے۔

قید میں رہ کر بھی تبلیغ کی جا سکتی ہے۔ ہتھکڑی و بیڑی کے ساتھ بھی انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ زینبؑ کے خطبے، سجادؑ کا دمشق کی مسجد میں خطاب، کہرام بپا ہو گیا۔ دل نرم ہوئے۔ محبتِ اہلِ بیتؑ کا بیج بویا گیا۔ انہی چیزوں نے انقلاب برپا کیا۔ اور حسینؑ کے بچوں کا قید خانے میں تڑپ تڑپ کے رونا۔ انقلاب کیلئے رخسار پر طمانچے بھی کھانا پڑتے ہیں۔

یزید نے اسیرانِ کربلا کو کیوں رہا کیا:

دمشق Capital City دار الخلافہ ہے۔ دار الخلافہ کی ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اس میں جتنے لوگ شہر کے اپنے ہوتے ہیں اتنے ہی لوگ باہر کے ہوتے ہیں۔ دمشق میں ساری اسلامی دنیا کے باشندے ایک ایک دو دو اپنے سرکاری کاموں سے یہاں آئے تھے۔ یہ سب شام میں اکیلے تھے۔ جو سرکاری کام پر آتا ہے وہ بچوں کو لے کر تھوڑا آتا ہے۔ سارا دن دفتروں اور meetings میں گزرتا ہے۔ رات کو اپنے کمروں میں یا ہوٹل میں جا کر سوتے ہیں۔ اور سونے کے وقت ہر ایک کو اپنے بچے یاد آتے ہیں (یہ فطری

بات ہے)۔ ایک شخص خراسان سے، ایک عراق سے، ایک حجاز سے، ایک مصر سے اپنے اپنے کمروں میں سونے لگے ہیں۔ اپنے بچے یاد آ رہے ہیں کہ کان میں کسی بچے کے رونے کی آواز آئی۔ کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اگر بچی رو رہی ہے تو اپنی بچی یاد آ گئی کہ جسے گھر میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ اگر بچہ رو رہا ہے تو اپنا چھوٹا بچہ یاد آ گیا۔ صبح جب ہوٹل سے نکلے پہلا سوال کیا کہ کل رات کو کون تڑپ تڑپ کر اور بلک بلک کر رو رہا تھا۔ جواب دیا کہ یہاں کچھ قیدی لائے گئے ہیں۔ پوچھا کون سے قیدی۔ کہا یہ حسینؑ کا گھرانہ ہے۔ کربلا میں جوان مارے گئے عورتیں اور بچے یہاں قید ہیں۔ پوچھا کہ بچوں کا کیا قصور کہ انہیں قید میں رکھا گیا ہے۔ جواب دیا گیا کہ کیا کیا جائے یزید کی یہی پالیسی policy ہے۔ پوچھا حسینؑ اور یزید کا جھگڑا کس بات پہ تھا۔ تفصیل معلوم ہوئی۔

اب دیکھئے رات بچے روئے تھے ان کی وجہ سے اتنے سوال دل میں پیدا ہوئے ایک آدمی خود بخود پوچھتا جا رہا ہے اور یوں حسینؑ کا پیغام ملتا جا رہا ہے۔ ویسے آپ لاکھ کہتے کہ ہم تمہیں خیر کا پیغام پہنچائیں گے۔ کوئی نہیں سنے گا۔ اب یہ لوگ 3، 4 دنوں میں اپنا کام کیا اور اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے۔ جب اپنے اپنے شہروں میں گئے، گھر والے، ملنے آئے، دوست آئے۔ پوچھا۔ بھئی کیسا رہا سفر۔ کہا بہت اچھا لیکن؟ پوچھا لیکن کیا۔ کہا کہ رات کو کچھ بچوں کے رونے کی آواز سے اپنے بچوں کی بہت یاد آئی تھی۔ اب

یہ آدمی جہاں گئے وہاں حسینؑ کا پیغام لے گئے۔ اور ادھر ہر 3، 4 دن کے بعد نئے لوگ آتے ہیں اور پرانے چلے جاتے ہیں۔ ایک سال میں ساری اسلامی دنیا میں حسینؑ کا پیغام پہنچ گیا۔ کس کی وجہ سے؟ ان ننھے ننھے بچوں کے رونے کی وجہ سے۔ بچوں کو لانا بھی بے کار نہ گیا۔ وہ لوگ کہ جو مسافر تھے جنہیں سید سجادؑ خطبہ نہیں سنا سکتے وہ دن دفتروں میں چلے جاتے تھے۔ انہیں سکینہ اور بچوں کے رونے نے حسینؑ کا پیغام سنایا۔ اور جب سال بعد انقلاب آ گیا اور بی بی زینبؑ جاتے جاتے ایک پیغام دے گئیں۔ وہ کیا؟ وہ یہ کہ کسی بھی معاشرے میں انقلاب پائیدار نہیں ہوتا جب تک کہ وہاں کی عورتیں اپنے آپ کو نہ بدلیں۔ مردوں کو بدلنے سے انقلاب میں استقلال و پائیداری نہیں آتی۔ شام کے مرد و نوجوان بدلے۔ عورتوں تک پیغام نہ پہنچا۔ ایک بہن ایسی حالت میں کربلا سے چلی کہ اپنے گھرانے کے سارے لاشے جلتی ریت پہ دیکھ آئی۔ اب جیسے ہی رہائی ملی تو دل میں یہی تمنا فطرتاً آنی چاہیے؟ واپس جاؤں جا کر دیکھوں کہ حسینؑ کا لاشہ کس حالت میں ہے۔ فطری بات ہے۔ جیسے ہی زینبؑ کو رہائی ملی کہنا چاہیے تھا سجاد بیٹا جلدی سے مجھے کربلا لے چلو۔ میں دیکھوں تو سہی میرا ماں جایا کس حالت میں ہے۔ لیکن فرمایا سجادؑ! یزید سے کہو کہ ہمیں ایک مکان لے کر دیا جائے کیونکہ ہمیں ماتم کرنا ہے۔ کم سے کم تین دن قیام کیا۔ زینبؑ ماتم کر رہی ہے تو شام کی ساری عورتیں آئیں۔ زینبؑ کے پاس بیٹھیں اور زینبؑ کو ان عورتوں کی تعلیم و تربیت کا موقع مل گیا۔

کہ ان عورتوں کو حسینؑ کے انقلاب سے آگاہ کرنا ہے۔ زینبؑ جاتے جاتے عورتوں کو بدل کر جا رہی ہے۔

مصائب:

یزید کہتا ہے میں نے آزاد کیا۔ زینبؑ کہتی ہیں کہ سجادؑ بیٹا مجھے نہیں چاہیے آزادی جب تک کہ ہماری 3 شرطیں نہ پوری کی جائیں۔ ایک بات تو یہیں طے ہوگئی کہ شرطیں وہ لگاتا ہے جو کامیاب ہوتا ہے جو ہار جائے وہ کبھی شرطیں نہیں لگاتا۔ ہارنے والے کی شرطیں مانے گا کون؟

۱۔ پہلی شرط، جب سے ہم کربلا سے نکلے ہیں اب تک اپنے لٹے گھر کا ماتم نہیں کر سکے۔ ایک جگہ دی جائے جہاں ہم ماتم کریں۔

زینبؑ کے ساتھ جو بچے ہیں بڑے پیاسے ہیں۔ یہ کربلا سے پیاسے چلے آ رہے ہیں۔ خوراک آتی مگر اتنی کم۔ کہ کافی بھی نہیں۔ کمزور ہو جانے کی بناء پر زینبؑ بیٹھ کر نمازِ شب ادا کرتی ہیں۔ زینبؑ کی پہلی شرط ہونی چاہیے تھی کہ ہمیں اپنے گھرانے کیلئے خوراک لا کر دی جائے۔ پانی لایا جائے۔ تاکہ ہم سیر ہو کر کھا پی لیں۔ زینبؑ نے بتایا میں پیاسی ہوں مگر ماتم کی، آنسوؤں کی، پانی کی نہیں۔

۲۔ دوسری شرط، جو تبرکات کربلا میں لوٹے گئے تھے وہ واپس کئے جائیں۔

۳۔ تیسری شرط، ہمارے شہیدوں کے کٹے ہوئے سر واپس کیے جائیں۔

آج یزید مجبور ہے ہر شرط مان رہا ہے۔ ایک مکان لے کر دیا

گیا۔ساری سیدانیاں صفِ عزا پر بیٹھیں۔میں نے ارباب سے سنا ہے کہ تبرکات سب سے پہلے عباسؑ کا علم آیا۔زینب نے علم لیا اور سجادؑ کے حوالے کیا اور کہا کہ مکان کی چھت پر علم لگاؤ۔تبرکات آتے گئے۔ایک مرتبہ ایک ایسا کرتہ آیا جو پورا خون سے بھی بھرا ہوا ہے۔تیروں اور تلواروں کی وجہ سے سوراخ بھی ہیں۔زینبؑ نے دیکھا دوڑ کر گئیں۔آنکھوں پہ لگایا۔سجادؑ نے کہا پھوپھی اماں آپ نے پہچانا کہ یہ کون سا کرتہ ہے۔فرمایا۔سجادؑ میں نہ پہچانوں گی۔میں نے اپنی آنکھوں سے مدینے میں دیکھا تھا میری ماں فاطمہ زہراؑ یہ کرتہ سیتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ماں نے کہا تھا بیٹی جب میرا لال مارا جائے گا یہی کرتہ میرے حسینؑ کے جسم پر ہوگا۔آخر میں ایک مرتبہ شہیدوں کے کٹے ہوئے سر آنے لگے۔جس شہید کا سر آتا۔اس کی وارث بی بی آگے بڑھتیں۔قاسمؑ کا کٹا ہوا سر آیا، ام فروہ آگے بڑھیں۔آ میرے لال میری گود میں آجا۔اکبر کا کٹا ہوا سر آیا، لیلیٰ آگے بڑھیں۔عباسؑ کا سر آیا کلثوم آگے بڑھیں۔میرا بھیا عباسؑ آخر میں حسینؑ کا سر آیا۔ساری بی بیاں اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئیں۔کربلا کی طرف رخ کیا۔سلام کرنا شروع کیا۔السلام علیک یا اباعبد اللہ مولا ہمارا سلام لیں۔زینبؑ نے بھائی کا سر لیا۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

اسلام کا پہلا حکم

یا ایھا المدثر. قم فانذر. و ربک فکبّر. و ثیابک فطھر. والرجز فاھجر

27 رجب کی دو خصوصیات ہیں۔

ا۔شبِ معراج، ۲۔عیدِ مبعث۔اس دن پیغمبرؐ کو حکم ہوا کہ اپنی رسالت کا اعلان کرو۔وہ عہدۂ نبوت و رسالت جو خلقتِ نورانی کے وقت سے رسولؐ کے ساتھ تھا اس کے اعلان کا حکم 27 رجب کو ہوا۔یہی وجہ ہے کہ معراج کے حوالے سے نہیں انمیں سے زیادہ تر کا تعلق بعثت کے حوالے سے ہے۔معراج کے حوالے سے نہیں۔27 رجب کا غسل عیدِ بعثت کی نیت سے کرنا ہے۔اسیطرح روزہ بھی۔جس طرح 18 ذی الحجہ عیدِ غدیر پر جس دن اعلانِ امامت ہوا جبکہ تقرر امام کائنات کے بننے کے وقت ہی ہو چکا تھا۔وہ اعلانِ رسالت کا دن ہے تو یہ اعلانِ امامت کا 27 رجب ہی کو غارِ حرا میں پہلی دفعہ وحی نازل ہوئی جبرائیل پہلی پانچ آیات لے کر نازل ہوئے۔

خانۂ خدیجہ میں آکر رسولؐ نے فرمایا۔دَثِّرِیْنِیْ دَثِّرِیْنِیْ. مجھے چادر اوڑھاؤ (تاریخ اسلام۔علامہ نقن) چادر اڑھانے کی بات تو ثابت ہے

ہمارے یہاں بھی لیکن اس کی وجہ جو بتائی جاتی ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔ نہ ہماری عقل مانتی ہے نہ احادیثِ معتبر۔ نہ کوئی ڈر تھا، نہ خوف، نہ جسم کانپ رہا تھا نہ لرزا، نہ پیغمبرؐ پریشان تھے کہ کون آ گیا غار میں۔

ایسا بھی نہ تھا کہ پیغمبر کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وحی کسے کہتے ہیں اور نہ ہی پیغمبرؐ اتنے ناواقف تھے کہ خدیجہ ورقہ ابنِ نوفل کے پاس لے جائیں اور وہ رسول کو سمجھائیں کہ یہ نبوت ہوتی ہے، اس کا نام وحی ہے، ایسا ہی فرشتہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر آیا تھا پس تم بھی اپنے آپکو نبی سمجھو۔ ہمارے پاس روایت ہے کہ جبرائیل جو آئے تو آقا کے انداز سے نہیں آئے۔ اور نہ ہی آ کر نبی کو گلے لگایا اس طرح کہ ہڈیاں کانپ اٹھی ہوں۔ جبرائیل تو ہاتھ جوڑ کر آئے، غلام کی حیثیت سے آئے، نور کی کرسی لے کر آئے اور گزارش کی کہ اللہ کے رسولؐ آپ تشریف رکھئے۔ سونے کا تاج ہاتھ میں تھا 70,000 ملائکہ آئے تھے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہہ رہے ہیں کہ خدا نے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کیجئے۔ بہر حال نبی چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ پھر دوسری وحی اسی دن بلکہ اسی گھنٹے آ گئی۔

جب چادر اوڑھے نبیؐ پاک کچھ دیر گزری تو دوسری وحی آ گئی۔ جو پانچ آیات پر مشتمل تھی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یـا ایھا المدثر. اے چادر اوڑھنے والے۔ قم فانذر کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو ڈراو۔ وربک فکبر اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو وثیـابک فطھر والرجز فاھجر اپنے کپڑے

بھی پاک کرو اور اپنے آپ کو برائیوں سے بھی دور رکھو۔ کپڑے پاک کرو یعنی جسمانی خرابیوں کو دور کرو۔ برائیوں سے پاک کرنا یعنی روحانی خرابی سے پاک کرنا۔

قرآن میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جن میں خطاب تو رسولؐ سے ہے لیکن اصل میں پیغام امت کو دیا جا رہا ہے۔ کہ اے ایمان والو۔ ایمان جیسی نعمت کی چادر کو لپیٹ کر گھر میں لیٹ جاؤ۔ گھر سے نکلو اور یہ پیغام دنیا کے لوگوں تک پہنچاؤ۔ پہلی وحی کا پیغام کہ ٹھیک ہو جاؤ اور دوسری وحی یہ آئی کہ دوسروں کو ٹھیک کرو۔

اسلام کی نظر میں روحانی ضروریات مادی ضروریات زیادہ اہم ہیں:

اسلامی اعتبار سے روحانی ضروریات زیادہ اہم ہیں نہ کہ مادی۔ ایک عورت کے سر پہ چادر نہیں ہے اور چھت بھی نہیں، بے پردہ بھی ہے اور بے مکان بھی۔ آپ بتائیے کونسی ضرورت زیادہ اہم ہے؟ البتہ دونوں ضرورتیں ضروری ہیں۔ یہاں یہ بات نہیں ہو رہی کہ ہوا کھا کر گزارہ کریں جو کہ لوگ علماء سے کہتے ہیں کہ جی آپکو تو سب کچھ جنت میں ملنے والا ہے یہاں کیا چاہئے۔ ایک لنگوٹی پہن لیجئے، کھجور کے درخت کے نیچے لیٹ جایئے۔ ایسا تو اسلام بھی نہیں کہتا۔ البتہ اگر جان جا رہی۔ تو یہ مادی ضرورت یقیناً زیادہ اہم ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک آدمی مر رہا ہے، ڈاکٹر کہہ رہا ہے کہ اگر فی الفور اسکو یہ دوا نہ دی گئی تو یہ مر جائیگا اور آپ دوا کی شیشی لے کر کھڑے ہیں کہ پہلے 2 مسئلے

توضیح کے سن لو، امرونہی واجب ہے پھر دوا پلاؤں گا۔ یہ بات نہیں ہو رہی۔ جسمانی اور روحانی ضرورتوں کے ٹکراؤ میں روحانی ضرورت کو مقدم کرنا چاہئے۔ میں اس موضوع پر حدیثیں پیش کرسکتا ہوں لیکن آپکے سامنے سیرت رسولؐ سے ایک مثال دیتا ہوں۔ نبیؐ کے سامنے دو مسئلے ہیں۔

ا۔ کچھ لوگوں کو جو مدینہ سے لٹے پھٹے بے سامان آئے ہیں انہیں گھر فراہم کرنا۔

۲۔ تبلیغ اور اشاعت دین کے مرکز یعنی مسجد کا قیام۔

دلیل: بے گھر اصحاب کے گھروں کی بجائے مسجد نبویؐ کا قیام

مسجد نبویؐ میں رسولؐ نے چبوترا (صفہ) بنوایا تھا۔ اور اس پر کھجور کے پتوں کا چھپر ڈالدیا۔ چبوترا چاروں طرف سے کھلا تھا، اور ذرا زمین سے اوپر تاکہ بارش کا پانی اصحابِ صفہ کو تنگ نہ کرے۔ مدینے کی گرمی اور لُو، اور سردیوں میں شدید سردی کہ اطرافِ مدینہ میں پانی برف ہو جاتا تھا۔ مدینے سے جو بے سروسامانی کی حالت میں تھے لیکن شادی شدہ تھے۔ ان کا نبیؐ نے الگ انتظام کیا لیکن جو مجرد تھے، غیر شادی شدہ ان سب کو نبیؐ پاک نے اس چبوترے پر بٹھادیا۔ 1 ہجری سے لے کر 9 ہجری تک وہ مسلمان چبوترے پر رہے اور بہت ہی شریف اور محترم گھرانوں کے مسلمان۔ مکے میں پوری پوری جائیدادیں چھوڑ کر یہاں رہ رہے ہیں۔

پرانا زمانہ تھا نوکری کا رواج کم تھا۔ ذریعہ معاش یا زمین یا مویشی یا کھیتی باڑی اور یہ چیزیں اٹھا کر لائی نہیں جاسکتیں۔ رسولؐ دن بھر کارِ رسالت انجام دینے کے بعد شام کو ان کے پاس ان کی دل جوئی کیلئے آبیٹھتے۔ اگر رسولؐ اصحابِ صفہ میں سے ہر

ایک کیلئے ایک ایک کمرہ بھی بنا دیتے تو بھی مسجد کیلئے دی جانے والی زمین سے آدھی مسجد کیلئے بچی رہتی۔ یعنی اگر رسولؐ چاہتے تو ان کو مکان دے کر مسجد کو چھوٹا کر دیتے۔ لیکن مسجد جو کہ تبلیغِ دین کا مرکز تھا آپؐ نے اس کو چھوٹا نہ کیا۔ آج کی مسجد نہیں تھی کہ نماز کے 15 منٹ بعد تالا لگ جائے اور پھر مغربین کی نماز کیلئے کھلے۔ اس وقت مسجد نبوی کے دروازے تو تھے ہی نہیں ہر جانب سے مسجد کھلی تھی۔ مسجد تبلیغِ دین کا مرکز تھی۔ وہیں پر عدالت لگتی تھی۔ وہیں پر لشکر تیار کئے جاتے تھے۔ غیر ملکی مہمانوں سے آپؐ ملاقات کرتے تھے۔ خطوط بھیجے جاتے تھے حتیٰ کہ جنابِ رفیدہ جو نبیؐ کے زمانے کی ایک نرس تھیں وہ زخمیوں کا علاج بھی وہیں آکر کرتی تھیں۔

آج صفہ گواہی دے رہا ہے کہ پیغمبرؐ نے پہلے بے گھر لوگوں کو آباد نہیں کیا بلکہ پہلے تبلیغِ دین کا انتظام کیا گیا۔۔ انسان کی جسمانی ضروریات کو پورا نہ کیا بلکہ پہلے روحانی ضروریات کا خیال رکھا۔ درس دیا کہ بغیر گھر کے انسان گزارا کرسکتا ہے لیکن بغیر تبلیغ کے گزارا نہیں ہوسکتا۔ اچھا مسجد نبویؐ نماز کیلئے نہیں اتنی جلدی بنائی گئی۔ نماز کیلئے تو مسلمانوں نے ایک انصاری کے باغ میں ایک بیت الشرف Prayer Room بنالیا تھا۔ پیغمبر کو زیادہ نماز کیلئے اب جگہ کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو ہے، تبلیغ کیلئے جگہ چاہئے۔ نبیؐ پاک کو خطبے دینے کیلئے جگہ چاہئے۔ المختصر آج قرآن میں سورۃ مدثر ایک قوم کو زبانی پیغام دے رہا ہے کہ کھڑے ہو (قیام کرو) اور اسلام پھیلاؤ اور مسجد نبوی میں صفہ کا وجود عملی پیغام دے رہا ہے کہ تبلیغ زیادہ اہم ہے۔

سیرتِ زینبؑ کا پیغام

حضرتِ زینبؑ نے جو اپنی سیرت و زندگی میں ایک اہم ترین پیغام پہنچایا ہے۔ وہ یہ کہ جتنے بھی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تمام مصائب کے دوران فریضۂ تبلیغ، فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اور دوسروں کو حقائق دین سے آگاہ کرنا، یہ کبھی زینبؑ کے طرزِ عمل سے جدا نہیں ہوا۔ رو رہی ہیں تب بھی فریضۂ تبلیغ جاری ہے، قیدی بنیں تب بھی اور بازاروں اور درباروں میں خطبے دے دے کر تبلیغ کے فریضے کو انجام دیا، جوانی کے زمانے میں بھی۔ رسولؐ جب زندہ ہیں، زینبؑ بچی ہیں مدینے کی بچیاں جب کھیل کیلئے بلاتی ہیں تو زینبؑ تبلیغ کا سلسلہ جاری کر دیتی ہیں۔ زینبؑ کی ضعیفی آئی ہے تو زینبؑ قیدی بنیں لیکن دربار و بازار ہر جگہ خطبات کے ذریعے تبلیغ جاری ہے۔

جنابِ زینبؑ کی قبر کہاں ہے۔ شام کے شہر دمشق میں سیدہ زینبؑ کے نام سے ایک عالیشان روضہ ہے۔ مصر کے شہر قاہرہ میں ایک روضہ ہے۔ مدینے میں جنت البقیع میں بھی ایک قبر کو زینبؑ کی قبر کہا جاتا ہے۔ یہ تین جگہوں پر بی بی کی قبر کے بارے میں اختلاف اس لئے ہوا کہ یہ پتہ نہ چل سکا کہ بی بی کہاں فوت ہوئیں تھیں اور یہ اس لئے پتہ نہ چل سکا کہ سید سجادؑ اور

زینبؑ نے تقسیم کیا۔ سید سجادؑ نے امامت کے فرائض انجام دینے کیلئے مدینے کو مرکز بنایا۔ بی بی کو تبلیغِ دین اور پیغامِ حسینؑ پہنچانا تھا چنانچہ شہزادیؑ نے یہ مناسب سمجھا کہ شہر شہر جائے۔ زینبؑ نے مدینے میں حسینؑ کی صفِ عزا بچھائی۔ ایک عرصہ گزرا انقلاب کے آثار نظر آنے لگے تو دیکھ لیا تھا کہ نامِ یزید داخلِ دشنام ہو گیا تھا۔ چنانچہ آئیں اور یہاں آ کر صفِ عزا بچھائی۔ چھ مہینے سال کے بعد یہاں بھی انقلاب سا آنے لگا۔ کہا گیا کہ انہیں طائف بھجوا دو۔

اب یہ ہو رہا ہے کہ حکومت کے ہاتھوں سے تبلیغ کا سلسلہ ہو رہا ہے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم ہر شہر سے زینبؑ کو جلاوطن کر دیتے ہیں۔ زینبؑ سفر اور غربت سے پریشان ہو جائیں گی۔ یہی تو زینبؑ کا مقصد تھا کہ میں جگہ جگہ پہنچوں۔ قاہرہ بھی گئیں، دمشق بھی، مدینے بھی، اس سفر میں کہیں انتقال ہو گیا اور یہ ساری خدمتِ دین ضعیفی میں ہے۔ وہ ضعیفی جو کربلا و شام کے مصائب کی وجہ سے ہوئی عام ضعیفی نہ تھی۔ کہ چھوٹا بھائی محمدِ حنفیہ آ رہا ہے لیکن اپنی بڑی بہن کو نہیں پہچان پا رہا۔ تو پیغام مل رہا ہے اے زینبؑ کبریٰ کے جانثارو! اے زینبؑ کبریٰ کی کنیزو! اے جشن منانے والو۔ یہ سیرت ہے کہ ایک لمحے کیلئے بھی غافل نہ ہونا۔ شہزادی بن کر بھی زینبؑ نے تبلیغ کی اور قیدی بن کر بھی۔

ہمارا آج کا معاشرہ حق کا پیغام قبول کرنے کو تیار و آمادہ نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم انہیں حق کا پیغام سنا نہیں سکتے بلکہ سنانا پڑے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ، بیٹھے ہیں اور کوئی آ کر انہیں بتائے حق کا پیغام بلکہ کان

بند کئے ہوئے ہیں لوگ، عقل پر پردے ڈالے ہوئے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ جو معاشرہ ہمیں ملا ہے وہ حق ہے۔ ایسے حالات و ماحول میں ان مواقع کو ڈھونڈنا پڑتا ہے کہ جن میں ہم حق کا پیغام معاشرے تک پہنچا سکیں۔ قرآن نے اعلان کیا: "اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نذیر۔ میدانِ قیامت میں ہم ہر گناہگار سے سوال کریں گے۔ کیا تمہارے پاس ہماری طرف سے کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا۔ انہیں کہنا پڑیگا۔ بَلٰی۔ آیا تو تھا۔ مگر ہم نے اسے یہ کہا کہ یہ تم خدا کا پیغام نہیں دے رہے ہو خدا ایسی بات نہیں کہہ سکتا بلکہ اپنے دل سے یہ بات بنا کر لائے اور ہمیں ڈرا رہے ہو۔ سورہ مبارکہ ملک سپارہ ۲۹ کا پہلا سورہ کے درمیان میں یہ گفتگو ہوئی ہے جو روزِ قیامت خدا گناہگاروں سے کریگا۔ اور یہ جواب ہمیں آج بھی بہت سے مومنوں کی زبانوں سے ملے گا۔

اگر ہم اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے لگیں۔ اگر کوئی آپکو یہ کہہ دے کہ تم تو یہ بات اپنی طرف سے بنا کر لائے ہو تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہے۔ آپ نے اس کے بند کانوں تک یہ پیغام پہنچا دیا ہے تب ہی تو اس نے کہا کہ ہم نہیں مانتے۔ تو یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ اسے منوائیں۔ فَذَکِّرۡ اِنَّمَا اَنۡتَ مُذَکِّرٌ. لَسۡتَ عَلَیۡهِم بِمُصَیۡطِر. الا من تولی و کفر فیعذبه الله العذاب الاکبر. اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَهُمۡ ثُمَّ ان عَلَیۡنَا حِسَابَهُمۡ. ارشادِ الٰہی ہو رہا ہے کہ اے رسولؐ ان کو یاد دلا دیجئے۔ آپ تو ان تک فقط پیغام پہنچانے والے ہیں۔ آپ سے خدا یہ نہیں کہہ رہا کہ ان سے عمل

کرواؤ۔ آپ ان کے مصیطر (نگران) نہیں۔ آپکی بات سن کر یہ کتنا ہی بھاگیں پلٹ کر انہیں ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ ان کا ایاب (واپسی) تو ہماری طرف ہی ہے۔ پھر ہم ان کا حساب کتاب لیں گے۔

دین کی تبلیغ کیلئے اپنے عہدے کو جائز حدود میں استعمال کرو:

آج کے دور میں اگر ہم کہیں کہ مجلس ہو رہی ہے۔ پوچھیں گے کہ کون صاحب پڑھ رہے ہیں۔ بتایا گیا فلاں عالمِ دین۔ اس میں تو جانا ہی نہیں۔ درس ہو رہا ہے اس میں تو جانا ہی نہیں۔ اگر آپ نے آج کے دور میں اپنی ذمہ داری کو پورا کیا تو معاشرے میں ایک نکھو بن کر رہ جائیں گے۔ کوئی آپ کے پاس بیٹھنے کو تیار نہ ہوگا۔ دفتر میں کوئی آپ کے ساتھ بات کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ سکول و کالج میں لوگ آپ کے سائے سے بھی دور بھاگیں گے۔ خاندان والے آپ سے الجھیں گے کہ وہ صاحب آگئے۔ اب تو آدھے گھنٹے کا لیکچر سننا پڑے گا۔ جب ایسا معاشرہ بن جائے کہ لوگ کان کھولنے تک کو تیار نہ ہوں تو ہم اپنی ذمہ داری کیسے پوری کریں۔ کیا ہم صرف یہ کہہ کر بری الذمہ ہو جائیں گے کہ خداوندا ہماری کوئی بات سننے کو بھی تیار نہ تھا۔ ایسے ماحول میں صرف ایک ہی طریقہ انسان کے پاس رہ جاتا ہے کہ اپنی معاشرے میں position کو، اپنے مقام و عہدے کو، اپنے status کو استعمال کرے۔

ایک دفتر کا سربراہ، ایک ٹیچر جس کے پاس 50 طالب علم اس کی کلاس

میں پڑھ رہے ہیں، ان کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ایک تعلیمی ادارے کا سربراہ ہے وہ پابندی لگا سکتا ہے کہ ہر 9 سال سے اوپر کی لڑکی کو چادر پہننا ہے۔اسی طرح ایک ڈاکٹر ہے اس کے پاس مریض آتے ہیں وہ اپنے مقام کو استعمال کر سکتا ہے۔تبلیغ سے مراد کوئی لیکچر نہیں ہیں۔جو منبروں سے تبلیغ کی جاتی ہے وہ الگ طریقہ ہے، ہر جگہ اسی طریقے کو نہیں گھسیٹ کر لے آنا۔انسان کو زندگی میں کوئی موقع ایسا مل ہی جاتا ہے کہ جب لوگوں کو اس کی بات سننا پڑتی ہے پس ان مواقع کو استعمال کیا جائے۔اس کی بہترین مثال شہزادی زینبؑ کی سیرت ہے۔جنابِ زینبؑ کی زندگی کے 5 مراحل ہیں۔جن میں سے 2 ایسے مراحل ہیں کہ لوگ اپنے فائدے کیلئے زینبؑ کے خاندان کے قریب آ رہے ہیں۔تیسرا موقع ایسا ہے کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ مظلوم کو دیکھ کر اس کے قریب ضرور جاتا ہے اور دو موقع ایسے ہیں کہ جب دنیا اس خاندان سے دوری اختیار کر رہی ہے۔زینبؑ کو جو بھی موقع ملا اپنے مقام کو استعمال کرتے ہوئے زینبؑ نے تبلیغ کی۔

حضرت زینبؑ کا بچپن اور تبلیغِ دین:

پہلا مرحلہ ولادت سے 11 ہجری تک جب زینبؑ کے ناناؐ زندہ ہیں۔عرب کے مخلص مومنین کے علاوہ باقی عام مسلمانوں نے بھی اپنی بچیوں سے کہہ دیا کہ زینبؑ کے ساتھ جا کر کھیلا کرو کیونکہ اس سے بھی تعلقات بنتے ہیں۔اور جب تعلقات بنیں گے تو بعد میں کبھی ہمارے کام آئیں گے کیونکہ

جب جنابِ زینبؑ کی ولادت ہوئی تو یہ مکہ نہیں تھا کہ مسلمان پتھر کھا رہے ہوں یہ مدینہ تھا جہاں پیغمبر حکمران ہو چکے ہیں۔نبیؐ پاک کی حکومت خود اس بات کا ایک ثبوت ہے کہ یہ تصور ہی غلط ہے کہ کسی عالم یا مذہبی پیشوا کو کبھی قیادت و سیاست نہیں کرنا چاہئے۔بہت سے لوگ جن کو مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں۔اور چونکہ انہیں عرب ہی میں رہنا ہے اس لئے نبیؐ سے سیاسی تعلقات بڑھانے کی کوشش میں ہیں۔اس کا ایک طریقہ یہ کہ بچوں سے کہا کہ جا کر زینبؑ سے کھیلو۔چنانچہ جزوی روایات میں ملتا ہے کہ زینبؑ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تبلیغ کی۔بی بی کھیلتے کھیلتے کبھی بچیوں سے کہتی ہیں جس طرح عام طور پر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کل میری ماں نے یہ کہا، میرے باپ نے یہ کہا۔بی بی فرماتی ہیں کل میرے نانا نے مسجد میں یہ مسئلہ بتایا، کل میری ماں نے کچھ عورتوں کو یہ بات بتائی۔وہ پانچ چھ سال کا عرصہ جو ولادتِ بی بی سے لے کر وفاتِ رسول تک کا ہے۔لوگ اسی طرح اپنے لڑکوں کو حسنینؑ کے پاس بھیجتے ہیں، خود مرد رسولؐ کے پاس جا رہے ہیں، عورتیں فاطمہ شہزادی کے پاس آ رہی ہیں۔ہر کوئی اشاعتِ دین میں مصروف ہے۔

حضرت زینبؑ کی تبلیغِ دین کا دوسرا مرحلہ:

لیکن 11 ہجری کیا آئی، نبیؐ کا انتقال کیا ہوا کہ یہ سارا عرب خاندانِ اہلبیتؑ کو چھوڑ کر چلا گیا۔اس عرصے میں جب زینبؑ کے پاس کوئی نہ آیا تو وہ صدمہ نہیں ہوا جو ہم کو ہوتا ہے۔کہ اگر کوئی بڑے شوق سے ہماری بات سن رہا ہے اور اس

کے بعد ہم کو ٹھوکر مار کر چلا جائے۔ دوبارہ کبھی آتا ہے تو ہم توجہ دینے کو بھی تیار نہیں ہوتے۔ پھر 35 ہجری میں زینبؑ کا بابا خلافتِ ظاہریہ پر فائز ہوا۔ اب پھر دنیا دوڑ کر آرہی ہے، اس لئے کہ علیؑ ہی سے سارے کام نکلیں گے۔ علیؑ کیلئے زینبؑ سے تعلقات استوار کرو۔ اس وقت زینبؑ بی بی شہزادی ہیں پوری اسلامی مملکت کی۔ مردوں نے کہا اپنی عورتوں سے کہ تم زینبؑ کے پاس جاؤ۔ بی بی نے دیکھا کہ یہ وہی گھرانے ہیں، یہ وہی خاندان ہیں جو نانا کی آنکھ بند ہوتے ہی بے وفائی کر کے چلے گئے تھے، آج پھر آرہے ہیں۔ ہر انسان ایسے آنیوالوں کو قبول نہیں کرتا۔ مگر یہاں مسئلہ اپنا نہیں دین کا ہے۔ آؤ۔ زینبؑ تمہارے استقبال کیلئے تیار ہے۔ اس لئے کہ تبلیغ تمہارے ہی درمیان کرنا ہے۔ گناہگاروں کو بھگانا نہیں گناہگاروں کو قریب لانا ہے، انہی تک پیغام پہنچانا ہے۔ اگرچہ تم ہی لوگوں نے بے وفائی کی تھی۔ انسانی عقل یہ کہتی ہے کہ ان پر بھروسہ نہ کرو۔ مگر دین کہتا ہے کہ تم اپنی ذمہ داری ادا کرو۔ زینبؑ شہزادی نے ان عورتوں کو جمع کر کے مدرسہ قائم کیا۔ اپنے گھر میں بعض اوقات چار چار ہزار عورتیں زینبؑ کے پاس آجاتی ہیں اس لئے کہ روزانہ گھنٹہ دو گھنٹہ کسی نہ کسی مسئلے پر بحث ہوتی تھی۔ اب ہر عورت کو پتہ بھی چل گیا کہ دوپہر گیارہ بجے جاؤ تو مثلاً زینبؑ کے گھر میں ضرور ملاقات ہوجائے گی۔ حکمران خاندان سے دن میں ایک ملاقات بھی جیسے لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ جب ہمارے ہاں صفدر مرزا کا زمانہ تھا ان کو تاش کھیلنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ سب لوگ تاش کھیلنے

لگے۔ ایوب خان کو Golf کھیلنے کا شوق تھا ہر آدمی کے ہاتھ میں Golf کی Stick آگئی۔ الناس علی دین ملوکھم۔ لوگ وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو ان کے بڑوں کا طریقہ ہوتا ہے۔

اور بی بی کی تبلیغ کا باقاعدہ ایک طریقہ تھا۔ چنانچہ ایک روایت بہت مشہور ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ زینبؑ کے گھر ہی کی بات ہے کہ ایک دن مولا کسی کام سے ہفتے کے دن گھر آئے۔ بی بی نے باقاعدہ دن تقسیم کئے ہوئے تھے کہ ہفتے کو قرآن کی تعلیم ہوگی۔ مولا نے دیکھا کہ اس وقت درس ہو رہا ہے۔ واپس جانے لگے۔ بی بی نے سوال کیا بابا کیسے آنا ہوا۔ جواب دیا ایک کام تھا وہ کام بعد میں بھی ہوسکتا ہے یہ کام زیادہ اہم ہے۔ بی بی نے فرمایا جب آپ آہی گئے ہیں تو میری تمنا ہے کہ آج آپ گفتگو کرتے جائیں۔ علیؑ دین کا کام تھا اسلیے بیٹھ گئے، حکومت کو چلانا ہے زیادہ وقت نہ تھا۔ فرمایا بیٹی زینبؑ ایک آیت کی تفسیر بیان کرونگا۔ آج تمہارے ہاں کس سورہ کی باری ہے۔ فرمایا بابا پچھلے ہفتے اٹھارہویں سورة، سورہ کہف کو مکمل کرلیا تھا۔

آج سورہ مریم کا آغاز ہونا ہے۔ فرمایا مولا نے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پہلی آیت تھی کھیعص اور وہ تفسیر کی جو آپ اکثر اربابِ منبر سے سنتے ہیں کہ یہ آیت خاندانِ اہلبیتؑ ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کاف سے کربلا، ھاء سے ھلاکت، یاء سے یزید، عین سے عطش (پیاس)، صاد سے صبرِ حسینؑ، بیٹی۔ میں نے ایک آیت کی تفسیر کردی ہے اب میں جا رہا ہوں۔ یہ

منظم کام زینبؑ کا 41 ہجری تک چلتا رہا۔ 41 ہجری کو مولا شہید ہوئے تو جہاں مردوں نے حسنؑ کے ساتھ بے وفائی کی تو وہاں وہی عورتیں بھی پیچھے ہٹ گئیں۔ لیکن زینبؑ کے سامنے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلے بھی مسئلہ دین کا تھا اور اب بھی دین ہی کے لئے کوشش تھی۔

41 سے 61 ہجری بیس سال گزر گئے۔ سوائے مخلص مومنین و مومنات کے کوئی نہیں آتا۔ 61 ہجری میں واقعہ کربلا کے بعد زینبؑ قیدن اور مظلوم بن گئیں۔ پہلے تو فقط مسلمان توجہ دیتے تھے۔ مظلومیت کی مدد ہر کوئی کرنا چاہتا ہے چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ زینبؑ کے ہاتھ گلے سے باندھ دیئے گئے ہیں۔ اونٹ کی پیٹھ پر بٹھا کر کوفہ سے شام لے جایا جا رہا ہے اور زینبؑ اپنے خطبات کے ذریعے ہر جگہ پیغامِ حق پہنچا رہی ہیں اور قید کے بعد زینبؑ کی جلاوطنیاں اور زینبؑ تبلیغ اور پیغامِ حق پہچاتی رہیں۔ بی بی نے مظلومیت کو استعمال کرتے ہوئے دین کی تبلیغ کی۔ الخلاصہ یہ کہ ہر موقع پر بی بی نے اپنے مقام کو استعمال کیا اور ان لوگوں تک پیغامِ حق پہنچا دیا جو عام حالت میں کبھی سنتے۔

شادی۔۔۔ تبلیغ دین کا ایک اہم موقع:

ہماری زندگی میں ایک موقع شادی بیاہ کا ہوتا ہے یہ وہ موقع ہے کہ وہ آدمی جو کبھی آپکی بات سننے کو تیار نہ ہو۔ آپ کے گھر میں شادی ہو تو وہ آئے گا۔ وہ آدمی نہ کبھی مسجد میں آپکے قریب آئیگا نہ امام بارگاہ میں۔ لیکن شادی میں

آئیگا چاہے اکٹھا آئے۔ اس موقع کو استعمال کیجئے۔ خطبہ نکاح ہمارے ہاں فقط عربی میں ہو جاتا ہے جبکہ اس میں تبلیغ موجود ہے۔ پس اس موقع پر ایک چھوٹی سی مجلس ہو جائے۔ اتنی بڑی بھی نہ ہو کہ لوگ گھبرا جائیں۔ اور اتنی چھوٹی بھی نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ اسی طرح برسی اور قل و سوئم و چہلم کے موقع پر اپنے و غیر سب آتے ہیں۔ اس موقع کو استعمال کرنا ہے۔ امام بارگاہ بنایا ہی اسی لئے جاتا تھا کیونکہ ہندوستان میں غیر مسلم (ہندو) تھے۔ مسجد بنوائی تو وہ آئیں گے اور نہ ہی ہماری شریعت اجازت دیتی ہے کہ ہندو مسجد میں داخل ہو۔ امام بارگاہ بنائے گئے تاکہ ہر آدمی ہر حالت میں آسکے۔ ان مواقع پر ان لوگوں کے کانوں تک یہ پیغام پہنچایا جا سکتا ہے جو عام حالت میں کبھی نہ آئیں لیکن ان مواقع پر انہیں رسماً بھی آنا ہے۔ لیکن ہمارے یہاں ان مواقع کو بھی فوراً ایک طرح سے ضائع کیا جا رہا ہے۔ بے شک مرنے والے کو تو ایصالِ ثواب ہو جاتا ہے لیکن معاشرے کی اصلاح کا کوئی کام نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح نذر و نیاز کا موقع ہے، کسی کے ہاں دسترخوان ہے۔ اب جہاں اتنے سارے اہتمام ہو رہے ہیں۔ تو اس موقع کو تبلیغ کیلئے استعمال کیا جانا چاہئے۔ کسی کے ذہن میں یہ بھی خیال آئیگا کہ یہ تو بہت مشکل چیز ہے، لوگ اعتراض کرنے لگیں گے۔ آپ پلٹ کر دیکھ لیجئے شیطان جو ہمیں گمراہ کر رہا ہے وہ انہی مواقع کو استعمال کر رہا ہے۔ مگر نہ اسے ہماری مروت ہے نہ خیال۔ ہم گھبرا جاتے ہیں کہ اگر عین شادی کے موقع پر ایک تقریر ہو رہی ہے جس میں پردے یا داڑھی کا تذکرہ آگیا تو ہمارے سارے مہمان ناراض ہو

جائیں گے کیونکہ لوگ تو یہاں تک کہ دیتے ہیں۔واہ! عجیب آدمی ہیں آپ۔مہمان بنا کر بلوایا ہے اور ہمیں گالیاں سنوار ہے ہیں۔کیونکہ آیاتِ قرآنی اور احادیث آئمہ کو گالیاں کہا جاتا ہے۔لیکن یہ تو سوچئے جب اس کے ہاں شادی ہوتی ہے کیا وہ آپکا لحاظ رکھتا ہے۔ہاں جب نکاح پڑھنے عالمِ دین جائے تو تھوڑی دیر کے لئے گانے بند کردیئے جاتے ہیں۔یا آواز آہستہ کردی جاتی ہے کہ یہ آواز ابھی کچھ دیر عورتوں تک رہے مردوں میں نہ پہنچے اور پھر کوشش یہ کی جاتی ہے کہ مولانا صاحب کو جلد از جلد رخصت کر دیں کہیں اعتراض نہ کر دیں بلکہ بعض اوقات تو رخصت بھی نہیں کیا جاتا کیونکہ نکاح پڑھنے کیلئے تو بلا لیا جاتا ہے لیکن واپسی کا انتظام خود نکاح خوان کو کرنا ہوتا ہے۔

بہر حال اسے کوئی خیال نہیں آتا، وہ یہ لحاظ نہیں کرتا کہ جو مہمان آئے ہیں وہ دیندار ہیں گانا پسند نہیں کرتے اس لئے ہم بند کر دیں۔نہیں، وہ اپنے طریقے پر قائم ہیں، انہیں ہمارا کوئی خیال نہیں۔جب باطل پر چلنے والوں کو ہمارا خیال نہیں تو ہم کیوں حق کی بات کرنے میں مروت اور خیال کرتے پھریں۔اور جن کا معاشرے میں کوئی مقام ہے ان کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔

احتیاط کی بات:

ایک بات کا خیال رکھنا ہے کہ ہر آدمی پر ہمیں اتنا وزن ڈالنا ہے جتنا وہ اٹھا سکے۔مثلاً ایک آدمی 10 من وزن اٹھا سکتا ہے اگر ہم اس پر 20 من وزن ڈالیں تو وہ یقیناً نہیں اٹھا پائیگا بلکہ وہ 10 من بھی گرا دے گا جو وہ اٹھا سکتا

تھا۔دین کا جو پیغام پہنچانا ہے تو یہ دیکھ کر پہنچانا ہے کہ اس آدمی میں کتنی باتیں برداشت کرنے کی طاقت ہے۔اب اس کا ایک منفی مطلب ہے جو لوگ فوراً نکال لیں گے کہ جی ہمارا معاشرہ تو ہے ہی ایسا۔یہ لوگ ابھی یہ باتیں سن ہی نہیں سکتے۔اس لئے ان باتوں کو بیان کرنا چھوڑ دیا جائے۔اگر ایک علاقے والے داڑھی اور پردے کی بات نہیں سن سکتے تو اس کے علاوہ دیگر موضوعات پر وعظ و نصیحت کی جاسکتی ہے۔پس ہر آدمی کے سامنے اتنی بات پیش کریں جتنی وہ سن سکتا ہو۔پھر یہ نہیں کہ رک جائیں۔بلکہ اسے آہستہ آہستہ طاقتور بنائیں۔

ہمیں میڈیا کے ذریعے تبلیغ میں پیچھے نہیں رہنا چاہیے:

یہ جو گانوں اور فلموں کا اتنا رواج بڑھ گیا ہے۔اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ شیطان کو تو معلوم تھا کہ لوگوں کو time پاس کرنا ہے۔وقت گزارنے کیلئے کوئی چیز چاہیئے۔اس نے لوگوں کی ضرورت سے فائدہ اٹھایا۔وقت گزارنے کیلئے کیسٹ بہترین چیز ہے چنانچہ گانوں کے کیسٹ معاشرے میں چل پڑے، فلموں کے کیسٹ پہنچ گئے ہر جگہ۔اگر ہم بیک وقت تیار ہوتے۔یہ چیزیں ہم پیش کر دیتے تو ہم کامیاب ہو جاتے۔گانے کی کیسٹوں کے متبادل نوحے اور تقاریر کی کیسٹ پہنچائے جاتے۔انڈین یا انگلش فلم کے بدلے دینی ڈرامائی فلمیں پیش کر دیتے۔ناول اور ڈائجسٹ کی بجائے دینی کتب پہنچا دیتے تو جلد کامیاب ہو جاتے۔جب کوئی وعظ و نصیحت والی مجلس پڑھے تو لفاظی والے مقررین اسے یہ کہتے ہیں۔آپکو کیا ہو گیا ہے؟۔ہمارا معاشرہ اس قابل نہیں کہ اس کو یہ باتیں سنائی جائیں۔

اندازِ تبلیغ کیا اپنائیں؟

﴿والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا و عملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر﴾

پورے قرآن میں جو پیغام ہے وہ خدا نے اس مختصر سورہ کی 3، 4 آیتوں میں انتہائی مختصر کر کے پیش کر دیا۔ خسارہ یا گھاٹا یا نقصان کاروباری لوگوں کی اصطلاح میں کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز ہم نے ایک روپے کی خریدی۔ ایک ہفتے کے بعد اسی چیز کی قیمت ۱۰۰ روپے ہوگئی۔ ہم نے اسکو بازار میں بیچ دیا۔ ایک روپیہ لگایا۔ ۱۰۰ روپے کمائے۔ ہر انسان یہ کہے گا کہ اس انسان نے عقلمندی سے کام لیا۔ اور بہت ہی نفع والا سودا کیا ہے۔ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ جو چیز ہم نے روپے کی خریدی اور ہفتہ بعد اس کی قیمت ۱۰۰ روپے ہوگئی تھی اب مہینے بعد اس کی قیمت ہزار روپے ہوگئی۔ اب وہی شخص جو اپنی عقلمندی پر تعریف کر رہا تھا۔ آج وہی شخص اپنی بے وقوفی پر اپنے آپ کو کوسے گا کہ میں نے کتنی بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ اگر میں ذرا ٹھہر جاتا تو وہی روپے کی چیز ۱۰۰ کے بجائے ۱۰۰۰ روپے میں بیچتا۔ اور وہی معاشرہ جو کل اس شخص کی حکمت اور دانشمندی کی داد دے رہا تھا کہ کاروباری آدمی ہو تو ایسا کہ ایک

روپیہ لگا کر سو روپیہ کمایا۔ آج وہی معاشرہ تنقید کرے گا کہ اس نے حالات کو سمجھا ہی نہیں۔ سوچا بھی نہیں کہ اس چیز کی قیمت بڑھ کر ۱۰۰۰ تک بھی ہوسکتی ہے۔ وہی شخص جو کل ہمیں فائدے میں نظر آتا تھا۔ آج نقصان میں نظر آرہا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں وہ انسان جس کے پاس وہی چیز تھی۔ بازار میں اس کی قیمت ۱۰۰ روپے ہوگئی۔ لیکن اس نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ معاشرہ اسے برا بھلا کہے گا۔ ہوسکتا ہے اس کے گھر والے اس میں مذمت کریں کہ تم کیا بیوقوفی کر رہے ہو جلدی سے اسے بیچ ڈالو۔ دیکھو فلاں صاحب جو ہمارے پڑوس میں رہتے ہیں وہ ۹۹ روپے کا نفع کما کر آگئے۔ لیکن جب مہینہ گزرنے کے بعد یہی شخص اس چیز کو ۱۰۰۰ روپے میں بیچتا ہے۔ تو وہی گھر والے اس سے راضی اور خوش ہیں۔ آج معاشرہ بھی اس کی تعریف کر رہا ہے۔ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ کہ انسان نے اپنے آپ کو دنیا کی تمام لذتوں کیلئے بیچ دیا اور دنیا کی دولت، دنیا کے عیش و آرام خریدنے میں لگ گیا۔ دنیا کی لذتیں تو 50 سال میں ختم ہو جائیں گی لیکن لذتِ اخروی اور اجرِ اخروی لافانی ہے۔ اگر ہم دنیا کے بازار کی بجائے آخرت کے بازار میں لاکر سودا کرتے تو ایک سے 10,000 یا ایک لاکھ یا ایک کروڑ بن جاتا۔

آج کا زمانہ تو یہی ہے کہ داڑھی رکھنا بیوقوفی کی نشانی ہے، پردہ کرنا پسماندہ ذہن کی علامت ہے۔ دین کی پابندی کرنا اپنے آپ کو Backword اور رجعت پسند کہلوانے کے مترادف ہے۔ مگر وہی لوگ

میدانِ قیامت میں تعریف کر رہے ہوں گے۔ اور یہ وہی چیز ہے جسے قرآن نے بھی کہا ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ علیٰ تِجارَةٍ﴾ اے صاحبانِ ایمان کیا ہم تمہیں ایسے business کے بارے میں نہ بتائیں کہ ﴿تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گا۔

پھر قرآن نے اس بیماری کا علاج بھی بتادیا ہے کیونکہ قرآن خالی بیماری ہی کو نہیں بتاتا بلکہ علاج کیطرف بھی ہدایت دیتا ہے۔ اب قرآن نے اِلَّا الَّذِيْنَ سے آخر تک وہ نسخہ بتایا جو ہمیں خسارے اور نقصان سے بچائے گا۔

جو قرآن کا نسخہ سنیں تو ایک بات ذہن میں رکھئے کہ انسان اگر دنیا میں بھی اگر کسی طبیب سے اپنا علاج کروائے اور وہ طبیب ایک نسخہ لکھ کر دے۔ جب تک مکمل نسخے پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ مکمل فائدہ اور مکمل علاج بھی نہیں ہوگا۔ یہ نسخہ 4 اجزاء پر مشتمل ہے۔ 4 دوائیوں پر مشتمل ہے۔

ا۔ ایمان:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پہلی چیز تو یہ ہے کہ تم ایمان لے کر آؤ۔ ہمارا معاشرہ اس ایک جزء/ دوا کو لے رہا ہے۔ اس سے خسارے میں ضرور کمی آئے گی۔ لیکن نفع اور فائدہ نہیں ملے گا۔ جب تک کہ مکمل نسخے پر عمل نہ ہو۔

۲۔ اعمالِ صالح:

دوسرا جزء وعملوا الصالحات. نیک عمل کرو۔ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا طبقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ خالی ایمان لانے سے نجات مل جائے

گی۔ یقیناً نجات بالآخر ضرور مل جائے گی لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ یہ غلط فہمی ہے۔ یہ تو ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے کہ جس شخص کے دل میں بھی جو کے دانے کے برابر ایمان ہے اس کو بالآخر جنت میں جانا ہے۔ لیکن مسئلہ جنت میں جانے کا نہیں مسئلہ اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کا ہے۔ جتنے گناہ کیے ہیں ان کی سزا انہیں برداشت کرنا پڑے گی۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ایمان اور عملِ صالح انجام دینے سے نجات یقینی ہے اور ہم اس خسارے/گھاٹے/ نقصان سے بچ جائیں گے۔ جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہوتا کہ ان اجزاء پر عمل کرنے سے خسارے سے بچ جاتے تو قرآن کی آیت یہیں رک جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

خسارے سے بچنے کیلئے تیسری دوا وَتَوَاصَوْا بِالْحَق ایک دوسرے تک پیغام حق پہنچانا۔ اگر آپ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک اندھا آدمی اس راستے پہ جا رہا ہے۔ جس پر کنواں ہے۔ اور آپ اس لئے اسے نہ ٹوکیں، کہ وہ کہیں ناراض نہ ہو جائے اور وہ کنویں میں گر جائے تو گناہ آپکا ہو گا۔ اس کا نہیں۔ لہذا امر بالمعروف ونہی عن المنکر صرف شرعی نہیں بلکہ عقلی ذمہ داری بھی ہے۔

۴۔ صبر کرنے کی نصیحت کرنا:

اور اس کے فوراً بعد قرآن نے چوتھی چیز بتائی کہ جب حق کا پیغام معاشرے کو پہنچانے جاؤ گے تو معاشرہ ایسا تو نہیں کہ پھولوں کا ہار لے کر آپکا استقبال کرے، مٹھائی کا ڈبہ لے کر آپ کو خوش آمدید کہے یہ معاشرہ وہ ہے کہ جو اسے پیغامِ حق پہنچاتا ہے تو اسے پتھر کھانا پڑتے ہیں۔ تو ہم نے اس معاشرے کو حق کا پیغام دیا تو سب کے سب لوگ استقبال کریں گے۔ اسی لئے چوتھی شرط تو اصو بالصبر بتائی کہ حق پہنچانے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت بھی کرتے رہو۔ اس لئے کہ جب تک مومن کے پاس صبر نہیں ہوگا۔ اس وقت وہ دین کیلئے فائدہ مند نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ معاشرے میں وہ لوگ کہ جن کا فائدہ اسی میں ہے کہ معاشرہ جاہل رہے۔ معاشرہ بے عمل اور گناہ کے راستے پر چلتا رہے۔ جب ہم اس معاشرے کو صحیح کرنا چاہیں گے تو وہ ہمارے راستے میں رکاوٹ بنیں گے۔ اور ہمارے پیغام کو ختم کرنا چاہیں گے۔ اور اس کا وہ ایک طریقہ یہ بھی اختیار کریں گے کہ ہمیں جوش دلائیں گے۔ ہمیں غصہ دلائیں گے۔ ہر باطل کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ حق کی تبلیغ کرنے والے کو جوش میں لے آئے۔ جھنجھلا دے۔

تو اصوا بالصبر میں بہت ساری چیزیں آجاتی ہیں۔ انسان کا طریقۂ تبلیغ مناسب، الفاظ مناسب ہونے چاہئے۔ سب سے پہلے اپنا اخلاق ٹھیک ہونا چاہئے۔ سامنے والے کو دیکھ کر بات کرنا چاہئے اور صبر کا دامن کبھی

ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ یہی وجہ ہے کہ روایاتِ معصومینؑ میں صبر کے بارے میں ایک عجیب بات بتائی گئی ہے۔ الصبر من الایمان کالرّاسِ مِنَ الجَسَد. معصومؑ فرماتے ہیں صبر کا ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کا جسم سے ہے۔ جس طرح اگر سر نہ رہے تو جسم بیکار ہے۔ اگر ایمان تو ہے لیکن صبر نہیں ہے تو یاد رکھو یہ ایمان فائدہ مند نہیں ہوگا۔

ایک بات اور کہ ہم انسانوں کا کتنا عجیب دستور ہے کہ ہم دنیا کیلئے الگ طریقے بنا کر بیٹھے ہیں۔ اور آخرت کیلئے الگ طریقے بنا کر بیٹھے ہیں۔ وہی چیز جس کو وہ کہتے ہیں کہ Common sense کی بات ہے۔ یہ ایک عقلی بات ہے۔ لیکن جب وہی بات آخرت والے پیش کرتے ہیں۔ تو اب وہی اصول ان کا بدل جاتا ہے۔ اس کی 2 مثالیں پیش کرتا ہوں۔

پہلی مثال: دنیا میں رہنے کیلئے ایک اصول بنایا گیا۔ وہ اصول یہ ہے کہ اگر آپکو کہیں تیار ہو کر سفر پر جانا ہے۔ مثلاً آپ یہاں سے کراچی جا رہے ہیں۔ کراچی Air port پر اترے۔ اور آپکو وہاں سے واپس کر دیا گیا کیونکہ آپ کے PassPort کی تاریخ expire ہو چکی تھی۔ آپ نے Visa نہیں لیا یا آپکے کاغذات میں کوئی اور خرابی نکل آئی۔ اور آپ نے واپس آکر کہا کہ دیکھو کتنا بڑا ظلم ہوا ہے میرے ساتھ۔ بہت بڑی تعداد کہے گی۔ خصوصاً پڑھے لکھے لوگ۔ جو کہیں گے غلطی تمہاری ہے ان کی نہیں۔ تمام دنیا میں قانون کو مانا جاتا ہے۔ یہ مسافر کی ذمہ داری ہے کہ وہ کاغذات کو صحیح کر کے

نکلے۔ اگر آپ کی تیاری ناقص رہ گئی اور انہوں نے یہ دیکھے بغیر کہ 10، 8 یا 12 ہزار کا ticket لے کر آئے ہیں۔ آپ کو Air port سے واپس کر دیا تو غلطی آپکی مانی جائے گی۔ لیکن یہ اصول دنیا کے تمام قوانین میں شامل ہے اور جب ہم اس قانون کو آخرت کے سفر کیلئے لاگو کرتے ہیں تو لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جو آخرت کے سفر کی تیاری کرے اور جو سفرِ آخرت سے لاپرواہی کرے لوگ اسی کی تعریفیں کرتے ہیں۔ مثلاً داڑھی کا رکھنا آج کے اس معاشرے میں انسان کو کیا فائدہ مل جاتا ہے۔ نہ اس کی دولت بڑھتی ہے نہ اس کی عزت۔ بلکہ اگر داڑھی رکھنے والا خصوصاً نوجوان ہو تو وہ قابلِ مذمت، ہر شخص اس کا مذاق اڑانا اپنا فریضہ سمجھتا ہے بڑے سے بڑے فرد سے لے کر بس کے کنڈیکٹر تک۔ وہی دنیا کے تعلیم یافتہ افراد، دانشمند اور مفکر حضرات، عقلمند افراد، جو دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے سفر کی تیاری نہ کرنیوالے کا مذاق اڑاتے ہیں اور تیاری کر کے جانیوالے کی تعریف کرتے ہیں۔ آخرت کا مسئلہ آیا تو انہوں نے اپنا اصول بدل دیا۔ اور یہ ان لوگوں کی بات ہے جو آخرت کو مانتے ہیں۔ جو آخرت کو نہیں مانتے ان کا تو مسئلہ ہی کچھ اور ہے۔ یہ داڑھی کا مذاق اسی مومن اور مسلمان معاشرے میں ہوتا ہے جو کہتا ہے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ.

دوسری مثال: یہ جو پڑھے لکھے لوگ ہیں جو ہر جگہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو عقل کی بات کرتے ہیں۔ ہم تو logic کی بات کرتے ہیں۔ ہم تو Common

Sense کی بات کرتے ہیں مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ان کا اصول دنیا کی حد تک ہے۔ آخرت کے اصول ان کے علیحدہ ہیں۔ جتنا زیادہ جس نے دنیاوی تعلیم حاصل کی ہوگی، اور جتنا زیادہ جس کے پاس دنیاوی مقام ہو گا۔ جس کا Social Status جتنا بلند ہوگا۔ اتنا زیادہ ہی وہ ناراض ہوگا اگر آپ اس کے سامنے دین کے کسی واجب یا حرام کو پیش کریں۔ جتنی تعلیم بڑھتی جاتی ہے احکاماتِ الٰہی سے اتنی بغاوت بڑھتی جاتی ہے۔ دیکھئے اگر ہمارا یہ اصول ہو کہ اگر کوئی بھی آدمی ہمیں ہماری غلطی، ہمارا نقص بتائے گا تو ہم برا مانیں گے۔ اگر یہ اصول ہو تو پھر بھی گزارا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہ اصول صرف آخرت کے بارے میں ہے۔ اگر کوئی آخرت کی خرابی ہمیں بتائے گا تو ہم ناراض ہوں گے۔ دنیا کے بارے میں یہ اصول نہیں ہے، دنیاوی خرابی بتائی جائے تو اس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کسی تقریب میں گیا۔ ایک ایسا قابل اور مشہور ڈاکٹر وہاں پر موجود ہو۔ اس نے آپ سے کہا۔ آپ میرے ذرا قریب آیئے میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میرا تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ آپ میں یہ بیماری آچکی ہے۔ آپ اپنا check up کروا لیجئے۔ آپ نے اگلے دن اپنا چیک اپ کروایا۔ پتہ چلا کہ آپ واقعاً بیمار ہیں اور ایسے بیمار کہ اگر وہ آج آپکو نہ بتاتا تو چند دنوں کے بعد موت یقینی تھی۔ اب آپ ہر ایک سے تذکرہ کریں گے کہ اس نے میری بیماری بتا کر میری زندگی بچالی۔ آپ یہ نہیں کہیں گے کہ اس نے میرا

نقص بتا کر میری توہین کر دی۔اسی طرح مثلاً۔آپ مارکیٹ جا رہے ہیں۔کسی نے آپکو بتایا کہ اس راستے سے نہ جایئے کیونکہ آگے پتھراؤ ہو رہا ہے یا فائرنگ ہو رہی ہے۔دوسرے راستے سے چلے جائیں۔آپ اس کا شکریہ ادا کریں گے۔آپ واپس آئے۔اگلے دن اخبار میں آیا۔پتہ چلا کہ وہاں واقعاً بڑا زبردست ہنگامہ تھا۔لوگ مارے جا رہے تھے۔آپ بار بار اس کا اچھائی کے ساتھ تذکرہ کریں گے کہ پتہ نہیں کہاں سے ایک غیبی فرشتہ نکل کر آیا اور اس نے ہماری ہدایت کی۔آپ یہ نہیں کہیں گے اسے۔کہ تم نے میری توہین کر دی۔تم نے مجھے کیوں ڈانٹا۔

یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں زندگی میں آتی رہتی ہیں۔اسی طرح کالج میں داخلہ لینے جا رہے ہیں۔کسی نے آکر مشورہ دیا کہ اس کالج کی پڑھائی خراب ہے۔فقط نام ہی نام ہے۔وہ دوسرا کالج بہتر ہے وہاں پر نام لکھوا لو۔2 دن کے بعد آپ نے واقعۃً realise کیا تو آپ اس کے قصیدے پڑھیں گے کہ فلاں آدمی نے میری زندگی بنا دی۔پس اصول کیا بنا کہ اگر دنیاوی نقصان ہو رہا ہو اور کوئی آپ کے نقص کے بارے میں بتائے یعنی دنیاوی نقصان سے بچائے۔تو آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ اس نے بھری محفل میں آپ کو ذلیل کر دیا بلکہ 20،20 سال کے بعد بھی یاد کیا جاتا ہے۔فلاں موقع پر ایک ایسا آدمی آیا تھا۔کس طرح اس نے مجھے نقصان سے بچا لیا۔لیکن اگر آخرت کا معاملہ ہو۔اگر کسی آدمی/مومن کی داڑھی نہ ہو۔ہم اسے پیار سے داڑھی کا کہیں

تو یہ خیال کرنا چاہئے کہ ہماری ہدایت کی گئی۔ہمیں نقصان سے بچایا گیا۔لیکن یہاں معاملہ الٹا ہے۔اگر مجلس میں کچھ لوگ اتفاق سے بغیر داڑھی کے ہوں، یا کچھ خواتین بغیر پردے کے ہوں۔اور دورانِ مجلس داڑھی یا پردے کا تذکرہ آ گیا۔تو اگرچہ 50 آدمیوں کی داڑھی نہیں ہے۔لیکن ہر شخص یہ تصور کرتا ہے کہ یہ خاص کر مجھے دیکھ کر مجلس پڑھی جاتی ہے کہ فلاں عالم سے۔پتہ نہیں ان کی مجھ سے کب سے دشمنی ہو گئی۔یعنی کہا جاتا ہے کہ فلاں ذاکر یا عالم منبر سے ہمیں گالیاں دے کر گیا۔ معصومؑ کا جملہ ہے کہ مجھے اپنے دوستوں میں سے سب سے زیادہ وہ پسند ہے جو میرے روحانی نقائص کو مجھے بطور تحفہ پیش کرتا ہے۔معصومؑ تو نقائص سے پاک ہوتا ہے۔پس یہ ہمیں درس دیا جا رہا ہے۔

حدیث: ''مومن مومن کا آئینہ ہے'' کی تشریح:

اسی طرح المومن مرآۃُ المومن .آئینہ جسمانی نقائص آپ کو بتاتا ہے۔کہاں داغ لگا ہے۔کہاں رنگ لگا ہے؟ آئینہ بالکل حقیقت بتا دیتا ہے۔آئینہ کو اس کسی کا پردہ نہیں ہے کہ یہ آدمی جو میرا مالک ہے، جو مجھے خرید کر لایا ہے، جو روزانہ میری صفائی کرتا ہے۔یہ میری شکل دیکھ رہا ہے۔اس کے نقائص اس کو دکھانے کی وجہ سے ایسا نہ ہو کہ مجھ سے ناراض ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ مجھے توڑ کر پھینک دے۔آئینہ جیسے ہم ہیں ویسا ہی ہمیں پیش کرے گا۔بس مومن کی تعریف بھی یہی ہے کہ ہر مومن دوسرے کیلئے آئینہ ہے۔وہ

مومن یہ خیال نہیں کرے گا کہ ہمارے آپس کے تعلقات خراب نہ ہو جائیں۔ یہ خیال نہیں کرے گا کہ ہماری دوستی نہ ختم ہو جائے۔ اگر اپنے مومن برادر میں خرابی اور غلطی دیکھی ہے تو ضرور بتائے گا۔

پس صبر کا ایک مطلب تو آپ نے سمجھ لیا کہ معاشرہ چاہے برا بھلا کہے۔ گالیاں دے۔ پتھر برسائے، کانٹے بچھائے، آپ کو نہ غصے میں آنا ہے، نہ جھنجھلانا ہے۔ نہ یہ سوچنا ہے کہ یہ کیسے بے توفیق لوگ ہیں ہم ان کی اچھائی کی بات کرتے ہیں اور یہ ہم سے برائی سے پیش آتے ہیں۔ چھوڑو، جانے دو انھیں جہنم میں۔ مومن کی یہ فکر نہیں ہوسکتی کہ چھوڑو جانے دو انہیں جہنم میں۔ وہ کوشش یہ کرتا ہے کہ ان سب کو جنت میں لے آئے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں اگر آپ نے کوئی تبلیغ کی بات کی اور پتھر کھایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ آپ نے جو اپنی بات دوسروں تک پہنچانا چاہی، وہ دوسروں تک پہنچ گئی۔ انہیں سمجھ بھی آئی تب ہی تو انہوں نے پتھر مارا۔ یعنی ردعمل ہمیشہ یہ بتاتا ہے کہ عمل ہو گیا ہے۔ تالاب میں بننے والی لہریں اس بات کا ثبوت ہے کہ جو کنکر آپ نے تالاب میں ڈالا تھا وہ پانی کو جا لگا۔

تبلیغ کا طریقہ کار:

جتنا ہم آہستہ آہستہ کام کریں گے اتنا ہی وہ کام پائیدار ہو گا۔ یہاں پر ایک نکتہ واضح کرتا ہوں۔ ایک چیز ہوتی ہے revolation یعنی انقلاب، ارتقاء۔ پیغمبر کی سیرت کو دیکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پیغمبر کی تبلیغ میں

انقلاب نہیں بلکہ ارتقاء ہے۔ انقلاب ہوتا ہے کہ بٹن دبائیں، حالات اور معاشرہ بدل جائیں۔ ہم یہ چاہیں کہ جادو منتر پڑھیں اور معاشرہ بدل جائے۔ جبکہ ارتقاء کہتے ہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کرنا۔ جس طرح نچلی منزل پر آنا ہو تو سیڑھی کے ذریعے Step by Step نیچے اتریں۔ نہ کہ اوپر والی منزل سے نیچے والی منزل پر چھلانگ لگا دیں۔ اس طریقے میں بہت زیادہ امکانات ہیں کہ ہمیں نقصان پہنچ جائے یعنی ہم گر جائیں گے۔ اگر قدم ٹھہر ہی گئے تو مضبوطی سے جم نہیں سکیں گے۔ تو معاشرے میں ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے، درجہ بدرجہ انقلاب لانا ہے۔

ایک اہم نکتہ:

اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ جو کام پہلے کا ہے اسے بعد کیلئے نہ چھوڑیں۔ ہم ایک بہت بڑی غلطی کرتے ہیں کہ ہم نے اس صدی میں تاریخ اسلام کا ایک عظیم انقلاب دیکھا۔ اور جب بھی ہم کسی انقلاب کو دیکھتے ہیں تو وہی غلطی کرتے ہیں جو اس شہزادے نے کی یعنی ''آنکھوں کی سوئیوں والا شہزادہ'' اردو کی بہت مشہور حکایت ہے کہ جادو کر دیا کسی نے شہزادے کے اوپر۔ جادو ایسا کہ سر سے پیر تک اس کے جسم میں سوئیاں پیوست ہیں۔ جو بھی اس سے محبت کرنیوالی تھی وہ گئی اور بڑی زحمتوں سے جادو کا توڑ لے کر آئی۔ اور وہ توڑ یہ تھا کہ اس کے سارے جسم سے سوئیاں نکالنا ہیں۔ چنانچہ اس نے چن چن کر ایک ایک سوئی نکالنا شروع کی۔ یہاں تک کہ جو آخری سوئیاں

آنکھوں میں لگی ہوئی تھیں وہ نکالنا رہ گئیں۔وہ کسی کام سے گئی۔کوئی دوسری عورت فقط آنکھوں کی سوئیاں نکالتی ہے۔شہزادے نے جب آنکھ کھولی۔اپنے سامنے جس عورت کو دیکھا۔سمجھا کہ یہ ہے میری محسنہ۔اس نے میری مصیبت ختم کی ہے۔چنانچہ شادی بھی اسی سے کی۔اور وہ بے چاری جس نے اتنی زحمتیں کی تھیں۔وہ ذرا کام سے باہر جانے کی وجہ سے تمام فائدے سے محروم رہی۔یہی ہماری بھی صورتِ حال ہے ہم نے اس انقلاب کو کب دیکھا؟ جب ہماری آنکھوں کی سوئیاں نکلیں۔

یعنی آخری مرحلے میں دیکھا کامیاب ہوتے ہوئے۔اور یہی غلطی ہم سے ہوئی ہے جب ہم آئمہ اور رسولؐ کی سیرت کو دیکھتے ہیں کہ رسولؐ نے فتح مکہ کے موقع پر یا مدینہ جا کر اتنی تیزی سے اسلام کو پھیلایا اور انقلاب برپا کر دیا۔تو ہم غلطی کر جائیں گے۔ہمیں بالکل شروع سے دیکھنا ہے کہ پیغمبرؐ کا طریقہ کیا تھا۔یعنی صبر کے ساتھ کام کرنا۔پہلے لوگوں کے ذہنوں کو بدلنا۔اس میں جتنا بھی ٹائم لگ جائے۔اس کی کوئی فکر نہیں۔پیغمبرؐ کا یہ طریقہ نہ تھا کہ ایک دم سے معاشرے میں ہنگامہ کر کے لوگوں کو دین کی طرف لے کر آئے۔

ہمیں دیمک کے کیڑے کی طرح کام کرنا ہے:

ہمیں اگر معاشرے میں کام کرنا ہے تو ایک مثال سمجھنا چاہیے۔ایک چوک پر ایک بھونکنے والا کتا ہے، آپ دیکھیں گے کہ وہ کتا اپنے مقصد میں بہت کم کامیاب ہوگا۔کیونکہ جیسے ہی اس نے کسی مسافر کو آتے دیکھا بھونکنا

شروع کر دیا۔اس کے بھونکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو وہاں سے گزرے گا ہاتھ میں لاٹھی لیکر گزرے گا۔پتھر لے کر، پہلے سے اپنی حفاظت کا انتظام کر کے گزرے گا۔چنانچہ بھونکنے والا کتا ناکام۔کیونکہ وہ پہلے سے بتا دیتا ہے کہ میں اس راستے میں موجود ہوں۔اس کے مقابلے میں ننھا سا کیڑا دیمک۔وہ کس طرح کام کرتا ہے؟ بڑے بڑے مکانات جس زمانے میں پورے مکانات لکڑی کے بنائے جاتے تھے، موٹے موٹے شہتیر۔انسان ان کو دیکھے تو گھبرا جائے کہ اس کو تو اپنے مقام سے ہٹانا بھی مشکل۔مگر دیمک اسے کھالیا کرتی ہے اور ایک لمحے میں پوری عمارت زمین بوس ہو جایا کرتی ہے۔دیمک اوپر سے لکڑی کو کبھی نہیں چھیڑے گی بلکہ اندر ہی اندر رہ کر کام کرے گی۔یہاں تک کہ اندر سے لکڑی کا جتنا گودا اسمیں ہے اسے کھا کر ختم کر دے گی۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چلتے ہوئے بھی اگر کسی کی ٹھوکر لگی اس شہ تیر کو تو وہ ٹوٹ جائے گا۔جس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ چلتے ہوئے بھی اگر کسی کی ٹھوکر لگی اس شہ تیر کو تو وہ ٹوٹ کر زمین پہ آکر گر گیا۔دیمک کامیاب ہوگئی۔اتنا حقیر سا کیڑا۔اور اس کے مقابلے میں وہ بھونکنے والا خونخوار کتا۔ناکام ہوگیا۔یہی طریقہ ہے جو تبلیغِ دین کیلئے پیغمبرؐ نے بھی استعمال کیا تھا کہ اس طرح سے لوگوں کے ذہنوں کو بدل دو۔کہ پھر صرف ایک آخری ٹھوکر مارنے کی ضرورت آئے تو پورا معاشرہ اٰمَنّا اور صَدَّقْنا کہہ کر مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو جائے۔

سیرتِ پیغمبرؐ سے صلح حدیبیہ کی مثال:

اب یہ واقعہ بھی ان بدقسمت واقعات میں سے ایک ہے کہ ہماری مجالس میں پورا واقعہ صرف ایک جملے کی حد تک رہتا ہے کہ کسی کے دل میں اتنا شک پیدا ہوا نبوت کے بارے میں کہ اس نے کہا کہ "آج جتنا شک ہوا کبھی نہیں ہوا"۔ مسلمان اتنے طاقتور ہو چکے ہیں کہ اب مکے کے مشرکین میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر تقریباً ۱۰ ہزار مسلمان نبیؐ کے ساتھ تھے۔ پورا لشکر احرام پہن کر عمرہ کرنے کی نیت سے آیا۔ لیکن انہیں راستے میں روک لیا گیا۔ پھر کافی دیر کے بعد یہ طے پایا کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔ اس سال ہم انھیں عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ نبیؐ نے صلح نامہ پر دستخط کر دیئے۔ مسلمانوں میں اس وقت اتنا جوش، جذبہ اور غصہ آ گیا کہ یہ چند مشرکینِ مکہ، ان کی کیا مجال کہ یہ ہمیں روکیں۔ آج مسلمان مکمل طاقت میں ہیں۔ آج کافروں کو شکست دینا منٹوں کی بات ہے۔

آپ اس وقت کی طاقت کا اندازہ کریں کہ یہی حدیبیہ کا قافلہ اس کے بعد مدینہ آ کر جنگِ خیبر میں قلعہ خیبر کو توڑتے ہیں۔ جسے یہودیوں نے صدیوں کی محنت کے بعد بنایا تھا۔ جسے توڑنا عرب میں ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ تو مکے کے کافر کچھ بھی نہ تھے۔ اور مکہ شہر کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں۔ مکہ شہر نیچے ہے۔ پس دشمن کی فتح یقینی ہوتی ہے۔ کیونکہ دشمن پہاڑی سے نیچے کی طرف آتا ہے۔ اور ذرا سا بھی فوجی حکمتِ عملی کو جاننے والوں کو پتہ ہے کہ پہاڑی پر بیٹھنے والے کو ہمیشہ ایک advantage / فائدہ رہتا ہے۔ چھوٹا سا لشکر بھی

انہیں ہرا سکتا ہے اور کہاں مسلمانوں کا ۱۰ ہزار کا لشکر۔ اچھا خیبر میں معاملہ الٹا تھا۔ خیبر کے قلعے تھے پہاڑیوں پر اور مسلمان نیچے۔ اسی لیے صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم اتنے طاقتور ہیں تو ہم جھک کر صلح کیوں کریں؟ پھر یہاں سے واپس بغیر عمرہ کیے کیوں جائیں۔

بس یہیں سے پتہ چلا کہ پیغمبرؐ کے طریقہ تبلیغ میں جذبات نہیں ہیں نہ اپنی قوت وطاقت کا مظاہرہ نہیں ہے۔ طاقت کے ذریعے اگر مکے کو فتح کیا جاتا تو مکہ فتح ہوتا لیکن اسلام کا دائرہ وسیع نہ ہوتا۔ پیغمبرؐ نے (معاذ اللہ کہنا تو مناسب نہیں لگتا) دیمک کا طریقہ اپنایا۔ مقابلے کی بات نہیں ہے کہ اہلِ عرب کو دکھائیں کہ ہم اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ آج اگر مکہ فتح کر لیں مکہ تو ہمارے ہاتھ آ جائے گا لیکن اسلام نہیں پھیلے گا۔ یہ تو الٹا کام ہے جو انقلابی اور جذباتی لوگ، جلدی غصہ میں آنے والے لوگ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ تاریخ کی کسی بھی کتاب میں پڑھ سکتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد پیغمبرؐ کو ۲ سال ملے۔ اور ان دو سالوں میں پیغمبرؐ نے کیا کیا۔ مکے کو چھوڑ کر سارے عرب کو بدل دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مکے کا معاشرہ اندر سے سارا بدل چکا تھا۔ اس کے بعد جب مکہ والوں پر حملہ ہوتا ہے تو مکے والے کسی کو اپنی مدد کیلئے بھی نہیں بلا سکتے ہیں۔ جبکہ دو سال پہلے مکے والے یہ کہتے کہ آؤ کعبہ خطرے میں ہے۔ آؤ تمہارے خدا خطرے میں ہیں۔ شاید پورا عرب مکے کی مدد کیلئے دوڑ کر آ جاتا۔ لیکن ان دو سالوں میں پیغمبرؐ نے پورے عرب کو بدل دیا۔ مکہ والے اپنی

جگہ خوش ہیں۔اب جب پیغمبرؐ حملہ کر رہے ہیں۔مکے والے اگر پکار کر کہیں بھی کہ آؤ اپنے خداؤں کو بچانے کیلئے۔تو ان خداؤں کو ماننا کون ہے جو آئے گا۔دور دراز کے علاقوں کو چھوڑیں۔ان میں رہنے والے کو تو آتے آتے دو مہینے لگیں گے۔چنانچہ اب وہ وقت آگیا کہ ایک ٹھوکر ماری کفار مکہ کے شہر پر سارا مکہ پیغمبرؐ کے سامنے سرنگوں ہوگیا۔

یہ فرق اس لئے ہوا کہ جذبات سے کام نہیں لیا گیا۔فوری فائدہ کو نہیں دیکھا۔یہ سیرت رسول کا وہ پہلو ہے جو پھر ہمیں سیرتِ امام حسنؑ میں نظر آتا ہے۔جب ہم کربلا کو دیکھتے ہیں تو کربلا تو زندگی حسینؑ کا آخری مرحلہ تھی۔امام حسینؑ کی زندگی 57 سال تھی۔حسنؑ و حسینؑ نے مل کر جو 20 سال تبلیغ کی ہے جب تک کہ اس کو نہیں دیکھیں گے کربلا ہماری سمجھ میں نہیں آئے گا۔دونوں کی سیرت کو سامنے رکھ کر ہمیں آگے بڑھنا ہے۔

الختصر پیغمبرؐ کی سیرت سے دو پیغام ملے۔ایک یہ کہ اس طرح تبلیغ نہ کرو جس طرح ایک خونخوار جانور ہنگامہ اور شور مچا کر کرتا ہے۔کہ دشمن وقت سے پہلے ہی آگاہ ہو جاتا ہے کہ کوئی طاقت ہے جو پیدا ہوگئی ہے۔اس کے برعکس اس طرح کام کرو کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے پھر آخری مرحلے اپنی آواز بلند کردو کہ جب دشمن کو بھی سر جھکانے کے علاوہ کوئی اور موقع نہ ملے۔پس ہمیں بھونکنے والے کتے کی طرح کام کر کے دشمن کو بیدار کر کے اپنے راستے میں رکاوٹیں پیدا نہیں کروانی۔بلکہ دیمک کی طرح کام کرنا ہے یہی وہ طریقہ تھا جس پر

ہمارے بزرگوں نے عمل کیا اور یہی وہ farmola ہے جسے ہم نے بھلا دیا۔اسی کی بناء پر ہمارے بزرگوں نے ہندوستان و پاکستان کی بہت بڑی آبادی کو محبِّ اہلبیت بنا دیا۔آج ہماری آنکھوں کے سامنے وہ دیکھتے ہی دیکھتے دشمنِ اہلِ بیتؑ بنتے چلے جا رہے ہیں۔اور بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ جو دشمنی اہلبیت کا سلسلہ آگے بڑھ رہا ہے۔اس میں کسی ملک کے پیسے کا دخل ہے۔یہ بات ایک حد تک تو صحیح ہے۔یاد رکھیں کہ جب ہمارے بزرگوں نے یہاں کام کیا تھا تو ان کا مسئلہ اس سے بھی زیادہ سنگین تھا۔انہیں تو پوری خلافتِ عباسیہ اور عثمانیہ کے خزانے سے ٹکر لینا پڑی تھی۔خزانے کی تھیلیاں وہاں بھی کھلی ہوئی تھیں اور اس مذہب کی ترقی کیلئے پیسہ لٹ رہا تھا۔لیکن بزرگوں نے غیر محسوس انداز میں تبلیغ کی اور ہم اسے بڑھاتے کیا اسے برقرار بھی نہیں رکھ سکے۔یہی بات ہے کہ 79ء کا اسلامی انقلاب نہ آتا اگر 63ء سے 79ء والا under ground کام نہ ہوتا۔اگر انقلاب جلدی آتا تو مستحکم نہ ہوتا۔

غیبت

غیبت حرام ہے کس کو نہیں معلوم۔ یہ ہر ایک کو معلوم ہے۔ لیکن پھر بھی زبان پر ہر وقت غیبت رہتی ہے۔ بات کا پتا ہے ذہن سے نکل جاتی ہے۔ پہلے بہت توبہ اور معافی کر کے یہ عہد کیا ہوتا ہے کہ آئندہ غیبت نہیں کریں گے لیکن جب اس کا وقت آتا ہے تو کر بیٹھتے ہیں۔ اپنی توبہ ذہن سے نکل جاتی ہے۔

غیبت کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟ کتنی چیزیں غیبت میں آتی ہیں؟ علماء نے اس چیز کو بھی واضح کیا ہے۔ ہر مرجع کی توضیح المسائل میں اس کا بیان ہے۔ کتاب المکاسب شیخ مرتضٰی انصاری کی۔

یہ وہ ہستی ہیں کہ جن کی شاگردی اختیار کیے بغیر امام خمینی، نہ آقائے خوئی اور نہ آقائے سیستانی، نہ آقائے خامنہ ای اس عظیم مرتبے پر پہنچے ہیں۔ ۲۰۰ سال میں جتنے مراجع تقلید، مجتہدین عظام گزرے ہیں یہ کتاب پڑھے بغیر کسی نے بھی مرجعیت کی منزل کو حاصل نہ کیا۔ کتب کے فضائل بتاؤں تو آدھا گھنٹہ اور چاہیے۔ شخصیت شیخ مرتضٰی انصاری بیان کروں تو 1½، 2 گھنٹے گزر جائیں گے۔

اس کتاب میں ایک جگہ غیبت کی بحث آتی ہے۔ کتاب لفظ بہ لفظ پڑھ

رہا ہوں اپنی طرف سے کسی چیز کو داخل نہیں کر رہا۔ ایک بات عرض کر دوں۔ جو عبارت میں کتاب سے پڑھ رہا ہوں اسے موجودہ مراجع کے فتوے سے ملا کر پڑھ رہا ہوں۔ یہ سارے الفاظ موجودہ مراجع کے نزدیک بھی ثابت ہیں۔

غیبت کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟

یہ امام جعفرؑ کی حدیث اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ کوئی ضعیف حدیث نہیں۔ امام فرماتے ہیں کہ غیبت کبھی کسی کے خاندان کے حوالے سے ہوتی ہے، کبھی کسی کے حال کے حوالے سے غیبت ہوتی ہے۔ کبھی کسی کے نظریے کے حوالے سے غیبت ہوتی ہے، اس کے بعد سمجھاتے ہیں۔ کبھی کسی کے بدن کے حوالے سے غیبت ہوتی ہے، مثلاً آپ کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ آدمی اندھا ہے، بھینگا (جسکی آنکھیں ٹیڑھی ہوں) ہے، گنجا ہے، لمبا (لمبوترا) ہے، کالا ہے، پتلا ہے، وَجَمِيعِ مَا يُتَصَوَّرُ. اور ہر وہ چیز جو کسی کے بدن کے عیب کے بارے میں تصور کی جا سکتی ہے۔ اور اسے اس کے سننے سے تکلیف پہنچے۔ خاندان کے بارے میں۔ بِأَنْ يَقُولَ أَبُوهُ فَاسِقٌ۔ فلاں کا باپ گناہگار ہے۔ یا خبیث ہے یا کنجوس ہے۔ یہ کہنا کہ جب اسے سنے تو وقت برا لگے۔

فرماتے ہیں کہ اسی طرح کسی شخص کے اخلاق کے بارے میں۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص بد اخلاق ہے، کنجوس ہے، بخیل ہے، جھگڑالو ہے، مغرور ہے، بہت زیادہ غصہ کرنے والا ہے، بزدل ہے، ضعیف القلب (کمزور دل رکھنے

والا) ہے و نَحۡوُ ذٰلِکَ وَ اَمَّا فی الۡاَفۡعَال ۔اسی طرح کسی آدمی کے افعال کے بارے میں غیبت اس طرح ہو جاتی ہے۔افعال کی دو قسمیں ہیں۔ا۔دینی ۲۔دنیاوی۔

دینی لحاظ سے مثلاً سارق فلاں چور ہے۔کذاب جھوٹا ہے۔شارِبٌ شرابی ہے۔خائنٌ خیانت کرتا ہے،ظالِم ظلم کرتا ہے۔نماز کو حقیر سمجھتا ہے۔نماز تو پڑھتا ہے لیکن رکوع و سجود صحیح طریقے سے انجام نہیں دیتا۔اپنے آپکو نجاست سے نہیں بچاتا۔والدین کے ساتھ نیک سلوک نہیں کرتا۔فلاں آدمی لوگوں کی بے عزتی کر دیتا ہے۔فلاں آدمی اپنے آپکو غیبت سے نہیں بچاتا۔یہ سب غیبتیں ہیں۔ان میں سے اگر ایک جملہ بھی کسی مومن کے بارے میں آگیا تو یہ غیبت ہے۔

دنیاوی افعال کے بارے میں مثلاً **قَلِیۡلُ الۡاَدب** ۔فلاں آدمی ایسا ہے جو لوگوں کا زیادہ ادب و احترام نہیں کیا کرتا۔لوگوں کو زیادہ عزت نہیں دیتا۔ **کَثِیۡرُ الکلام** باتونی ہے، **کَثِیۡرُ الۡاَکۡلِ** پیٹو ہے، کھاتا بہت ہے، **کَثِیۡرُ النَّوۡمُ** ہر وقت سوتا رہتا ہے۔ایسی جگہ بیٹھ جاتا ہے جہاں اسے نہیں بیٹھنا چاہئے۔یا اگر اس کے کپڑوں کے بارے میں کہا جائے۔مثلاً عجیب کپڑے پہنتا ہے۔آستینیں بہت لمبی ہوتی ہیں دامن تنگ ہوتا ہے۔کپڑے پتلے ہوتے ہیں۔استری کے بغیر ہوتے ہیں fitting صحیح نہیں ہوتی۔یہ سب غیبت ہے یہ سب حرام ہے۔یہ سب گناہِ کبیرہ ہے۔تقریباً یہی عبارت

آقائے خوئی اور آقائے خمینی کے ہاں ہے۔اندازہ کریں اتنا وسیع دائرہ ہے غیبت کا۔

غیبت سے بچنے کیلئے صحابی نبیؐ کا منہ میں کنکر ڈال لینا:

اب خواتین کی محفلوں میں لباس، زیور وغیرہ اس حوالے سے کتنی باتیں ہوتی ہیں۔اس وقت بہت سی غیبتیں ہوتی ہیں۔یہ عام مشاہدہ ہے کہ ایک عورت ان باتوں کو تو غیبت سمجھ لیتی ہے کہ فلاں گناہ کرتی ہے۔فلاں کا باپ ایسا، فلاں کی ماں ایسی۔یہی سن کر تو یہ کہہ دے کہ بھئی یہ بات نہ کرو۔یہ غیبت ہے۔مگر یہ باتیں مثلاً فلاں کا لباس، فلاں کے بالوں کا سٹائل style، فلاں کے چپل و جوتے، رنگ کیا تھا، کس انداز میں Nail Polish لگا کر آئی تھی، سر سے پیر تک matching کیسی چل رہی تھی۔جب کہ ان میں سے اکثر باتیں غیبت ہیں۔عورتیں تو ایسی باریک چیزیں دیکھ لیتی ہیں کہ ہم تو سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں۔عورتیں تو چلتے پھرتے، چلتی گاڑی میں بیٹھے دوسری گاڑی سے چیک (check) کر لیتی ہیں۔البتہ مومن کی غیبت ہوتی ہے غیر مومن کی غیبت جائز ہے۔

بعض اوقات عورتیں جھلا کر، غصہ میں آکر کہتی ہیں کہ اگر یہ سب کہنا حرام ہے تو کیا کریں۔کیا منہ کو تالا لگا کر بیٹھیں۔یہ آپکو بتا دیا جائے کہ معراج السعادۃ میں ہے کہ نبیؐ کے مخلص صحابی منہ کو تالا لگا کر بھی بیٹھتے تھے۔جو بات عورتیں غصے میں آکر کہہ دیتی ہیں اس بات پر ایک بڑے گروہ نے عمل کیا تھا۔البتہ تالے کا یہ

مطلب نہیں ہے کہ ہونٹوں میں باقاعدہ سوراخ کر کے کنڈی لگا کر اس میں کوئی تالا پھنسایا گیا ہو۔ معراج السعادۃ کا جملہ یہ ہے کہ جب پیغمبرؐ کے صحابیوں نے غیبت کا اتنا تذکرہ سنا تو منہ میں کنکر اور پتھر رکھ کر بیٹھتے کہ جب زبان خالی ہو گی تو یہ کمبخت کنٹرول سے نہ نکلے۔ چنانچہ جب کوئی بات کرنا پڑتی ہے تو اس وقت کنکر منہ سے نکال کر بات کی اور پھر کنکر منہ میں رکھ لیا۔ یہ زبان کا تالا ہوا۔ خواتین کیلئے غیبت کا موضوع اس لئے زیادہ اہم ہے۔ مثالیں سن کر سمجھ میں آ گیا کہ کیوں پیغمبرؐ نے کہا کہ جہنم میں اکثر خواتین اپنی زبان کی وجہ سے آئیں گی۔ اب یہیں پر وہ پیغام آ گیا کہ اسلام مردوں سے جہاد بالسیف کی قربانی طلب کرتا ہے۔ مردوں کے لئے جہاد واجب ہے۔ اپنی جان راہِ خدا میں دے دو۔ گردن کٹوا دو۔ جبکہ عورتوں سے جو قربانی طلب کی گئی وہ یہ کہ اپنی زبان کو راہِ خدا میں کٹوا دو۔ کٹوانے کا مطلب یہ کہ زبان پر قابو پا لو۔

کتاب ''عروج السعادۃ'' کی ایک اور حدیث

میدانِ احد کا شہید ہے۔ اس کے گھر والے اس کا ماتم کر رہے ہیں اور باپ کہہ رہے ہیں کہ بیٹا اس وقت تو جنت کے باغات میں ٹہل رہا ہے۔ پیغمبرؐ وہاں سے گزر رہے تھے اور ان کا یہ جملہ سنا تو پیغمبرؐ نے مڑ کر کہا کہ تمہیں کیسے پتہ چلا۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی زبان سے بے کار باتیں کرتا ہو۔ بے کار بات کرنا اسلام میں جرام نہیں ہے۔ عربی لفظ کا ترجمہ ہے لغو بے کار بات کیا اس کا مطلب ہے کہ آپ گپ شپ فالتو باتیں کرنا۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کر لے۔ ایسا آدمی فوراً جنت

میں نہیں جائے گا چاہے شہادت ہی کیوں نہ پائی ہو۔ تو جس کی زبان پر حرام باتیں ہوں وہ تو اور زیادہ بدتر۔

غیبت کا شکم میں موجود بچے پر اثر

ماں جب دورانِ حمل غیبت (فعلِ حرام/گناہِ کبیرہ) کرتی ہے تو اس کا غلط اثر بچے پر پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ بچہ جو شکم میں ہوتا ہے اس پر ماں کے روحانی اور شیطانی افعال کا اثر پڑتا ہے اور ابتدائی پرورش بھی ماں کی گود میں ہوتی ہے۔ شہزادی زہراؑ ماں کے پیٹ سے اپنی ماں سے باتیں کرتی ہیں اسی لیے ان کا لقب محدثہ ہے۔ ہمارے بچے کلام کرنے کے قابل نہیں۔ جیسے ہمارے مردے سنتے ضرور ہیں مگر بول نہیں سکتے۔ (آلِ محمدؑ کے گھرانے میں شہید کا لاشہ بولتا بھی ہے)۔ تبھی تو ہم انہیں قبر میں اتار کر کندھے ہلا کر یہ کہتے ہیں: **اِسْمَعْ اِفْهَمْ** اے مرنے والے سن اور سمجھ یعنی مرنیوالا سن بھی سکتا ہے اور سمجھ بھی سکتا ہے۔ جو مردے کی حالت قبر میں وہی بچے کی حالت ماں کے پیٹ میں۔ **اِسْمَعْ اِفْهَمْ** کہنے کے بعد تلقین پڑھتے ہیں۔ جس میں اللہ، رسولؐ اور قیامت کی بات۔ عورتوں کو میری یہ آخری بات یقیناً سمجھ میں نہیں آ رہی ہو گی کہ جس میں میت کے کندھوں کو ہلا کر تلقین پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ عورتیں کبھی قبرستان میں میت کے دفنانے کے وقت نہیں جاتیں۔ المختصر بچے کی صحیح دینی تربیت تب تک ممکن نہیں جب تک بچے کی ماں اور اطراف کی عورتیں اپنی زبان پر قابو پانا نہ سیکھ جائیں۔

والدین کی خدمت کے فوائد

والدین کا حق ایک ایسا حق ہے کہ جس کے آثارِ دنیاوی بھی بہت سارے ہیں اور آثارِ اخروی بھی بہت سارے ہیں۔ بے شک فقہ ہمیں چند محدود چیزوں میں یہ حکم دیتی ہے کہ والدین کی بات ماننا واجب اور عمل نہ کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر ہم ہر چیز میں والدین کی بات مانیں کہ جب تک فوائد اتنے زیادہ ہیں کہ جن چیزوں میں والدین کی بات کو نظر انداز کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ تب بھی انسان کا دل چاہے گا کہ میں ضرور اس کام کو سر انجام دوں۔ تا کہ والدین کا مطیع کہلاؤں اور یہ سارے فوائد مجھ کو حاصل ہو جائیں۔

احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں:

معصومؑ فرماتے ہیں کہ ۳ چیزوں کے بارے میں خدا نے کسی کو بھی معافی نہیں دی۔ چاہے یہ حق مومن کا ہو یا کافر کا۔ ا۔ امانت کو ادا کرنا۔ ۲۔ عہد/agreemen کی پابندی کرنا۔ ۳۔ والدین کا خیال کرنا چاہے تمہارے ماں باپ مومن ہوں یا کافر۔

ثَلاثَةٌ عُقُوْ باتُها لا يُؤَخِّرُ اِلَى الْاٰخِرَةِ بَلْ يُعَجِّلُها.

تین گناہ ایسے ہیں کہ جن کی سزا دینے کیلئے خدا آخرت کا انتظار نہیں کرتا کہ

آخرت آئے اور سزا دی جائے۔ بلکہ ان کی سزا فوراً دی جاتی ہے۔ ان تینوں میں سے ایک والدین کے متعلق بھی ہے لیکن اگر دوسرے انداز سے دیکھا جائے تو شاید والدین کا حق ادا نہ کرنیوالا تینوں گناہوں کا مجرم بن جاتا ہے۔

ا. اَلْبَغْیُ علی الناس کسی پر ظلم کرنا۔ ظالم کو اگرچہ خدا مہلت دیتا ہے لیکن مہلت ان کی زندگی میں ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور ان کا انجام خراب ہوتا ہے۔ ۲. کُفرانِ احسان. مثلاً مجھ پر کسی نے احسان کیا بجائے اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کے، الٹا میں اسی کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں۔ ۳۔ والدین کا نافرمان۔

اور اگر آپ دوسرے پہلو سے دیکھیں تو والدین کا نافرمان، والدین کا نافرمانی کے ساتھ ساتھ' کیا وہ احسان کرنیوالے کی ناشکری تو نہیں کر رہا ہے۔ اگر ایک عام انسان پر ظلم کرنیوالے کو جب خدا آخرت تک مہلت نہیں دے رہا تو اگر کوئی اپنے والدین پر ظلم کر رہا ہے' تو وہ شخص اس حدیث کے تینوں اجزاء کے دائرہ میں آ گیا۔ اگر تمام احادیث کا ذکر کیا جائے تو فہرست بہت طویل ہو جائے گی۔ اختصارِ وقت کو دیکھتے ہوئے صرف ۱۲ فوائد و نقصانات کا تذکرہ کیا جائے گا۔

ا۔ خدا کی ناراضگی، ۲۔ رسول و امام سے مدد کا نہ ملنا، ۳۔ سلب نعمت۔ جو نعمت خدا نے دی ہے وہ سلب کر لے گا، ۴۔ نبی کی ہمسائیگی جنت کے اندر۔ امام کی حدیث ہے کہ اپنے والدین کے نیکوکار بن جاؤ اور جنت میں اپنی

سیٹ کو محفوظ کرالو۔ (کن باراً) ۔ نیکی کرنیوالے ہو تو جنت حاضر ہے۔ کُنْ عاقاً ۔ گناہ گار ہو۔ ہو جہنم حاضر ہے۔

حدیث دیگر۔ رِیْحُ الجنّہ جنت کی خوشبو انسان کی ناک تک مَسِیْرَۃَ اَلْفَ سَنَۃ ایک ہزار سال کی مسافت پر آ جائے گی جو عاق والدین ہو اس سے محروم رہے گا۔ اور رشتہ داروں کا حق ادا نہ کرنیوالا بھی اس سے محروم رہے گا۔ اور جنت کی خوشبو تو بعد کا مسئلہ ہے۔

حدیث: ثَلاثَۃٌ لاَ یُکَلِّمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیامَۃ وَلاَ یَنْظُرُ عَلَیْھِمْ وَلاَ یُزَکِّیْھِمْ تین گروہوں سے اللہ میدانِ قیامت میں بات بھی نہیں کرے گا۔ نہ ہی ان کی طرف نظر کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمْ اور ان کیلئے دردناک عذاب ہیں۔

(۱) مسلسل شرابی، عادی شراب نوش۔ (۲) عَاقُ الوالدین۔ والدین کا عاق شدہ۔

اور جو پہلے حدیث بتائی کہ کُنْ بَاراً اس پہ عمل کرنیوالا جب جنت میں پہنچے گا تو اسے کہاں جگہ ملے گی؟ اس حدیث میں بتایا گیا ہے بَیْنَ الْاَنْبِیَاء وَا لْبارِ دَرَجَۃٌ و بَیْنَ الْفَراعِنَہ وَالْعاقِ دَرَقَۃ

اور بعض روایتوں میں ترتیب الٹی ہے یعنی یوں ہے۔ بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْبارِ دَرَجَۃٌ وَ بَیْنَ العاقِ وَالْفَراعِنَہ دَرَقَۃ

جنت میں درجات ہوتے ہیں اور جہنم میں درکات ہوتے ہیں۔

ترجمہ: والدین کیساتھ نیکی کرنیوالے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ فراعنہ فرعون کی جمع ہے۔ اور عاق والدین اور فرعون کے درمیان صرف ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔ وہ فرعون اَنَـا رَبُّـکُمُ الاَعْـلٰی کا دعویٰ کرنیوالا۔

وہ حدیث کہ جس میں معصومؑ نے ۲ مرتبہ فقرۂ لعنت اپنی زبان سے ادا کیا ہے۔ (بحار الانوار) یعنی۔ ایک دفعہ جب نبیؐ مسجد نبوی میں منبر پر تشریف لے جا رہے تھے۔ تو پیغمبرؐ نے تین بار رک کر آمین آمین کہا۔ سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ جب پیغمبر منبر پر جا رہے تھے تو اسی وقت جبرائیل مسجد میں داخل ہوئے۔ نبیؐ نے منبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیل نے کہا کہ لعنت اس آدمی پر کہ جس نے ماہِ رمضان پایا مگر پھر بھی اپنی بخشش نہ کروا سکا۔ ملعونٌ ملعونٌ ملعونٌ۔ وہ شخص ملعون ہے۔ ملعون ہے، ملعون ہے۔ یہ جبرائیل نے کہا اور پیغمبرؐ نے آمین کہا۔ یعنی لعنت پیغمبرؐ نے نہیں کہا لیکن آمین کہہ کر جبرائیل کی لعنت کی تصدیق کر دی۔ اور جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرائیل نے کہا۔ ملعون ہے۔ ملعون ہے۔ ملعون ہے وہ شخص جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا لیکن ان کی خدمت کر کے ان کی خوشی کو حاصل نہ کر سکا۔ پیغمبرؐ نے آمین کہا۔

حدیثِ معصوم: مَنْ نَظَرَ ھما غَاضِبًا وھُما ظَالِمانِ لَہُ لَنْ یَقْبَلَ اللّٰہ صَلٰوتَہُ. جس آدمی نے غصے کی حالت میں نظر ڈالی جبکہ والدین اس پر ظلم بھی کر رہے ہیں۔ اس کی ساری نمازیں قبولیت کی منزل سے رک گئیں۔ اس کی کوئی

نماز قبول نہیں ہوگی۔

حدیثِ معصوم: جو آدمی اپنے والدین کا عاق ہے۔ فَلْيَعْمَلْ اَيُّهُمَا شَاءَ یعنی اے عاقِ والدین جو نیکی تو چاہتا ہے کر لے کیونکہ اللہ تیری کوئی نیکی قبول نہیں کر رہا۔ البتہ عمل غلط نہیں۔ قبول ہونا الگ مسئلہ ہے غلط ہونا الگ مسئلہ ہے۔ قبول نہیں یعنی وہ تمام نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

ذرا غور کیجئے۔ وضو میں انسان کتنی احتیاط کرتا ہے۔ غسل میں انسان کتنی احتیاط کرتا ہے۔ نمازوں میں فرق اس لئے کہ عبادت غلط ہوگئی تو ثواب نہیں ملے گا۔ اور جو تمام عبادات کے ثواب کو ضائع کر دینے والی چیز ہے، والدین کا حق اس میں کوئی احتیاط نہیں کی جاتی۔

پیغمبرؐ سے کوئی سوال کرتا ہے کہ اگر میں چاہوں کہ اپنے گناہوں کو بڑی آسانی سے معاف کروالوں۔ تو کیا کروں؟

نبیؐ نے فرمایا جا کر اپنی ماں کی خدمت کرو۔ جب کہا کہ ماں تو مر چکی ہے تو فرمایا۔ باپ کی خدمت کر۔ جب وہ چلا گیا تو نبیؐ نے فرمایا۔ کاش اس کی ماں زندہ ہوتی تو زیادہ آسانی کے ساتھ اس کے گناہ معاف ہو جاتے۔

ہمارے سامنے وہ حدیث بھی آتی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ اگر کوئی اپنے والدین کے چہرے پر ان کا احترام کرتے ہوئے نگاہ ڈالتا ہے۔ تو خدا اسے ایک مقبول حج کا ثواب دیتا ہے۔ راوی نے پوچھا۔ یا رسول اللہ۔ اگر ہم دن میں 100 مرتبہ اپنے والدین کے چہرے پہ نگاہ ڈالیں۔ فرمایا کہ ۱۰۰ مرتبہ حج مقبول کا

ثواب ملے گا۔

اور یہ حدیث کہ کوئی آ کر کہتا ہے۔ اللہ کے رسول: میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں جہاد پر جاؤں۔ کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ جہاد سے بڑھ کر کون سی نیکی ہے جا، جا کر راہِ خدا میں جہاد کر۔ مارا جائے گا تب بھی خدا کی ساری نعمتیں تیرے لئے ہیں۔ زندہ آئے گا تب بھی رحمتیں۔۔۔ کہا۔ مگر اللہ کے رسول میں اس لئے آیا تھا کہ میرے والدین بوڑھے ہیں۔ جب میں نے جہاد کی بات کی تو وہ گھبرا گئے۔ بیٹا تیرے جانے کے بعد کون ہمارا خیال رکھے گا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ وہی پیغمبرؐ جو ابھی اس جوان کو جہاد میں آنے کی ترغیب دلا رہے تھے encourage کر رہے تھے۔ فرماتے ہیں کہ تیری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے والدین کو چھوڑ کر نہ جا۔ کیا تجھے نہیں پتا۔ کہ تو جو ایک رات اپنے والدین کی خدمت میں گزارے گا۔ ایک سال کے جہادِ فی سبیل اللہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

حدیث: پیغمبرؐ نے گارنٹی لی ہے کہ عمر کو بڑھانا میری ذمہ داری ہے۔ رزق میں برکت دینا میری ذمہ داری ہے۔ ذہنی سکون مہیا کرنا میری ذمہ داری ہے۔ اگر تم اپنے والدین کو خوش کرو۔

حدیث: ایک آدمی معصومؑ سے کہتا ہے کہ مولا جب میں آپکا فرمان سنتا ہوں تو میرا جسم کانپ اٹھتا ہے۔ مولا نے پوچھا۔ کون سا فرمان۔ کہا مولا جب

آپ سکرات موت کی کیفیت بیان کرتے ہیں یعنی کہ جس وقت روح نکالی جائے گی۔کوئی ایسا طریقہ ہے کہ میں روح کے نکلتے وقت ہونیوالی تکلیف سے بچ جاؤں۔امام نے فرمایا کہ اس کا سب سے بہترین اور آسان ترین طریقہ ایک ہی ہے۔وہ یہ کہ اپنے والدین کو اتنا خوش کرلے۔کہ جب ملک الموت تیرے پاس آئے تو تیرے والدین تجھ سے خوش ہوں۔کیا تجھے نہیں پتہ کہ والدین کی خوشی روح کے نکلتے وقت ہونیوالی تکلیف کو آسان کرتی ہے۔(انسان کی روح فوراً اس کے جسم سے نکل جاتی ہے)۔

اور اگر کوئی والدین کا نافرمان ہے تو یہی منزل سب سے سخت ہوجاتی ہے۔اس نوجوان کا واقعہ یاد کریں کہ جس کے سرہانے پیغمبر بھی گئے ہیں مگر اس کی مدد نہیں کررہے ہیں کیونکہ اس کی ماں اس سے ناراض تھی۔

اب تک والدین کی خدمت کے دنیاوی اور اخروی فائدے آپ نے سنے ۔کوئی بھی فائدہ اگر آپ لینا چاہیں۔اگر کسی کو اپنی عمر/زندگی سے محبت ہو تو وہ بھی والدین کا حق ادا کرنے سے ملتی ہے۔مال چاہیے ہے تو وہ بھی والدین خدمت کی وجہ سے ملے گا۔صحت چاہئے تو وہ بھی والدین خدمت کی وجہ سے ملے گا۔ذہنی سکون چاہئے تو وہ بھی والدین خدمت کی وجہ سے ملے گا،عبادتوں کا روحانی لطف چاہئے تو وہ بھی والدین کی خدمت وجہ سے ملے گا۔سکرات کی تکلیف سے نجات چاہئے تو وہ بھی والدین کی خدمت وجہ سے ملے گا۔قبر میں آرام چاہئے تو وہ بھی والدین کی خدمت وجہ سے ملے گا۔اگر کسی کو جنت کی

خوشبو چاہئے یا جنت چاہئے۔جنت میں نبی یا امام کا پڑوس چاہئے تو وہ بھی والدین کی خدمت وجہ سے ملے گا۔اب کونسی نعمت بچی جو والدین کا حق ادا کرنیوالے کو نہ ملے اور کونسی وہ سزا ہے جو والدین کے نافرمان کو نہ ملے۔

والدین کے حقوق کا خیال رکھنا ،فقط اس کا اجر ادھار نہیں ہے۔بلکہ دنیاوی فوائد بھی بے شمار ہیں۔اور آخرت میں تو ہیں ہی۔عقوقِ والدین یعنی والدین کی نافرمانی اس کا عذاب فقط آخرت میں ہی نہیں ہوگا بلکہ دنیا میں بھی بہت سی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نوٹ: والدین کے حق کی اہمیت ان کے عقیدے سے نہیں ہے بلکہ ہمارے اور ان کے درمیان موجود رشتے کیوجہ سے ہے۔اسی لیے والدین مومن ہوں یا غیر مومن، مسلمان ہوں یا غیر مسلمان۔ان کے حق کی اہمیت اپنی جگہ پر برقرار رہے گی۔

حدیث معصوم: ۳ چیزوں میں خدا نے کوئی چھوٹ نہیں دی۔چاہے یہ ۳ حق مومن کے ہوں یا کافر کے۔ا۔امانت واپس کرنا، امانت چاہے مومن کی ہو یا کافر کی، امانت واپس کرنا ضروری ہے، ۲۔عہد/agreement کی پابندی کرنا عہد چاہے مومن سے کیا جائے یا کافر سے، ۳۔والدین کے حق کی ادائیگی چاہے والدین مومن ہوں یا کافر۔

راوی نے آٹھویں امام سے پوچھا۔مولا! میرا باپ آپکو نہیں مانتا۔ مخالفِ مذہب حق ہے۔شیعیت کا مخالف ہے۔کیا پھر بھی میری یہ ذمہ داری

ہے کہ میں اس کا حق ادا کروں۔امام نے فرمایا۔یقیناً تم اس کیلئے اسی انداز سے دعا کرتے رہو۔صدقہ دیتے رہو، اس کی خدمت و اطاعت کرتے رہو جس طرح اگر تمہارے والد ہمیں ماننے والے ہوتے تو تم ان کا حق ادا کرتے۔کیونکہ میرے جد پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا﴿ واللّٰہِ بَعَثَنِیْ بِرَحْمَۃٍ﴾ اللہ کی قسم۔اللہ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔کسی کیلئے رحمت بنا کر نہیں بھیجا۔

ذکریا ابن ابراہیم کا واقعہ:

اور وہ مشہور واقعہ ذکریا ابن ابراہیم کا۔وہ عیسائی جو چھٹے امام کے زمانے میں دین حق کو قبول کرتا ہے اور جب امام سے ملاقات کیلئے مدینہ آیا (کوفے کا رہنے والا تھا) تو ایک مسئلہ یہ بھی پوچھا کہ مولا۔آپکی محبت اختیار کرنے کے بعد اپنی ماں کیساتھ میرا کیا سلوک ہونا چاہئے۔کیونکہ میری ماں اب تک اپنے دین پر جمی ہوئی ہے۔اور وہ مذہب حق قبول نہیں کرتی۔امام نے فرمایا۔تمہیں اس کی خدمت اسی انداز میں انجام دینا ہے جس طرح کوئی ایک مومن ماں کی خدمت انجام دیتا ہے۔ذکریا ابن ابراہیم جب واپس اپنے گھر گئے تو اب امام کا یہ جواب سن چکنے کے بعد خدمتِ والدہ میں کئی گناہ اضافہ کر دیا۔جب تک دینِ نصاریٰ میں تھے اس وقت تک کوئی پابندی نہیں تھی کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک جزا و سزا کا سلسلہ ہی ختم ہے۔حضرت عیسیٰؑ ان کے تمام گناہوں کا کفارہ دے کر سولی پر چڑھ چکے ہیں۔بقول ان کے۔اور جب ذکریا ابن ابراہیم کی

ماں نے حیران ہو کر کہا کہ بیٹے میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم بے دین ہونے کے بعد مجھ سے اور دور ہو جاؤ گے مگر تم تو اور خدمت گذار بن گئے۔(اب اس کی اصطلاح میں تو یہ بے دین ہونا ہی ہے)۔کہا میں مدینے گیا تھا۔اپنے آقا سے میری ملاقات ہوئی تھی۔انہوں نے خصوصیت کے ساتھ تاکید کی تھی کہ میں آپ کے حق کا خیال کروں۔ماں نے پوچھا کہ جن سے تم نے ملاقات کی کیا وہ پیغمبر تھے۔جواب دیا کہ نہیں۔پیغمبر تو نہیں فرزند پیغمبر ہیں۔

ماں کو یقین نہ آیا اور کہا نہیں بیٹا وہ ضرور کوئی پیغمبر ہوگا۔اس لئے کہ ماں کے حق کی رعایت کے بارے میں صرف پیغمبر کی نصیحت ہوا کرتی ہے۔جواب دیا نہیں مادرِ گرامی۔جن پیغمبر کو میں مانتا ہوں ان کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ آخری پیغمبرؐ ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔یہ ان کے جانشین اور ان کے بیٹے ہیں۔جب ماں نے یہ سنا تو کہا۔بیٹا کتنا اچھا یہ دین ہے۔مجھے بھی کلمہ پڑھاؤ۔اور یوں کلمہ پڑھ لیا۔اس وقت ظہر کا وقت تھا۔ظہر و عصر، مغرب و عشاء چار نمازیں اس بوڑھی ماں کو ملیں اور نمازِ عشاء کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔پھر امام نے خوشخبری دی کہ تمہاری ماں کا یہ مختصر سا ایمان اس کو جنت کے اعلیٰ ترین مرتبے پر لے گیا ہے۔

کسی نے نبیؐ سے سوال کیا۔اللہ کے رسول۔میں اپنے باپ کی کس حد تک خدمت کروں؟۔فرمایا جب تک وہ زندہ رہے انکی اطاعت کرتے رہو پوچھا۔

ماں کی خدمت: کس حد تک؟

دنیا کی ریت کے جتنے ذرے ہیں اور آسمان سے برسنے والی بارش کے جتنے قطرے ہیں اگر ان سب کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی ماں کی خدمت کرنا چاہو۔ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ ماںؑ کے ایک چھوٹے سے بھی حق کو تم ادا کر سکو۔

حدیثِ معصومؑ۔ ایک آدمی آیا اور کہا۔ فرزندِ رسول۔ میری ماں بہت ضعیف ہے۔ زمین گیر ہے۔ یعنی اب اس کے ہاتھ پاؤں جواب دے چکے ہیں۔ میں اپنی گود میں اٹھا کر لے جاتا ہوں۔ اس کا ہاتھ منہ میں دھلاتا ہوں۔ لباس تبدیل کرنے میں میں مدد کرتا ہوں اور جب ضروریات سے فارغ ہوتی ہے تو میں اپنا منہ پھیر کے اس خدمت کو انجام دیتا ہوں۔ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اس کے منہ میں میں نوالہ رکھتا ہوں۔ تمام کاموں کو میں بلا کراہ (بغیر کراہیت کے) میں انجام دیتا ہوں۔ ایسا نہیں کہ منہ بنا کر، یا غصے کے عالم میں۔ مولا! کیا میں نے اپنی والدہ کا کچھ حق ادا کیا۔ معصومؑ نے فرمایا۔ باپ کا حق تو بہر حال ادا ہو سکتا ہے۔ اور ماں کا حق تو یاد رکھ۔ تیری یہ ساری زحمت مل کر اس ایک رات کے برابر نہیں بنے گی کہ جو ماں نے تجھے ۹ مہینے اپنے پیٹ میں اٹھا کر رکھا تھا۔ اس کی صرف ایک رات کا بدلہ تیری یہ ساری زحمت و تکلیف نہیں بن سکتی۔ پیدائش کے بعد راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیری خدمت کرتی تھی۔

ماں کا حق باپ کے حق کی نسبت زیادہ ہے:

کسی نے نبیؐ سے آ کر پوچھا۔ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا۔ ماں

کا۔ اس کے بعد پھر پوچھا۔ فرمایا۔ تیری ماں کا ہے۔ پوچھا۔ کہ اس کے بعد۔ فرمایا۔ پھر تیری ماں کا۔ چوتھی مرتبہ ۔ اب تیرے باپ کا حق ہے۔

علماء پیغمبرؐ کی ایک اور حدیث سے استنباط کرتے ہیں کہ ماں کا حق ماں کی خدمت سے زیادہ ہے۔ کہ رسولؐ نے فرمایا۔ کہ اگر تو مستحب نماز میں مشغول ہو اور تیرا باپ تجھے پکارے تو تجھ پر لازم نہیں ہے کہ تو اپنی نماز کو توڑ کر اپنے باپ کو جواب دے بلکہ نماز کو مکمل کر لیکن اگر مستحب نماز میں تیری ماں تجھے پکارے تو نماز کو توڑ کر اپنی ماں کا جواب دے۔ اس جواب دینے کا ثواب نماز کو مکمل کرنے سے زیادہ ہے۔ یہ بھی حدیث میں موجود ہے کہ اگر کبھی ایک ہی مسئلے میں باپ اور ماں بالکل الگ الگ حکم دے دیتے ہیں تو معصومؑ نے فرمایا کہ اس طرح عمل کرو کہ دونوں خوش ہو جائیں ورنہ اگر ایسا ممکن نہ ہو سکے تو ماں کی خوشی کا خیال زیادہ رکھنا۔ اور ماں کی اہمیت ان معنوں میں بھی زیادہ ہے۔ بالفاظ دیگر باپ کی قضا نمازیں اور قضا روزے بڑے بیٹے پر رکھنا واجب ہے یعنی بالجبر، بازور، ڈنڈے کے زور سے باپ کی نماز و روزہ کو انجام دلوایا جا رہا ہے۔ اور ماں کیلئے بیٹے کی خوشی پر رکھا گیا کہ ماں کے حق کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ نہ بھی کہے تو تمہیں اس عبادت کو انجام دینا ہے، سب کو مل کر انجام دینا ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔

والدین کی وفات کے بعد بھی ان کا فرمانبردار رہنا:

حدیثِ معصومؑ: کتنے ہی ایسے فرمانبردار بیٹے ہوتے ہیں جو والدین کی زندگی

میں والدین کے فرمانبردار لکھے جاتے ہیں مگر ماں باپ کے مرنے کے بعد چونکہ ان کو بالکل بھلا دیتے ہیں اس لئے ان کا نام عاقِ والدین کی فہرست میں آجاتا ہے۔اور کتنے ہی ایسے عاقِ والدین ہوتے ہیں کہ جنہیں ماں باپ کی زندگی میں اپنے ولدین کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ جب وہ انتقال کر جاتے ہیں تو پچھتاوا اور افسوس ہوتا ہے۔ماں باپ کیلئے نیکیاں کرتے ہیں تو خدا کے ہاں دوبارہ فرمانبرداروں میں ان کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔

اور اسی سلسلے میں پانچویں امام کی حدیث۔کہ جب ایک آدمی نے آکر پوچھا مولا! آپکے حکم کیمطابق میں نے اپنی زندگی میں تو باپ کی بے انتہا خدمت کی۔اب میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔اب بھی میری کوئی ذمہ داری ہے۔فرمایا۔جس طرح باپ کی زندگی میں تمہاری ذمہ داری تھی وہ اب تک باقی چلی آرہی ہے۔پوچھا مولا اب میں کیسے خدمت کروں باپ تو انتقال کر چکا ہے۔فرمایا! اگر اس پر کچھ واجبات باقی ہیں تو انہیں ادا کرنے کی کوشش کرو۔(فقہی اعتبار سے صرف بڑے بیٹے پر باپ کی قضاء نمازیں واجب ہیں)۔اور اگر تمام واجبات ادا کئے جاچکے ہیں تو ان کی طرف سے مستحبات ادا کرو۔مستحب نماز، مستحب روزہ، مستحب حج، مستحب زیارت، دوسرا یہ کہ جتنی ان کی وصیتیں ہیں ان سب پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔(فقہ اعتبار سے تمام وصیتوں پر عمل کرنا چاہے واجب نہ ہو لیکن حقِ والد یہ ہے کہ تمام پر عمل کیا جائے)۔اور مرتے دم تک کبھی بھی ان کو دعائے خیر میں فراموش نہ

کرو۔خصوصیت کے ساتھ ان کا تذکرہ الگ سے کیا کرو۔ایک تو ہوتا ہے کہ تمام مرحوم مومنین ومومنات کیلئے دعا۔مگر مقامِ والدین کا تقاضہ یہ ہے کہ اس دعا میں بھی ان کا الگ تذکرہ کیا جائے۔

نماز برائے ھدیۂ والدین کے بارے میں امام نے فرمایا کہ اس نماز کے ثواب تو تم اپنے والدین کیلئے ھدیہ کر دیتے ہو۔اس لئے انھیں اس نماز کا ثواب ملے گا مگر دوگنا تمہیں بھی ثواب ملے گا۔کیونکہ تمہیں ایک ثواب تو نماز پڑھنے کی زحمت اٹھانے کا ملا۔ایک دوسرا ثواب اس لئے ملا کیونکہ تم نے والدین کیلئے نماز پڑھی ہے۔پس اس نماز پہ کل تین ثواب ہوئے۔اسی طرح اگر ایک روپیہ والدین کے نام پر راہِ خدا میں صدقہ کر دینے سے ۳ روپوں کا ثواب ملا۔۲ ثواب ہمارے نامۂ اعمال میں۔ایک ثواب والدین کے نامۂ اعمال میں۔

ماں اور اولاد کے خلوص میں فرق:

لیکن ایک فرق پھر بھی رہ جاتا ہے کہ کتنا ہی انسان خوش دلی کے ساتھ، ماں کی خدمت کرے مگر دل میں یہ خیال تو آتا ہوگا کہ خدا میری ماں کی مشکل کو آسان کرے یعنی تاکہ میرے لئے زحمت کم ہو جائے۔کبھی دل میں یہ خیال آ ہی جاتا ہے کہ آخر کب میری ماں اس دنیا سے رخصت ہوگی۔ اور ادھر ماں ہے کہ جب وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیری دیکھ بھال کر رہی تھی، جب وہ ہاتھوں سے تیرے منہ میں لقمہ ڈال رہی تھی، جب وہ تجھے اپنے ہاتھ سے لباس پہنا رہی

تھی، جب وہ تیری نجاستوں کو نوچ رہی تھی۔ تو بھی یہی خدمت کر رہا ہے۔ مگر تیرے دل میں خیال کہ خدا ماں کی مشکل کو آسان کرے جبکہ تیری ماں جب تیری خدمت کر رہی تھی تو اس کی زبان پر یہ دعا کہ خدا تیری عمر کو دراز کرے۔ خدا تجھے طولِ عمر عطا کرے۔ تو اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ دل کی اس حالت میں خدمت کر کے تو اس کا حق ادا کرے گا۔ تو اسی ایک بات میں کتنا بڑا فرق ہے۔

عباسی خلیفہ متوکل کے کارنامے:

متوکل عباسی (بنو عباس) کے بارے میں مولا علیؑ نے ایک دفعہ علمِ غیب کی مدد سے خبر دی۔ شہادتِ مولا 41ھ میں ہوئی بنو عباس کی حکومت 132ھ میں 90 سال کے بعد قائم ہوئی۔ ابھی دور دور تک کوئی حکومت کے آثار نہیں تھے۔ اور کہاں متوکل جس کا زمانہ 243ھ میں آیا۔ مولا کے 200 سال بعد۔ اور مولا نہ صرف ایک خاندان کی حکومت کی خبر دے رہے ہیں بلکہ اس کے ایک ایک فرد کی ساری زندگی کو ایک ایک جملے میں سمیٹ کر پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا و عَاشِرُهُمْ اَكْفَرُهُمْ. امام نے فرمایا۔ پہلا ایسا۔ دوسرا ایسا، تیسرا ایسا، نام نہیں لئے۔ اور دسواں اکفر ہوگا۔ (تشریح فرق بین کافر و اکفر)۔ سب سے بڑا کافر Superlative Degre۔ یہ مولا نے متوکل کا تعارف کروایا۔ متوکل کی اب دعا سنئے۔ ہم دعا کرتے ہیں یا لَيْتَنِي کاش ہم کربلا میں امام کے ساتھ ہوتے۔ متوکل کہتا تھا۔ یَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَ الْيَزِيْد. کاش اللہ مجھے دو سو سال

پہلے پیدا کرتا میں یزید کیساتھ قتلِ حسینؑ میں شامل ہوتا۔ ایک دن سوچا کہ میں دو سو سال بعد پیدا ہوا ہوں یزید کے ساتھ تو نہ تھا۔ تو میں اب اپنی تمنا کیسے پوری کروں گا۔ یزید نے حسینؑ کو شہید کیا ہے۔ میں حسینؑ کی قبر کے نشان کو مٹا دوں گا۔ اسی نے امام مظلوم کے روضہ پر بیلوں کا ہل چلوانے کی کوشش کی۔ ناکامی ہوئی۔ اس نے بہتے ہوئے دریائے فرات کا رخ موڑ کر روضہ کو برباد کرنے کی کوشش کی۔ اپنی تمنا پوری کرنے کیلئے۔ اس نے اپنے دربار میں ایک گنجا مسخرہ رکھا تھا جس کا نام اس نے علیؑ ابن ابیطالب رکھا تھا۔ وہ مسخرہ عجیب و غریب حرکتیں کرتا۔ نتیجتاً ہمارے امام کی دربار میں نام لے کر توہین کی جاتی۔

ایک دن متوکل نے دربار میں شہزادیؑ کا نام لے کر ایسی گستاخی کی کہ میں بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لوگ مولا کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ حسینؑ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ لیکن عالمِ اسلام میں آج تک یہ جسارت کسی کو نہ ہوئی تھی کہ سیدہؑ کی توہین کی جائے۔

واقعہ: مقامِ والدین: بہتر ہے کہ بیٹا واجبُ القتل باپ کو بھی قتل نہ کرے

نام سیدہؑ کو لے کر دربار میں ایسے ایسے جملے کہے کہ اس کا سگا بیٹا (جو کہ محب اہلبیتؑ نہ تھا) سن کر تڑپ اٹھا۔ اس بیٹے نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اب حد ہو گئی۔ رسولؐ زادی کا اس انداز میں تذکرہ دربار میں ہو۔ تمام علماء کے پاس چلو۔ اور سارے علماء درباری تھے۔ مگر بہر حال پیغمبرؐ کے حوالے سے غیرت بیدار ہو۔ سب نے متوکل کے قتل کے فتویٰ پر دستخط کر دیئے۔ متوکل کا بیٹا اس جوش و

خروش کے عالم میں دسویں امام کے پاس پہنچا کہ یہ تو سب سے پہلے دستخط کردیں گے۔ان کی دادی کا مسئلہ۔امامؑ نے یہ تو فرمایا کہ یہ آدمی واجب القتل ہے۔اس کی پہلی حرکتیں ایسی تھیں اور خصوصاً یہ حرکت۔لیکن امامؑ نے فرمایا۔وہ واجب القتل تو ہے لیکن اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل نہ کرنا۔اپنا ہاتھ اپنے باپ پر نہ اٹھانا۔گھبرا کر کہا۔فرزندِ رسولؐ ایسا باپ۔فرمایا۔ہاں اگر تیرے علاوہ دنیا میں کوئی نہ ہوتا تو پھر تیرا فریضہ ہوجاتا لیکن جب تک کسی دوسرے سے کام لیا جا سکتا ہے تجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے امام کی بات سنی۔کہا نہیں۔میرا دل نہیں مان رہا میں چاہتا ہوں کہ یہ نیک کام اپنے ہاتھ سے انجام دوں۔اسی رات باپ کے کمرے میں گھس کر باپ کو قتل کردیا۔لیکن ٹھیک 6 مہینے بعد خود بھی مارا گیا۔دیکھئے احترامِ والدین نہ کرنیکی دنیاوی سزا۔

اسلام نے جو حقوق واجب کئے ہیں ان میں بدلہ نہیں ہے۔کہ ہم اس وقت آپکا حق ادا کریں گے کہ جب آپ ہمارا حق ادا کریں۔نہیں ہر ایک کا فرض اس کی گردن پر رہے گا۔اگر والدین نے اولاد کا حق ادا نہ کیا۔تب بھی اولاد پر واجب ہے کہ والدین کی خدمت کرے۔

حکمِ والدین سے متعلقہ فقہی مسائل:

ایک بات کا خیال کرنا ہے لاَ طَاعَةَ الْمَخْلُوقِ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ کہ کسی بندے کی اطاعت ہوسکتی اللہ کی نافرمانی میں۔والدین کا اگر کوئی ایسا حکم کہ جس میں اگر کسی واجب کو ترک کرنے کی بات کی جارہی ہو یا کسی حرام کو انجام دینے کا

حکم دیا جارہا ہو۔ایسے حکم کو نہیں مانا جاسکتا۔لیکن ایسے حکم کا انکار اس طرح کیا جائے کہ والدین کی توہین نہ ہو۔والدین سے دوبدو گفتگو نہ ہو۔ان سے لڑائی اور جھگڑا نہ ہو۔پس واجبات و محرمات الٰہی میں اطاعتِ والدین نہیں ہے۔اس میں ہمیں حکمِ الٰہی پر چلنا ہوگا۔

لیکن مستحبات، مکروہات، اور مباحات میں والدین کی اطاعت واجب نہیں۔البتہ اُن چیزوں میں بھی حکمِ والدین ماننا ہے کہ اگر ہم والدین کی بات نہ مانیں تو ان کے دل کو تکلیف ہوگی مثلاً باپ نے کہا نمازِ جماعت نہ پڑھو۔باپ نے کہا کہ کالا لباس پہن لو۔چنانچہ اگر انسان نے مستحب حج پہ جانا ہے۔لیکن حالات خراب ہیں۔تو باپ بے چین ہو رہا ہے کہ میرے بیٹے کو نقصان نہ پہنچے۔اگر باپ منع کرے اور بیٹا نہ مانے اور باپ اذیت محسوس کرے تو اب اس کی بات کو ماننا واجب ہے چاہے مستحب حج و مستحب زیارت کو چھوڑنا پڑے۔اسی طرح ہم نمازِ جماعت پڑھنے آرہے ہیں۔مگر صبح سویرے اتنا اندھیرا اور اتنی تاریکی ہے، شہر کے حالات خراب ہیں۔اس وجہ سے ماں کا دل نہیں مان رہا۔اپنے بیٹے کی سلامتی کی وجہ سے نمازِ جماعت سے روکے۔اور نہ ماننے سے ماں پریشان و فکر مند ہو، اذیت محسوس کرے تو اب نمازِ جماعت کا پڑھنا حرام ہے۔

الختصر مکروہ کام کو کرنے، مستحب کام کو چھوڑنے اور مباح کام میں اگر کوئی پابندی لگائیں تو اگر والدین کی بات نہ ماننے سے ان کے دل کو کوئی تکلیف پہنچے تو

یہ بات ماننا پڑے گی۔ سوائے اس کے کہ والدین کی بات ماننے سے والدین کو تو سکون مل جائے گا مگر ہم کسی ناقابل برداشت زحمت میں پڑ جائیں گے مثلاً بیٹا شدید بیمار ہے اسے علاج کیلئے لندن جانا ہے لیکن باپ منع کرے کہ بیٹا تمہارے جانے سے مجھے اذیت ہوگی۔ لیکن اگر بیٹا نہ جائے تو بیماری ایسے مرحلے پر پہنچ جائے گی کہ علاج ناممکن ہو جائے گا۔ اسی طرح مثلاً اگر باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ طلاق دینا اتنا آسان تو نہیں ہے۔ بیوی کی زندگی تباہ ہو جائے گی بغیر کسی وجہ کے۔ اسی طرح اگر باپ اپنے بیٹے یا بیٹی سے کہے کہ تم شادی نہ کرو جب تک کہ میں نہ کہوں اور شادی نہ کرنے سے اسے زحمت ناقابلِ برداشت ہو رہی ہے۔ تو ایسے مواقع پر والدین کی بات ماننا واجب نہیں۔ لیکن اگر ایسی زحمت ہو کہ ہم اُسے برداشت کر سکتے ہیں اور والدین کے دل کو بھی نافرمانی کرنے پر تکلیف ہو تو ایسی بات ماننا واجب ہے۔ اگر تکلیف نہیں ہو رہی اور پھر بھی ہی کام کرو۔ تو بہتر یہ ہے کہ وہ کام کیا جائے لیکن بہرحال اگر نہ بھی کریں تو گناہ نہیں۔

حقوق اولاد:

حقوق والدین کی ساری اہمیت کے بعد اسلام والدین سے بھی ایک تقاضہ کرتا ہے۔ وہ یہ کہ یاد رکھو جس طرح اولاد کی گردن پر تمہارا بہت بڑا حق ہے۔ اسی طرح تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کے حق کو ادا کرو۔ احادیث میں یہ آیا ہے کہ جس طرح والدین کا حق ادا نہ کرنے سے اولاد عاق ہو جاتی ہے۔ اولاد کا حق

ادا نہ کرنے پر والدین بھی عاق ہو جاتے ہیں۔ بہرحال والدین کا مقام پھر بھی والدین پر ہے۔ اور کوئی علت بنے یا نہ بنے۔ صلہ رحمی میں اولاد سب سے پہلے آتی ہے۔ اولاد کے کون کون سے حقوق والدین کو ادا کرنا ہیں۔ یہ تو بہت لمبا موضوع ہے۔ لیکن گفتگو کے آخر میں والدین کو بھی یہ چیز واضح ہو جائے۔

والدین اولاد پر زیادہ پابندیاں نہ لگائیں:

وہ یہ کہ والدین کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو مجبور نہ کریں کہ ان کی اولاد ان کی نافرمان بن جائے۔ جب والدین کو یہ پتہ چل جائے کہ ہمارا اتنا حق ہے اولاد پر۔ ہم یہ یہ پابندی اولاد پر لگا سکتے ہیں۔ یہاں جانے سے روک سکتے ہیں۔ وہاں جانے سے روک سکتے ہیں۔ تو وہ اپنے اس حق کا ناجائز استعمال نہ کریں۔ یہ معصومؑ کا جملہ ہے کہ اپنی اولاد پر اتنی سختی نہ کرو کہ وہ نافرمان نہیں بننا چاہتے تھے مگر بن جائیں۔ اگر اولاد کے ہر عمل پر اعتراض، ہر دفعہ باہر آنے جانے پر پوچھ گچھ تو کتنا ہی فرمانبردار بیٹا ہو ایک وقت اس کا ضبط جواب دے جائے گا اور پھر جب ایک دفعہ اس کی زبان کھل گئی تو وہ نہ اللہ کا، نہ رسول کا نہ شریعت کا، کسی کا خیال نہیں کرے گا۔ بیٹا یقیناً غلطی کر رہا ہے کیونکہ حدیث پہلے آ چکی ہے کہ اگر والدین ظالم بھی ہوں تو ان کے سامنے تم سختی سے بات، چھوڑو تم سختی سے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن اگر کوئی بیٹا اس منزل پر پہنچ کر گناہگار بنا (تو والدین کی نوک جھونک کی وجہ سے)۔ پس والدین کو اپنی اولاد کا کم از کم جو حق ادا کرنا ہے وہ یہ کہ اولاد کو اپنا نافرمان بن جانے پر مجبور نہ کرو۔ حد سے زیادہ بوجھ اولاد پر نہ ڈالو۔ حد

سے زیادہ سختیاں ان پہ نہ کرو۔اور یہ ذہن میں رہئے کہ فقط ایک یہی حدیث نہیں ہے اولاد کے حق کے بارے میں کافی حدیثیں ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبرؐ یہ تذکرہ کر رہے ہیں کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔اس میں پیغمبرؐ نے فرمایا کہ خصوصیت کے ساتھ اپنی اس بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرو جو تمہارے بیٹے کی ماں ہے یعنی کہ جب ایک سے زیادہ شادیاں کی ہوں اور بیٹا صرف ایک بیوی سے ہوا ہو۔اور پھر پیغمبرؐ نے وجہ یہ بتائی کہ اگر تم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا۔تو اس کی وجہ سے تمہارا بیٹا غمگین ہو جائے گا۔

چنانچہ ہمارے سامنے وہ حدیث بھی آتی ہے کہ کسی نے جا کر ایک مرتبہ پیغمبرؐ سے سوال کیا (اور آپ میں سے بہت سے اس منزل پر یا پہنچ گئے ہیں یا پہنچنے والے ہیں) کہ ایک طرف ان کے ہاں اولاد بھی ہے اور ایک طرف بوڑھے والدین بھی ہیں۔سوال کیا کہ اللہ کے رسولؐ آپ نے والدین کا اتنا زیادہ حق بتایا۔پوچھا کہ والدین کے بعد مجھے سب سے زیادہ کس کا حق ادا کرنا ہے۔فرمایا بچوں کا اور اپنی بیوی کا۔

اور اولاد کے بارے میں بھی وہی مسئلہ ہے جو والدین کے بارے میں ہے کہ اسلام اولاد کیلئے سوکھے سوکھے حق کی بات نہیں کرتا بلکہ وہی ساری فضیلتیں بتاتا ہے کہ اگر کسی نے اپنے بیٹے کو بوسہ دیا تو پروردگار عالم اس والد کا ایک درجہ ایک بوسے کی وجہ سے بڑھا دیتا ہے۔اگر کسی نے اپنے بیٹے کو محبت کی نگاہ سے دیکھا۔تو

ایک محبت بھری نگاہ سے دیکھنے سے ایک ایسے غلام کو آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے جو اولادِ بنی اسماعیل سے ہو۔الغرض حدیثیں بہت زیادہ ہیں۔

ا۔ پہلا حق اولاد کی دینی تربیت اور دینی تعلیم:

اولاد کے بہت سارے حقوق ہیں۔روایات میں خصوصیت کے ساتھ دو حق بتائے گئے ہیں۔ا۔ پہلا حق اولاد کی دینی تربیت اور دینی تعلیم۔جس کے بارے میں امام نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر اولاد کو تادیب (مارنا پیٹنا) پڑے اس سے بھی گریز نہ کرو۔البتہ ان شرائط کا خیال رکھتے ہوئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی روایات میں آتی ہیں/ لاگو ہوتی ہیں۔لیکن یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اولاد کہ جس کا بوسہ لینا، جسے نظر رحمت سے دیکھنے کا اتنا ثوب ہے لیکن جب دینی تعلیم و تربیت کی بات آئی تو اس کی مار پیٹ بھی کرنے کی اجازت دی گئی۔

دوسرا حق: اولاد کی جلد شادی میں رکاوٹ نہ بنیں:

وہ یہ کہ اپنی اولاد کی شادی کے راستے میں رکاوٹ نہ بنو اور قرآن کی حکمت دیکھئے سورۃ بقرہ کی 232 ویں آیت۔فَلا .....اَنۡ یَّنۡکِحۡنَ.

والدین سے قرآن کہہ رہا ہے کہ خبردار! اپنی اولاد کے نکاح میں رکاوٹ نہ بننا۔لڑکوں کے بارے میں نہیں کہا۔لڑکیوں کے بارے میں کہا ہے۔اس لئے کہ اگر والدین رکاوٹ بنیں تو تب بھی ماحول و معاشرہ ایسا ہے کہ لڑکے اپنے نکاح پر زور دے سکتے ہیں مگر لڑکیاں خصوصاً ان گھرانوں کی لڑکیاں جہاں دین کا زیادہ رواج ہے۔خواہش رکھنے کے باوجود اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتیں۔لڑکی اپنے

جذبات کوظاہر نہیں کرسکتی۔اوراب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ والدین کہتے ہیں کہ ہم اپنی اولاد کی شادی اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ پھر ہمارا خیال کون رکھے گا۔چنانچہ نکاح اولاد کی مخصوص تاکید کی گئی کیونکہ بہت سے گناہوں کا آغاز جلد شادی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔اوراولاد میں لڑکیوں کا حق ادا کرنے کی تاکید لڑکوں کے حق کی ادائیگی کی نسبت زیادہ آئی ہے۔خصوصیت کے ساتھ باپ اگر کوئی ھدیہ یا تحفہ یا کوئی چیز اپنے گھر والوں کو دے رہا ہوتو حکم یہ آیا ہے کہ تحائف دینے کا آغاز اپنی بیٹیوں سے کرے۔بیٹوں کی خطاؤں کے مقابلے میں بیٹیوں کی زیادہ خطائیں معاف کرے۔اوراگر کسی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا ہے تواس نام کی وجہ سے اس بیٹی کیلئے باپ کی گردن پرایک حق اور بڑھ جاتا ہے۔

ایک اہم فقہی مسئلہ:

جب کوئی مرد کسی ایسی عورت سے زنا کرے جو کسی دوسرے شوہر کے نکاح میں ہو،تو وہ عورت اس زنا کرنیوالے مرد کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے چاہے وہ شوہر طلاق بھی دے دے۔تب بھی یہ عورت اس زنا کرنیوالے مرد سے شادی نہیں کرسکتی۔اوراگر شادی کی تو نکاح غلط،تعلقات غلط ہوں گے اور اولاد فعلِ حرام کے نتیجے میں وجود میں آئیں گی۔

توکل

واذا تلیت علیهم ایته زادتهم ایمانًا و علی ربهم یتو کلون.

(سورہ انفال آیت 4)

توکل اسلام کا اہم ترین مسئلہ ہے۔توکل: اپنے تمام معاملات کو اللہ کے حوالے کر دینا اور یہ یقین اور عقیدہ رکھنا کہ اللہ جو کرے گا ہمارے حق میں بہتر کرے گا۔کم سے کم اللہ کو اس طبیب یا ڈاکٹر کی طرح سمجھنا کہ اگر وہ ہمیں کڑوی دوا بھی دیتا ہے تو ہم اس یقین کے ساتھ پی لیتے ہیں کہ یقیناً اس کڑوی دوا میں ہمارے لئے کوئی بہتری ہے اور اگر وہ ہمارے اعضائے جسمانی کی چیر پھاڑ کرنے کا مشورہ دیتا ہے تو ہم قبول کر لیتے ہیں کہ اس میں ہمارے لئے کوئی بہتری ہے اور اگر ہم کسی مرحلے پر آکر یہ کہیں کہ ٹانگ کٹوا دو، یا ہاتھ کٹوا دو تو ہم یقین کر کے وہ عضو کٹوا لیتے ہیں۔جس طرح ایک طبیب پر ایک انسان اعتماد کرتا ہے اسی طرح الٰہی کاموں کو بھی پر مصلحت سمجھنا چاہیئے۔توکل مومن کی ایک علامت بتائی گئی ہے۔

﴿إن المومنون الذين اذا ذُكِرُوُ اللّٰه وَجلَتُ قُلُوُبُهُم﴾

صرف وہ لوگ مومن ہیں کہ جو انہیں اللہ کی یاد دلائی جاتی ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں واذا تُلِيَتْ علیهم اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ ایمانًا ۔اور جب ان کے سامنے آیاتِ قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا ایمان بڑھتا جاتا ہے۔ و علٰی ربهم یتوکلون اور یہ توکل و بھروسہ کس طرح کا ہوتا ہے۔سورہ طلاق آیة 3 ﴿ومَنْ یتوکل علی اللّٰه فهو حَسْبُه﴾

دنیا میں تم ہر شخص پر بھروسہ کر کے دھوکہ کھاتے رہتے ہو، کوئی کاروبار میں نفع دلانے کے نام پر تمہارا پیسہ لے کر بھاگ گیا، کوئی دوبئی کا ویزہ دلانے کا کہہ کر تمہارا پیسہ لے کر بھاگ گیا، کوئی partnership میں کچھ عرصہ تمہارے ساتھ ٹھہرا پھر تمہارا حصہ لے کر فرار ہو گیا کوئی investment company کھول کر بیٹھا اور تمہاری آنکھوں پر لالچ کی پٹی بندھ گئی اور تم نے زندگی بھر کی جمع پونجی اسے دے دی۔ ہر ایک پر بھروسہ کرنیوالو کبھی اللہ پر تو بھروسہ کر کے دیکھ لو اور یہ اعلان سنو کہ فهو حَسْبُه جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اس کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔ پھر اسے در در کی ٹھوکریں نہیں کھانا پڑتیں اور کہیں ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا۔ سب کچھ ایک ہی در سے مل جاتا ہے۔

اور یہ وہی توکل کہ جس کی تشریح قرآن مجید کی ایک آیۃ میں آ گئی کہ جو قولِ نبیؐ ہے اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰه آج سے میں اپنے تمام امور اللہ کے حوالے کر رہا ہوں، میری رائے، میرا مشورہ، میری عقل میرا علمِ ناقص اور محدود ہے۔اور علم بتایا کہ علم کہتے کسے ہیں ۔اَوَّلُ العِلْمِ مَعْرِفَتُ الْجَبَّار، و اٰخِرُ

العِلْمِ تَفْوِیْضُ الْاَمْرِ اِلَیْهِ. سمجھو کہ علم اس دن مکمل تم نے حاصل کر لیا جس دن تم نے سارے اپنے کام اللہ کے حوالے کر دیئے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے عَسٰی اَنْ تُكْرِهُوا شیئاً وهو خیر لکم و عسٰی ان تحبوا شیئاً و هو شرٌ لکم ۔کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو تم برا سمجھ رہے ہوتے ہو جبکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوتی ہے تو کیوں ہم لاعلمی اور جہالت میں ٹھوکریں کھائیں، اپنے تمام امور اللہ کے حوالے کر دیں۔

مرحوم آیۃ اللہ خوئی نے جہاں معروف نیکیوں کا تذکرہ کیا ہے تو دوسرے یا تیسرے نمبر پر توکل کو لکھا ہے۔ مذکورہ آیۃ عسٰی ان تکرهوا. .وهو شرٌ لکم کی تشریح کے لئے موسیٰؑ اور خضر والا بہترین واقعہ ہے۔ موسیٰؑ کشتی میں سوراخ کرنے کو نقصان سمجھ رہے ہیں، وہ دراصل فائدہ ہے۔

اہلِ عراق کی قسمت کیسے خراب ہوئی؟

دیکھئے انسان میں ایک بہت بڑی خرابی یہی ہے کہ جب اس کے گھر میں کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ اللہ ہمارا امتحان لے رہا ہے۔ اس کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوتا کہ ممکن ہے یہ میرے ہی کسی گناہ کی سزا ہو۔ جو میں نے اب نہیں تو 10، 20 سال پہلے کیا ہوا ہے۔

آپکو ایک تاریخی مثال پیش کرتا چلوں ۔وہ ہیں صدام کے مظالم۔ 22، 23 سال ہو گئے، پوری نسل ختم ہو چکی، جو بچے تھے وہ جوان ہو گئے، جوان بوڑھے ہو گئے اور بزرگ موت کو دستک دے رہے تھے وہ قبرستان کو آباد کر چکے لیکن صدام سے ابھی تک جان نہیں چھوٹی تھی۔ وہ علماء و مراجع کی سراسر توہین کر رہا تھا۔ معصومینؑ کے روضوں پر ظلم ڈھا رہا تھا، 16، 16 سال کی بچیوں کو حاملہ کروا کے انہیں ایران بھجوایا تھا لیکن مظالم کا اختتام نظر نہیں آتا تھا۔

عراق میں ہر دور میں صالحین اور متقین اور دیندار لوگ رہتے رہے ہیں۔ ان کی عبادتیں تقویٰ اپنی جگہ۔ لیکن قرآن کا اعلان کہ جب معاشرے میں خرابی پھیل جائے اور وہ متقی لوگ معاشرے میں اس خرابی کو برداشت کرتے ہیں، چپ بیٹھے رہتے ہیں۔ کہ بھئی لوگ یہ تو کرتے ہی رہیں گے

انہیں کتنی بار ٹوکا جائے۔ ہمارے ہاں متقی لوگ ایسے ہی ہیں۔ بے پردگی کو قبول کر لیا گیا ہے۔ قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان پاکستانی عورت کو یہاں گھٹنوں سے اوپر mini skirt پہنے دیکھیں تو ہمیں افسوس ہوتا ہے، تعجب ہوتا ہے لیکن کھلے بال والی عورت صبح شام گھومتی رہے تو کوئی افسوس نہیں۔ کوئی اسے گناہ نہیں سمجھتا۔ پوری قوم نے اس گناہ کے سامنے نہی عن المنکر کا ہتھیار ڈال دیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جو ہو رہا ہے ہونے دو، اب اس کا علاج نہیں ہو سکتا''۔ جب نیک لوگ یہ کہنے لگیں تو پھر نیک لوگوں کی نمازیں اور روزے، حج اور زیارتیں، تلاوتِ قرآن اور اعمالِ شبِ قدر قیامت میں تو کام آتے لیکن دنیا میں عذابِ خدا (جو نہی نہ کرنے کی وجہ سے آتا ہے) سے نہیں روکتے۔ اور اس کی بہترین مثال قومِ شعیب پر آنیوالا عذاب کہ بد بھی اور نیک بھی دونوں عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔ داڑھی اور حجاب تھوڑا بہت ہمارے معاشرے میں آ گیا ہے لیکن کاروبار کی دیانت کہاں آئی sample کسی اور کوالٹی کا دکھایا جاتا ہے اور مال اور کوالٹی کا دیا جاتا ہے اور جھوٹ اس کے بغیر تو گزارہ نہیں، تھوڑا بہت چل جاتا ہے۔ دودھ میں پانی ملانا تو اب اتنی عام سی بات ہو گئی ہے کہ اس کو اب کوئی خرابی بھی نہیں سمجھتا۔ اگر کہا جائے کہ فلاں دودھ والا پانی ملاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ اس کی خیر ہے یہ تو ہر ایک کرتا ہے۔ جب بتایا جاتا ہے کہ حقوق الناس میں دانے دانے اور تنکے تنکے کا حساب دینا ہوگا تو کہتے ہیں کہ اتنا خیال کون رکھ سکتا ہے۔

صدام کی حکومت کیسے قائم ہوئی:

اگر سوال کیا جائے کہ ملتِ عراق پر اتنے مظالم کیوں؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ کام ایک دو دن میں نہیں ہوا۔ یہ سالوں کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ گناہگار گناہ کرتے رہے اور نیکوکار لاپرواہی کرتے ہوئے خاموش رہے۔ اور جب مراجع نے آواز بلند کی کہ انگریزی سکولوں میں تعلیم دلوانا حرام ہے یہ فتویٰ عراق کے اس خاص دور کیلئے تھا اس لئے کہ عراق میں جب صدام آ رہا تھا تو صدام ایک دن میں نہیں بلکہ صدام کمیونسٹوں کی 50،40 سال کی محنتوں کا نتیجہ ہے

تربیّتِ اولاد میں سکول اور استاد کا اثر:

اور انہوں نے سب سے پہلے وہاں کے تعلیمی نظام پر حملہ کیا۔ تعلیمی نظام کو اپنے کنٹرول میں لیا۔ آہستہ آہستہ سکولوں میں اپنے teacher بھجوائے۔ teacher کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے۔ اگرچہ سکول میں قانون نہ ہو لیکن اگر پڑھانیوالی پردہ کرکے آئے تو بچیاں خود بخود اثر لیں گی۔ استاد کے اثرات تو اکثر اوقات والدین کے اثرات و تربیت سے بھی زیادہ موثر ہوتے ہیں (بہترین مثال یزید کے بیٹے کی)۔ نہج البلاغہ میں میرا مولا اپنے بیٹے حسنؑ کو وصیت کر رہے ہیں۔ 4-2 لائنوں کا نہیں 19 صفحات پر مشتمل ہے وصیت نامہ۔ فرمایا بیٹا حسنؑ اپنی اولاد کی طرف سے کبھی غافل نہ ہونا کہ تم سے پہلے تمہارے دشمن تمہاری اولاد کو بگاڑ دیں۔

دشمن نے منصوبہ بنایا کہ جب تک شیعہ بچوں کو کمزور نہ کیا جائیگا تو عراق جیسے ملک میں جہاں کربلا و نجف جیسے شیعت کے مراکز ہیں۔ پس سکولوں میں استاد بھیجے

جانے لگے۔ سکول کھولے جانے لگے۔ عراق میں تعلیم سرکاری تو نہیں تھی۔ غیر سرکاری تعلیم پیسہ بھی کمایا اور ان کا مشن بھی پورا ہوا۔ بچوں کو اسطرح بہکایا کہ پہلے دن سے ہی ان کے ذہن میں یہ ڈال دیا کہ نہ اللہ ہے، نہ اللہ کا رسولؐ، نہ علیؑ اور نہ ہی عباس۔

سکول۔۔۔سازشوں کے جال میں:

کلاس میں میز پر سیب رکھا گیا۔ بچے سے پوچھا گیا کیا تمہیں سیب چاہئے۔ عام طور پر دیہات کے بچے ہوتے ہیں انہیں پھلوں سے کافی محبت ہوتی ہے۔ ہمارے بچوں کو تو آئس کریم pop corn، چاکلیٹ وغیرہ اور coco پسند ہے۔ سیب ان بچوں کے لئے بڑا attraction رکھتا تھا۔ اور اس وقت سیب کا کہا جانا کہ جب بچوں کو بھوک لگ جاتی ہے۔ پوچھا کیا تم اللہ کو مانتے ہو؟ کہا ہاں۔ کہا اللہ سے کہو کہ آکر تمہیں سیب دے جائے۔ مگر اس طرح نہ ملا۔ پھر پوچھا۔ تم علیؑ کو مانتے ہو۔ کہا ہاں۔ کہا علیؑ کہہ کر سیب کو بلاؤ۔ سیب نہیں آیا۔ اچھا حسینؑ کو مانتے ہو۔ کہا ہاں۔ کہا حسینؑ سے کہو کہ سیب لاکر تمہیں دے دیں۔ یا عباس کہو۔ یا عباس کہنے سے بھی سیب نہ ملا۔ اچھا تم خود آؤ اور سیب اٹھا کر لے جاؤ۔ اب بچہ دوڑتا ہوا آیا سیب کو اٹھا لیا۔ کہا پس تم نے دیکھا کہ نہ اللہ کوئی ہے نہ رسول کوئی ہے نہ علیؑ نہ عباس۔ سب کو تم نے پکار کر دیکھا کچھ نہ ملا۔

بچوں کے ذہن میں یہ پہلا سبق بٹھایا گیا اور یہاں سے سلسلہ آگے چلا۔ تو نتیجے میں ایسی قوم ان گھرانوں میں پیدا ہوئی جن کے والدین علیؑ اور عباسؑ کے نام پر جان قربان کر دیتے تھے لیکن ان کا بیٹا کمیونسٹ بن گیا۔ اب وہ والدین شکوہ کرتے

ہیں کہ ہمارے ہاں نماز، روزہ، ہر جمعرات زیارتِ کربلا تو ہمارا بیٹا صدام کا سپاہی کیوں بنا۔ پھر یہ کہہ کر اپنے دل کو اطمینان دیتے ہیں کہ ہاں بھئی! حضرت نوحؑ کا بیٹا بھی تو ان کے کنٹرول سے نکل گیا تھا۔ نہیں، ہر جگہ یہ جملہ نہیں چلے گا۔ غلطی تمہاری ہے، تم نے نماز پڑھی، روزہ رکھا، ہر شبِ جمعہ کربلا کی زیارت کی لیکن کبھی توجہ نہ دی کہ کس طرح صدام تمہارے بچوں کو اغوا کر کے لے جا رہا ہے۔ آج پچھتانا پڑ رہا ہے اور اس وقت عراق کے مراجع نے یک زبان ہو کر فتویٰ دیا تھا۔

صدام اور معاویہ کا ایک ہی طریقۂ کار:

اور صدام نے یہ قانون اور طریقۂ تاریخ ہی سے سیکھا۔ 1350 سال پہلے حاکمِ شام معاویہ نے ایک اسلامی معاشرے کو علیؑ کے خلاف کیسے تیار کیا۔ جو بزرگ اور جوان تھے انہیں علیؑ کے خلاف کرنا بہت مشکل تھا۔ اس لئے کیونکہ وہ یا رسولؐ کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے یا علیؑ کو جانتے تھے۔ پس معاویہ نے بچوں پر کام شروع کیا۔ حاکمِ شام اسلامی معاشرے کو اس منزل پر لایا کہ مسلمان حسینؑ کو شہید کرنے پر تیار ہوئے تو اس کیلئے اسے 20 سال لگے۔ اس دور میں وہ بچے جوان ہو گئے جن کی تربیت معاویہ نے دشمنئ اہلبیتؑ پر کی تھی۔ کوفہ محبانِ اہلبیتؑ کا مرکز رہ چکا تھا۔ کوفے کے گھر میں ایک بکری کا بچہ بھجوا دیا۔ کہا گیا کہ اس کو پالو اور اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاؤ اس کا خرچہ حکومت دے گی۔ بچہ تو بچہ ہے جانوروں سے جلدی مانوس ہو جاتا ہے۔ پس محبانِ اہلبیتؑ کے بچے ان بکریوں سے کھیلتے تھے۔ کچھ عرصے بعد والدین کو یہ پیغام دیا گیا کہ کل بچے کے صبح اٹھنے سے پہلے ہی

بکری کو ذبح کر دینا اور ذبح نہ کیا تو یہ سزا اور کیا تو اتنے لاکھ درہم۔ جب صبح بچے اٹھے تو بکری کو ذبح پایا۔ ان بچوں کو حکومتی پروپیگنڈہ مشینری نے بتایا کہ تمہاری بکریوں کو علیؑ آئے تھے ذبح کر گئے۔ یہی وہ بچے تھے جو جوان ہو کر یزید کی فوج میں شامل ہوئے اور کہتے تھے حسینؑ کو جلدی شہید کرو ہماری نماز نکلی جا رہی ہے۔ تو یہ سازشیں صدام نے معاویہ سے سیکھیں۔

عراق کے اس دور میں فتویٰ بھی مراجع نے دیا اور خود سکول بھی کھولے۔ لوگوں نے یہی کہا۔ کہ یہ مولوی اور مجتہدان کو کیا پتہ کہ سکول کس کو کہتے ہیں۔ ان کے سکولوں میں اپنے بچوں کو بھیجو گے تو بچے نالائق رہ جائیں گے۔ دنیا چاند کو پہنچ رہی ہے اور یہ مولوی چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے انگریزی بھی نہ سیکھیں۔ کوئی یہ سمجھنے کو تیار نہیں کہ مراجع کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔ اس وقت تو یہ اطمینان ہو گیا کہ ہمارے بچے ڈاکٹر اور انجینئر بن رہے ہیں۔ وہی بچے اسلام کو چھوڑ کر کمیونسٹ بن گئے۔ آج انہی گھرانوں کی بچیوں کی عزت لوٹی جا رہی ہے۔ اور اب وہی سر پکڑ کر بیٹھے ہیں ہائے یہ کیا ہو رہا ہے۔ اللہ ہماری مدد کیوں نہیں کر رہا۔ شاید اللہ ہمارا امتحان لے رہا ہے۔ شاید کچھ لوگوں کا امتحان ہو لیکن اکثر لوگوں کا یہ امتحان نہیں ہے کہ بلکہ اکثر اپنی اس غلطی کو بھگت رہے ہیں۔ جو 30 سال پہلے انہوں نے کی تھی۔

آقائے محسن الحکیم نے فتویٰ دیا کہ کمیونزم حرام ہے اور حرام کی مدد کرنا بھی حرام ہے بس جو لوگ کمیونزم کی کمک کر رہے ہیں تو یہ بھی گناہ ہے اور فتویٰ کے بعد

عراق کے تمام (شیوخ) قبیلوں کے سرداروں کی meeting بلائی، یہ کہہ کر کہ ابھی کمیونزم بالکل ابتدائی حالت میں ہے۔ اگر ہم ابھی مقابلہ کریں تو ان کا نام و نشان مٹایا جاسکتا ہے۔ آقائے محسن الحکیم نے ہر ایک کے گھر پیغام بھیجا۔ ہر ایک راضی ہوگیا۔ کمیونسٹ پارٹی کو پتہ چلا تو انہوں نے شیوخ کو پیسے بھیج کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ آقائے حکیم گھر میں بیٹھے انتظار کر رہے ہیں صبح سے شام ہوگئی۔ عراق کی سرزمین پر مسلم ابنِ عقیل کی کہانی دوہرادی گئی۔ وعدہ کرنے کے باوجود ایک شخص بھی پلٹ کر نہیں آیا۔ اس وقت ایک جملہ آقائے حکیم نے فرمایا کہ ''اس میں میرا نقصان نہیں ہے مگر آج یہ خرابی بڑی آسانی سے دور کی جاسکتی ہے لیکن اگر تمہاری آنکھیں نہ کھلیں، تو تمہارے بچے، تمہاری بچیاں، تمہارا ایمان، تمہاری دولت، تمہاری سرداری، تمہارا قبیلہ سب ختم ہو جائیگا''۔

عوام کی بہت بڑی کمزوری: علماء سے بدگمان ہو جانا

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ سردارانِ قبیلہ کو اپنے ساتھ اس طرح ملایا گیا کہ ٹیلی ویژن کے اوپر اِن میں سے ایک کو پیش کر دیا گیا۔ اور اس سردار نے Tv پر جا کر کہہ دیا کہ میں امریکن CIA کا ایجنٹ ہوں اور آقائے محسن الحکیم بھی امریکن CIA کے ایجنٹ ہیں۔ میرے ذریعے سے ان کو پیسے ملتے ہیں۔ قوم کا مزاج تو آپکو معلوم ہے کہ ایک عالم کیخلاف اتنی سی بات مشہور ہو جائے تو کتنی تیزی کیساتھ پھیل جاتی ہے بلکہ جو عیب اس میں پایا بھی نہ جاتا ہو وہ بھی جنگل میں آگ کی مانند پھیلتی ہے۔ آج سے 17،16 سال پہلے جب حجاب کا اتنا تذکرہ نہیں ہوتا

تھا۔ اور اگر کوئی اتفاق سے حجاب کا تذکرہ کر دیتا تھا لوگ اس سے بہت زیادہ چڑ جاتے تھے۔ کسی عالم نے کراچی میں حجاب کے موضوع پر مجلس پڑھ دی۔ جب وہ چلے گئے، میرا بالکل ابتدائی طالبعلمی کا زمانہ تھا، مجھ سے کہا گیا کہ دیکھئے ہمارے علماء کی حالت، منبر پر کیا کہتے ہیں اور خود ان کا عمل کیا ہے۔ ان کی اپنی جوان بیٹیاں کراچی یونیورسٹی اور فلاں کالج میں پڑھتی ہیں بغیر حجاب کے۔ تو سارا مجمع اس بات کو مان گیا۔ جب کہ عالم پر تہمت تو ایسے ہے جیسا کہ جبرائیل کوئی وحی لے کر آیا ہو کہ کسی کو اس پر شک ہی نہیں رہتا۔ لیکن جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ بیٹیوں کی بے حجابی کو چھوڑیئے۔ ابھی تو اسکی شادی بھی نہیں ہوئی اور یہ کہہ دیا گیا کہ ان کی بیٹیاں کالج اور یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہیں۔ اور لوگوں نے اٰمَنّا و صَدَّقْنا کہہ کر اس کو تسلیم کر لیا۔

- آقائے حکیم جن کے 90 سال حوزے میں گزر گئے۔ اور خالصتاً عراقی تھے۔ لیکن Tv پر جو تہمت لگائی گئی تو نہ صرف اس پروپیگنڈہ کو مانا گیا کہ کراچی میں بھی یہ خبر آئی کہ محسن الحکیم اور خوئی، ان کی تقلید نہ کرنا یہ امریکن CIA کے ایجنٹ ہیں۔ اور وہ اس لئے کہ ان دونوں مرجع کی آپس میں حد سے زیادہ دوستی اور قربت تھی۔ اور نجف میں رہنے والے عام لوگوں نے آقائے حکیم کے گھر پر حملہ کیا اور پتھراؤ کیا۔ ان کے گھر کے دروازے پر 90 سال کا مرجع جس نے ساری زندگی تقویٰ اور تقدس میں گزار دی۔

جنت سے محرومی کا سبب: مستحق تک اسکا حق نہ پہنچانا

(شیخ عبدالطاہر خراسانی کا واقعہ)

شہید دستغیب ''مصباح الحرمین'' نامی کتاب سے شیخ عبدالطاہر خراسانی کا واقعہ نقل کر۔تے ہیں۔شیخ عبدالطاہر انتہائی نیک اور دیندار شخص ہیں۔خراسان کے علاقے سے ان کا تعلق ہے۔ایک ایسا مرحلہ آتا ہے ان کی زندگی میں کہ دنیا سے ان کا دل اچاٹ ہوگیا۔دین پر عمل کرنے کی خاطر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے علاقے کو چھوڑ کر نکل جائیں۔البتہ اسلام نے دنیا کو چھوڑ کر جنگل میں نکلنے پر پابندی بھی لگادی کہ ''لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَام اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے۔زیادہ سے زیادہ اس کی اجازت ہے کہ اپنے ماحول کو چھوڑ کر خانۂ خدا کے پڑوس میں جا کر زندگی گزارو۔اور اس کے بہت سارے فقہی مسائل بھی کتابوں میں ملتے ہیں۔کہ کتنے سال رہ سکتے ہیں اور کتنے سال رہنے کے بعد حج واجب ہوگا۔عبدالطاہر بھی آئے اور خانہ خدا کے پڑوس میں زندگی گزارنے لگے۔اپنے ہی ملک میں اتنے نیک تھے۔خانۂ خدا کی قربت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا تو تقدس وتقویٰ میں اور زیادہ اضافہ ہوتا گیا۔اسی دوران ایک اجنبی جو ان دنوں مکہ میں رہ رہا تھا۔ان کے تقویٰ کی وجہ سے جس

کو سارے شہر نے تسلیم کیا تھا انہیں ایک امانت سونپ دی۔یہ امانت ہیروں اور جواہرات پر مشتمل تھی۔پرانے زمانے میں جب نہ Bank تھے اور نہ ہی ایسے ادارے جن میں آپ اپنی بچت لگائیں تو لوگ سونے یا جواہرات کی شکل میں اپنی بچت کو تبدیل کروا لیتے تھے۔اس کی ساری زندگی کا اثاثہ یہی جواہرات تھے۔اسے کسی کام سے باہر جانا پڑا۔اپنے ساتھ لے جا نہیں سکتا تھا کیونکہ ڈاکوؤں کا خطرہ ہے۔رکھوائے تو کس کے پاس کیونکہ دولت ایک ایسی چیز ہے کہ اچھے اچھوں کا ایمان خراب ہو جاتا ہے۔لیکن عبدالطاہر کے تقویٰ وتقدس کی اتنی تعریف سنی تھی کہ یہ طے کیا کہ ان سے بہتر اور کوئی شخص نہیں۔جبکہ روایات میں تو ادنیٰ درجے کے مومن سے بھی یہ تقاضہ کیا گیا ہے کہ امانت کی حفاظت میں پوری کوشش کرے۔جب میرے معصومؑ امام فرمائے کہ لَوْ اَنَّ قَاتِلَ اَبِیْ اگر میرے بابا کا قاتل مجھے امین بنائے اس تلوار پر بِسَيْفِهِ الَّذِیْ قَتَلَ کہ جس تلوار کے زریعے اس نے میرے بابا کو شہید کیا اُس قاتلِ امام کی جو سزا ہے وہ اپنی جگہ لیکن اس کی امانت میں اس کو واپس کروں گا۔اور صرف روپیہ، پیسہ ہی امانت نہیں بلکہ فرمانِ معصومؑ المجالس والامانت کی روشنی میں کسی کا عیب بھی امانت قرار دیا گیا ہے اسی طرح کسی کے راز کی بات بھی امانت ہوتی ہے۔تاکہ دوسروں کو یہ عیب نہ بتایا جائے۔جبکہ رسول ''مومن کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔امانت کی حفاظت کرنا'' بتا رہے ہیں۔اور امین کی دو قسمیں۔ا۔مالکِ خود چیز بطور امانت دے۔۲۔خود کسی کی چیز ہمارے پاس آجائے مثلاً گم شدہ مال یا

مالِ مجہول والمالک۔جس طرح مغربی ممالک میں اگر کوئی مرجائے تو اس کا سارا ترکہ حکومت بیوہ کو دے دیتی ہے اگر بیوہ یہ کہے کہ اس میں میرا تو حصہ ہے۔بچوں کا حصہ بھی ہے تو حکومت ترکہ خود لے کر چلی جاتی ہے۔پس اگر بیوہ ترکہ قبول کر لے تو وہ باقی وارثوں کی امینِ شرعی بن جائے گی۔اسی طرح اگر ۲ بھائی بزنس شروع کریں تو ہر دوسرے دن ایک دوسرے پر خیانت کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔بس خیانت علامتِ منافق ہے جس طرح ہماری بیماری کیلیے thermomete ماپنے کا آلہ ہے۔اگر آج اللہ کا رسولؐ ہوتا تو خدا معلوم ہم میں سے کتنوں کا دعویٔ ایمان رد کر دیا جاتا۔

شیخ عبدالطاہر خراسانی مل گئے اس لئے اس اجنبی کا مسئلہ حل ہو گیا ورنہ کس کو اتنی قیمتی امانت رکھواتا۔امانت رکھوائی اور چلا گیا۔جب سفر کر کے واپس آیا تو پتہ چل کہ شیخ عبدالطاہر انتقال کر چکے ہیں۔وارثوں سے پوچھا کہ مرنے سے پہلے کوئی وصیت کی تھی۔جوابدیا نہیں۔نہ تحریری صورۃ میں نہ زبانی اور نہ ہی وہ امانت ہم کو دی نہ اس کا ذکر کیا۔

اسلام میں وصیت کرنا واجب ہے۔ناگہانی موت آئے تو اور بات ہے۔ورنہ جسے بھی اندازہ ہو جائے کہ اب میری موت بہت قریب ہے جو جو مال اس کے پاس لوگوں کا ہے اسکی وصیت کر کے جانا واجب ہے۔

امانتیں وارثوں کے سپرد کر کے جانا واجب ہے۔اب وہ شخص پریشان ہو گیا۔کرے تو کیا کرے۔ہزار دو کا نقصان ہو تو انسان صبر کر لے۔لیکن جب

لاکھوں،کروڑوں کی بات ہو،۔ایک ہی چیز اس کے ذہن میں آئی کہ وہ مر تو گیا لیکن اس کی روح تو زندہ ہے۔اور احادیث میں بھی آیا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح اسی دنیا میں رکھی جاتی ہے۔یہ بھی طے شدہ مسئلہ ہے کہ موت کے بعد جنت وجہنم کی تقسیم نہیں ہوتی وہ قیامت کے روز ہوگی۔تو روزِ قیامت تو کہاں؟ بعض روایات میں تو ہے کہ روحیں اسی دنیا میں ہوتی ہیں۔نیک روحیں نجف میں وادی السلام میں اور بدکار روحیں یمن میں وادی برہوت میں جاتی ہیں۔پس یہ شخص نجف چلا۔اسے سو فیصد یقین تھا کہ شیخ عبدالطاہر جیسا نیک آدمی سوائے نجف کے کہیں جا ہی نہیں سکتا۔کچھ عرصہ وہیں ٹھہرا لیکن فائدہ نہ ہوا۔شیخ کی روح سے ملاقات نہ ہو سکی۔مایوس ہو گیا نجف کے کسی عالم نے کہا کہ تم جو اتنے عرصے سے صرف اس لئے یہاں بیٹھے ہو کہ اس آدمی کی روح آجائے جس کے پاس تمہاری امانت ہے۔تم اسے ڈھونڈ رہے ہو ہو سکتا ہے وہ وہاں ہو ہی نہیں بلکہ وادی برہوت میں ہو۔

تو اس نئی روح کے متعلقہ لوگوں کی روحوں کو اس کی اطلاع مل جاتی ہے۔لیکن بعض ایسی روحیں ہوتی ہیں کہ جب وہ آتی ہیں تو صرف متعلقہ روح کو اطلاع نہیں ملتی بلکہ آدمؑ سے لے کر اس آدمی تک جتنی بھی روحیں ہو سب اس کے استقبال کیلیے نکلتی ہیں۔یہ واقعہ بھی شہید دستغیب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ نجف کے دو عالم ایک دوسرے سے عہد کیا کہ جو پہلے مرے گا وہ دوسرے کے خواب میں آکر بتائے گا کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔اس طرح کے عہد

کئے بھی جاتے ہیں۔اور وہ پورے بھی ہوتے ہیں۔ہم لوگ اتنا آخرت سے دور ہیں کہ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ یہ واقعات ہمارے سامنے کیوں پیش نہیں آتے۔

چنانچہ ان دونوں میں سے ایک عالم کا انتقال ہوگیا۔کچھ عرصہ بعد۔یہ واقعہ آج سے تقریباً ۲ سو سال پہلے کا ہے۔دوسرا عالم انتظار کرنے لگا، کافی انتظار کیا۔توقع تو پہلے دن، دوسرے دن، تیسرے دن کی تھی۔ڈیڑھ مہینہ گزر گیا۔اور جب مایوسی ہونے لگی تو وہ عالم خواب میں آگیا۔اس زندہ عالم نے گھبراتے ہوئے پوچھا کہ تم اتنی دیر سے آئے ہو۔اس کا مطلب ہے کہ کسی مصیبت و پریشانی نے مبتلا ہوگئے۔کوئی گناہ پکڑا گیا ہوگا جس کا عذاب بھگتنا پڑا ہوگا۔تو اس مرحوم عالم نے مسکرا کر عجیب جواب دیا۔نہیں، بلکہ یہ ڈیڑھ مہینہ اتنی کوشش کی تھی کہ میرے پاس موقع ہی نہ تھا کہ میں وعدہ پورا کرتا۔کہا جب میں وادی السلام پہنچا تو دیکھا کہ یہاں تو جشن منایا جارہا ہے۔پروردگار کی طرف سے نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے کہ اس روح کے استقبال کیلئے انبیاء و مرسلین آئے۔اس دور 1390ء کے تمام انسان جارہے ہیں۔اور صرف ایک دن نہیں، چالیس دن ہم نے اسکی خوشی منائی۔بتایا گیا کہ شیخ مرتضیٰ انصاری وادی السلام میں آئے ہیں۔یعنی یہ واقعہ اس دن کا ہے جس دن شیخ انصاری کا انتقال ہوا۔آجکل پورا اصول فقہ شیخ انصاری کے اصولوں پر چل رہا ہے۔جس شخصیت کی عظمت اتنی زیادہ کہ پورا وادی السلام فقط خاندان کے لوگ نہیں، فقط نجف

کے لوگ نہیں، فقط مقلدین بھی نہیں بلکہ پورا وادی السلام، وہ سب نہ صرف یہ کہ استقبال کر رہے ہیں بلکہ چالیس دن تک عید کی طرح سے جشن منایا گیا۔پروردگار کی بارگاہ میں مرجع کا یہ احترام اور ہمارے ہاں ایک مرجع کی وہ توہین، کہ ہر سال مراجع مجتہدین اور حوزۂ نجف اور دوسرے قسم کے علماء کو گالیاں دینا، گویا ہر سال روزوں کی طرح لوگوں نے یہ بھی واجب کرلیا۔فقط اپنی کوششیں کرتے ہیں۔اس دن وہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ ان کو یہ پورا مسئلہ اس طرح سمجھا دیا جائے چند منٹوں کے اندر اندر اور باقی گیارہ مہینے بلکہ پورا سال خوابِ غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔آئیں، یہ ہے وقت ریسرچ کا۔یہ ہے وقت مسئلے کی تفصیل معلوم کرنے کا۔

اس نجف کے عالم نے اس جوان کو جواب دیا کہ ممکن ہے کہ شیخ عبد الطاہر وادی السلام میں نہ ہوں۔چونک گیا کہ کیا اتنا مقدس شخص وادی برہوت میں ہوگا۔یہ ناممکن ہے۔پھر اس عالم نے مشورہ دیا کہ اتنے دن تم نے یہاں زحمت اٹھائی۔ایک دو دن وادیٔ برہوت میں بھی ہو کر آجاؤ۔پہنچا وہ شخص وادیٔ برہوت۔اس واقعے سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ وادی السلام نجف اور وادی برہوت یمن میں ہے۔لیکن یہ بتاتا چلوں کہ وادی السلام اور وادی برہوت کا وجود تو اتفاقاً ثابت ہے البتہ ان کی location میں اختلاف ہے۔تو یہ بھی ممکن ہے کہ اس جوان کی مشکل حل کرنے کے لئے پروردگار نے وہیں اس روح کو بھیج دیا جہاں یہ گیا۔کیونکہ وہ حدیثیں ہماری ضعیف ہیں۔کہ جن میں وادی السلام

اور وادی برہوت کی location بتائی گئی ہے۔(وادیٔ برہوت کے یمن میں ہونے کے بارے میں ۲ ہی دلائل/ واقعات ہیں۔ا۔قابیل کا عذاب جو یمن کے خاص علاقے میں تھا اور ایک اس اعرابی کا واقعہ جس کا اونٹ کھو گیا تھا اور وہ اونٹ ڈھونڈنے کے لئے جب یمن میں گیا تو شداد کی جنت کو دیکھ کر آ گیا تھا تو رسولؐ نے فرمایا کہ وادیٔ برہوت وہیں ہے)

بہرحال، یہ شخص یمن پہنچا ہی تھا کہ شیخ عبدالطاہر کی روح آ گئی۔اور کہا اے شخص تو تو وہی نو جوان لگتا ہے جس نے میرے پاس امانت رکھوائی تھی۔اس جوان نے کہا۔ہاں اور آپ شیخ طاہر لگ رہے ہیں۔کہا ہاں۔جوان نے کہا میں اپنے اتنے اہم مسئلے کیلئے آیا تھا جس کیلئے جگہ جگہ ٹھوکریں کھانا پڑ رہی ہیں۔لیکن آپکو یہاں دیکھ کر میں اپنا مسئلہ بعد میں پوچھوں گا۔شیخ عبدالطاہر نے کہا کہ نہیں پہلے اپنا مسئلہ پوچھو کیونکہ مجھے خدا نے بھیجا ہی تیری خاطر ہے۔جوان نے کہا میری امانت کہاں ہے۔بتایا۔تیری اتنی اہم امانت کہ میں نے اپنی بیوی بچوں کو بتانا بھی مناسب نہ سمجھا۔(پیسہ ایسی چیز ہے جو چند لمحوں میں ایمان کو چٹ کر جاتا ہے)۔اور اچانک موت آ گئی۔گھر کے اندر فلاں جگہ سے زمین کھودو۔امانت مل جائے گی۔پھر اس جوان نے سوال کیا کہ آپ جیسا متقی انسان گناہگاروں کی وادیٔ برہوت میں کیسے پہنچے۔آپ کے اوپر یہ عذاب کیوں؟ فرمایا۔ویسے تو پروردگار نے مجھے بھی میرے نیک اعمال کے اجر دکھایا ہے لیکن میرے ۳ گناہ میرے لئے ایسے بنے جیسے پرندوں کے پروں میں

باندھا ہوا پتھر۔تین گناہ مجھے روک رہے ہیں کہ ملکوتِ اعلیٰ میں پرواز نہیں کر سکتا۔احادیث میں ہے کہ ہر انسان کو جنتی اور جہنمی دونوں بننا ہے۔معصومینؑ کی بات نہیں ہو رہی۔جو جہنم میں ہے اسے بھی ایک مرتبہ جنت میں آنا ہے۔اور جو جنتی ہے اسے بھی ایک مرتبہ جہنم میں آنا ہے۔جہنمی کو جنت میں لا کر دکھایا جائیگا کہ اگر تم وہ گناہ نہ کرتے تو تمہیں یہ نعمت جنت ملتی جو تم نے کھو دی۔ایک آدمی نے ایک چیز دیکھی ہی نہ ہو اور وہ اس کے ہاتھ سے کھو جائے تو اتنا افسوس نہیں ہوتا۔لیکن اگر کسی چیز کو دیکھ لیا اور اس کے بعد اس کو وہاں سے نکالا جائے تو برداشت کرنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔پس خالی جہنم ہی کا عذاب نہیں ہوگا جنت سے بھی ترسایا جائیگا۔

مثلاً ایک آدمی نے جب ہوش سنبھالا ہے اسے روٹیوں کے لالے پڑے ہیں۔اسے پتہ ہی نہیں کہ پیٹ بھر کر کھانا کسے کہتے ہیں۔لیکن سارے عیش و آرام کے مزے لوٹ کر جس کی دولت اس کے ہاتھ سے چلی گئی ہو، اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہو گی۔اور یہ چیز ان لوگوں کیلئے بھی ہے جو عارضی جہنمی ہونگے کہ اگر تم نماز قضا نہ کرتے تو یہ نعمتِ جنت ملتی اور اگر داڑھی نہ منڈواتے تو یہ نعمت ہائے بہشت ملتیں اور یہ درجہ و مقام ملتا۔اسی طرح جنت والوں کو جہنم دکھائی جائے گی کہ جو نیکیاں انہوں نے انجام دیں ہیں۔ان سے خالی انہیں انعامات نہیں ملے بلکہ جس عذاب سے وہ بچے وہ عذاب بھی دکھایا جائے گا۔

المختصر شیخ عبدالطاہر نے کہا کہ میری تمام نیکیوں کا اجر خدا نے محفوظ کر رکھا

ہے۔لیکن ۳ گناہ ہیں کاش میرے وہ تین گناہ نہ ہوتے۔

۱۔خالق فرماتا ہے کہ تم تو اپنا وطن چھوڑ کر مکہ میں آگئے ہو لیکن تمہارے والدین اور عزیز و اقارب کا بھی ایک حق تھا۔

۲۔ایک بار ایک عالم میرے پاس آیا۔ میں نے اس کی توہین کر دی۔

۳۔مجھے ایک بار ایک دینار دیا گیا کہ جا کر یہ کسی مستحق کو دے دوں۔اور میں نے وہ دینار تقسیم کیا اور غیر مستحق کے پاس دینار چلا گیا۔

سہم سادات غیر مستحق کو نہ ملے:

ذراسی معلومات ہو جائیں تو انسان اپنے آپ کو مجتہد سمجھنے لگتا ہے۔میں بہت سے ایسے نوجوانوں کو جانتا ہوں جو سہم سادات خود لے کر تقسیم کرتے ہیں۔اجازت نامہ ہو کسی مرجع کا تو وہ ایک الگ بات ہے۔خمس ہضم کرنے والے کی بات نہیں کر رہا۔ بلکہ دیندار جوانوں کی بات کر رہا ہوں۔جن کے پاس خلوص تو ہے معلومات نہیں۔خمس ہضم کرنے والے کے دنیا میں تو مزے اگرچہ آخرت میں عذاب۔لیکن افسوس یہ ہوتا ہے کہ دینے والوں کو ان کو نہ دنیا میں کوئی فائدہ نہ آخرت میں اجر۔یعنی اپنے خیال میں یہ نیکی کرنے گئے کہ کچھ غریب سید آتے ہیں اور کچھ پیسے دینے والے لوگ آتے ہیں۔ان سے پیسے لے کر ان کو دے دیئے تو پھنس گئے۔کیونکہ شرعی رقوم میں جو لوگ ہاتھ ڈالتے ہیں انہیں نہیں پتہ کہ ذرا انیس بیس ہو گیا تو وہ کتنا بڑا گناہگار بنے گا۔

شیخ عبدالطاہر سے یہی غلطی ہوئی کہ سہم سادات غلط جگہ دے دیا۔عام

مشہور ہے کہ خمس غریب سید کا حق ہے۔جبکہ مستحق سید کا حق ہے۔غریب ہونا اور مستحق ہونا اور منطقی اعتبار سے عام و خاص کی نسبت ہے دونوں میں۔غریب اسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس جائز خرچہ نہ ہو۔جبکہ خمس صرف اسی بات کو دیکھ کر نہیں دیا جاتا۔باقی آٹھ شرائط اور ہیں۔جس میں یہ بھی ہے کہ گناہ کھلم کھلا نہ کرتا ہو۔یہ بھی ہے کہ وہ بے نمازی نہ ہو۔یہ بھی ہے کہ پیسہ اس کے گناہ میں تائید کا باعث نہ بنے۔ہم نے دیکھا کہ غریب سیدانی آئی ہے۔تحقیق کی تو پتہ چلا کہ واقعی غریب ہے، فراڈ کیس نہیں ہے۔ایسا نہیں کہ اس نے کہا کہ پانچ سال پہلے مر گیا ہے شوہر جبکہ 5 سال میں 4 بچے پیدا ہوئے اور جا کر دیکھا تو اس کا شوہر حقہ پی رہا تھا۔ایسے cases بھی ہوئے ہیں۔یقیناً ہر مستحق، غریب بھی ہوگا لیکن اور شرائط بھی تو ہیں۔

ایک عام غلطی: خمس کی رقم پہنچانے میں تاخیر کرنا

اپنا خمس جو ہم نے نکالا ہے آج کے آج، زیادہ سے زیادہ کل تک پہنچا دیں۔اگر شہر میں رہتے ہیں تو، ہاں اگر کسی دیہات میں یا پہاڑی علاقے میں ہیں، جنگل میں تو شاید چند دنوں کی اور مہلت مل جائے، جو ہمارے مال کا خمس نکلا ہے اس کو اتنا جلد پہنچا دینا ضروری ہے کہ عرف یہ نہ کہے کہ آپ نے تاخیر کر دی ہے۔دوسرے خمس اول تو ہمیں لینے کا حق نہیں اگر بطور امین یا بطور نائب لیا تب بھی delay یا تاخیر کرنا اس کا حق نہیں۔سوائے مرجع اور اس کے وکیل کے کسی کو یہ حق حاصل نہیں۔ایسے نوجوانوں کو میں جانتا ہوں۔پتہ چلا کہ فلاں

کالونی میں ایک بیوہ ہے یہاں سے وہاں گئے 50 روپے خرچ کئے جانے کے، 50 روپے آنے کے، 100 روپے اپنی جیب سے خرچ کیے۔ جو خمس آیا تھا پورا کا پورا اسے دیا۔ ایک پائی بھی کرایے کی نہیں کاٹی اور پہنچایا اس بدھ کو۔ اس سارے معاملے میں ثواب کے ساتھ گناہ بھی لے کر آ گئے۔

مالی معاملات میں ہاتھ ڈالنا اتنا مشکل ہے کہ میں نے بعض مجتہدین سے سنا ہے کہ سہم امام میں پھر بھی ہم قیامت میں جوابدہی سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا سہم سادات میں ڈرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے معاشرے میں سہم سادات کو تو اتنی عام سی چیز سمجھا جاتا ہے۔ سہم امام کے بارے میں وہ مجتہد کہہ رہا ہے کیونکہ سہم امام بنیادی طور پر ہمارا پیسہ ہے۔ امام نے ہمیں تقسیم سونپی ہے۔ ہم مصلحتاً کچھ روکیں تو صحیح ہے۔ سہم سادات مرجع بھی کہہ رہا ہے کہ وہ ہمارا پیسہ نہیں ہے بلکہ مستحق سید کا ہے۔ اس میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہم ڈر رہے ہیں کہ کہیں ہم نہ پھنس جائیں۔ اور تو اور کچھ خواتین ان کاموں میں ملوث جن کو Social worker بننے کا شوق ہے۔ اچھا شوق ہے لیکن اس کیلئے پہلے آپ مسائل سمجھیے۔

داڑھی

وہ حقیقت کہ جسے 1400 سال سے مسلمانوں کے اِجماع اور مسلمانوں کی سیرت نے ثابت کیا یعنی داڑھی کے منڈوانے کی حرمت کا مسئلہ۔ آج کل متنازعہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور جن دلیلوں کی مدد سے لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ وہ دلیلیں ہیں کہ جنہیں اگر مان لیا جائے تو فقط داڑھی ہی کا حکم مشتبہ نہیں ہوتا بلکہ بات فروعِ دین سے ہٹ کر عقائد تک پہنچ جاتی ہے اور خود عقیدہ ءامامت بھی مشکوک اور متذبذب قرار پاتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں:

اگر ان تاویلات کو تسلیم کر لیا جائے جو بہت سے لوگ کرتے ہیں کہ قرآن میں کہاں لکھا ہے۔ کس آیت میں لکھا ہے صاف صاف دکھاؤ۔ آیت میں کوئی گھماؤ پھراؤ نہیں ہونا چاہیے کسی حدیث کی مدد نہیں لینا۔ یہ تو آل محمدؐ کے ماننے والوں کا 1400 سال سے مضبوط عقیدہ ہے کہ قرآن کی ہر آیت کو سمجھ لینا صرف عقل انسانی کے لیے ممکن نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ احادیث رسولؐ اور احادیث معصومینؑ کو ساتھ نہ ملایا جائے۔'' کتابِ خدا کافی

ہے''۔ والے نظریے کو کبھی بھی ہمارے مکتب تشیع نے نہیں مانا۔ اور جنہوں نے اس نظریے کو مانا بھی ہے انہوں نے یہ کہہ کر نہیں مانا کہ حدیث کو بالکل ہی چھوڑ دینا ہے۔ قرآن میں واضح طور پر کہیں نہیں ہے کہ داڑھی کو منڈوانا حرام ہے۔ اور صرف داڑھی کے بارے میں نہیں۔ اسلام کی اکثر حرام چیزوں کے بارے میں قرآن میں نہیں لکھا ہے۔ حتی یہ کہ کسی امام کا نام تک نہیں لیکن اشارۃً یا تفسیر میں قرآن کی کئی آیتیں ایسی ہیں جن کی تفسیر سے ادر داڑھی منڈوانے کے حرام ہونے کا ذکر ہوگیا۔ داڑھی کے بال توڑنے کی دیت واجب ہے۔ یہ دیت کا واجب ہونا خود اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ خدا نے اسے ایک ناپسندیدہ امر قرار دیا ہے۔ (البتہ دیت کے مسئلے کا داڑھی منڈوانے سے کوئی تعلق نہیں۔)

احادیث کی روشنی میں:

وسائل الشیعہ جو ہماری حدیث کی مستند ترین کتاب ہے اور من لایحضرہ الفقیہہ شیخ صدوق کی وہ کتاب جو ہماری چار بنیادی کتابوں میں شامل ہے۔ دونوں کتابوں کے اندر یہ روایت نظر آتی ہے پانچویں امام کے حوالے سے۔ جو فرماتے ہیں کہ میں نے اس روایت کو اپنے والد سے سنا اور انہوں نے اس روایت کو اپنے جد پیغمبرؐ اسلام سے سنا کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا کہ مجوسی (آتش پرست) داڑھیوں کو منڈواتے تھے کہ منڈواتے ہیں اور یہی وہ فطرت ہے کہ جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ اور ہمارا ذخیرہ احادیث بتاتا ہے کہ

معصومین نے اپنے ماننے والوں کو بڑی سختی کے ساتھ داڑھی منڈوانے سے روکا ہے۔

پانچویں امامؑ نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے پیغمبرؐ سے سنا کہ داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو منڈوا کر یہود سے عدم مشابہت پیدا کرو (یعنی یہ کام کر کے یہودیوں کی مشابہت سے بچو کہ جو داڑھی کو منڈواتے اور مونچھوں کو بڑھاتے ہیں) اس کے بعد وہ روایت کہ جس کا صرف ایک راوی محمد ہیں۔ یعنی وہ راوی جو کتابیں لکھنے کے زمانے میں غیبتؑ صغریٰ میں ہیں۔ اور من لایحضرہ الفقیہہ کے مصنف شیخ صدوقؒ ان سے یہ روایت نقل کر رہے ہیں کہ۔ اس نے نویں امام کے فرزند موسیٰ شہید سے سنا۔ اور انہوں نے اپنے دادا سے سنا (پانچویں امام سے) پانچویں امام فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو اپنے والد سے سنا۔ (چوتھے امام سے) اور میرے والد نے سنا۔ پیغمبر اسلام سے۔ یہ ایک ایسا سلسلہ سند ہے کہ جس میں فقط ایک مختصر معصوم ہیں اور ایک امام زادہ۔ باقی سارا سلسلہ معصومین کا ہے۔ اور وہ روایت یہ کہ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا ان حلق الحیة مثلی۔ داڑھی منڈوانا مثلی ہونا ہے۔ ومن مثله فعلیه لعنة الله اور جس نے اپنے آپ کو مثلی کیا اس پر خدا کی لعنت ہے۔ مثلی کے معنی ہیں ناک کاٹنا، دانت کاٹنا جگر کاٹنا یعنی مرنے کے بعد کس شخص کی اس طرح سے توہین کرنا جیسے حضرت حمزہؓ کی توہین کی گئی۔ اسلام میں یہ بدتر فعل ہے جو اپنے بدتر سے بدتر دشمن کیساتھ

بھی کرنا جائز نہیں۔قول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر کاٹنے والا کتا بھی ہے تو اس کے لاشے کو بھی مثلی نہ کیا جائے۔ داڑھی مونڈھے ہوئے کو سلام کرنا مستحب نہیں۔ سلام اس لیے مستحب نہیں کیونکہ ایک طرف سے اس پر خدا کی لعنت ہو رہی ہے اور دوسری طرف سے سلامتی کی بات کی جائے۔ اور وہ روایت کہ جس کی بنا پر آیت اللہ خوئی نے فتویٰ جاری کیا ہے اور یہ روایت ان کے نزدیک مستند ترین روایت ہے کہ علی ابن جعفرؑ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے چھٹے امام سے دریافت کیا۔ مولا کیا داڑھی کو منڈوایا جا سکتا ہے تو امام نے جوابدیا۔ رخساروں پر سے کوئی حرج نہیں اور تھوڑی پر جائز نہیں۔ اس طرح امام نے واضح طور پر فرما دیا کہ داڑھی رکھنا بھی ضروری ہے اور کس حد تک رکھنا ضروری ہے۔

البتہ ہمارے سامنے ایک روایت آتی ہے جس میں پتہ چلتا ہے کہ خدا کے معصوم نمایندے (نبی یا امام) کے نزدیک بدترین چہرہ وہ ہوتا ہے کہ جس پر داڑھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ چھٹے امام کی روایت کہ جس میں حضرت یعقوبؑ کی قوم، قوم عائد کے ایک شخص نے ان کو ایک مرتبہ اتنی اذیت پہنچائی اور اس انداز سے آپ کی توہین کی کہ حضرت یعقوبؑ کی زبان سے ایک مرتبہ یہ بددعا نکلی کہ اللہ کرے کہ تیرے چہرے پر داڑھی نہ رہے۔ خدا نے اسے ایک ایسے مرض میں مبتلا کر دیا کہ چند ہی دن کے بعد اس کے چہرے سے ایک ایک بال گرنے لگا۔ اب یہ روایت اشارۃً یہی بات بتا رہی ہے کہ ایک نبی معصوم کی نگاہ میں، امام و معصوم کی نگاہ میں، الٰہی نمایندے کی نگاہ میں جو بدترین چہرہ ہو

سکتا ہے وہ ایسا چہرہ جو بغیر داڑھی والے کا ہوتا ہے۔ روایات داڑھی کے بارے میں بہت زیادہ ہیں لیکن جو نہ سمجھنا چاہے تو اتنا کچھ بتا دینے کے بعد مزید بتانا بے کار ہے۔

آٹھویں امامؑ نے جو داڑھی کے فوائد بتائے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مرد کی زینت ہوتی ہے اور مرد عورت کے مشابہ نہیں ہوتا۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی داڑھی نہیں ہوتی۔ جب خدا یہ چاہتا ہے کہ اس کی شباہت عورتوں سے نہ ہونے پائے تو خدا اس کے چہرے پر ایک خاص عمر میں داڑھی پیدا کرتا ہے۔ اس داڑھی کے پیدا ہونے سے وہ بچوں اور عورتوں کی شباہت سے ہٹ جاتا ہے۔ تین معصومین نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ داڑھی کا پیدا ہونا مرد کو عورت کی شباہت سے بچاتا ہے۔ پس مرد عورت کے مشابہہ داڑھی نہ رکھنے سے ہوتا ہے۔ اب اگر ہم اس کو پیغمبرؐ اسلام کے اس فرمان سے ملائیں کہ آخری زمانے کے مرد عورتوں ک شبیہ ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخری زمانے میں ایسے مرد پیدا ہوں گے جو داڑھیوں کو منڈوائیں گے ایسی عورتیں پیدا ہونگی جو بالوں کو کٹوائیں گی۔ اس کے بعد والا جملہ داڑھی کے حرام ہونے کو بتلا رہا۔ یہ میری امت کا بدترین گروہ ہوگا جس پر خدا کی مسلسل لعنت ہوتی رہے گی"۔ پس داڑھی منڈانے والوں پر خدا کی مسلسل لعنت ہوتی رہتی ہے۔

داڑھی کے منڈوانے کے حرام ہونے پر فقہی دلیل:

داڑھی کے منڈوانے کی حرمت کے مسئلے میں کسی بھی مسلمان فرقے نے جرات وہمت نہیں کی۔ داڑھی کے سلسلے میں ہمارے پاس ایک اہم اصول جو شریعت کا ہے وہ یہ ہے کہ علماء نے یہ ثابت کیا ہے اور پتہ کیا ہے کہ جب بھی معلوم ہو جائے قرآن اور حدیث کی مدد سے کہ کسی قوم پر عذاب خدا آیا۔ تو عذاب کسی سنت کام کے ترک کرنے پر نہیں دیا جاتا۔ عذاب کبھی کسی مکروہ کام کے کرنے پر نہیں دیا جاتا۔ مکروہ وہ کام ہے کہ جس کے کرنے کی شریعت نے ہم کو اجازت دی ہے البتہ بہتر ہے کہ نہ کریں۔ سنت وہ کام ہے کہ جس کے کرنے اور چھوڑنے کی شریعت نے ہمیں اجازت دی ہے البتہ بہتر ہے اگر ہم وہ کام کریں۔ تو ایسا کام کہ جس کے بارے میں خود قادر مطلق پہلے اعلان کرے کہ تمہاری مرضی ہے کرو گے تو ثواب ہے۔ چھوڑ دو گے تو کوئی حرج نہیں۔ پس پھر اگر کوئی اس کو چھوڑ دے تو پھر عذاب دینا یہ نہ صرف یہ کہ خدا کی شان کیخلاف ہے بلکہ عقیدہ عدل کیخلاف اور ذات خدا پر ایک بہتان عظیم ہے۔ ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ کی قوموں پر عذاب اسی لیے ہوا کہ وہ اس کام کو انجام دیتے تھے۔ داڑھی کے بارے میں تین محکم ترین رواتیں ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ قوم لوط کو کن گناہوں کے سبب عذاب دیا گیا۔ ان دس باتوں میں سے ایک داڑھی کا منڈوانا بھی ہے یعنی حَلَقُوا لُحیَھُم "وہ اپنی داڑھیوں کو منڈاتے تھے"۔

واقعات کی روشنی میں:

رسولؐ اور داڑھی:

داڑھی منڈوانے والے شخص سے وہ رسولؐ کہہ رہے ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن گواہی دیتا ہے۔ ﴿وما ارسلنک الا رحمة للعلمین. انک لعلی خلق عظیم﴾۔ اے رسول ہم نے آپ کو کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اے رسولؐ بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں کہ جس کے بارے میں کبھی آپ نے یہ بھی پڑھا کہ جب کبھی اس کا دانت شہید ہوا تب بھی آپ کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے۔ جس کے بارے میں آپ نے یہ بھی پڑھا کہ ان کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے تو ایک دفعہ بھی پیشانی پر بل نہ پڑا۔ کفر وشرک اور بت پرستی کے باوجود اخلاق رسولؐ اپنے مقام پر ہیں۔ اس لیے لیکن جب اسی پیغمبرؐ کے سامنے داڑھی منڈوانے والا آتا ہے تو اسوقت پیغمبرؐ اسلام کی کیا کیفیت ہوتی ہے جو روایت کتاب مستدرک الوسائل میں مرزا حسین نوری نے نقل کی ہے۔ صاحب روضۃ الصفاء بھی اس روایت کے راوی ہیں۔ کتاب المنتھی کے اندر بھی یہ روایت موجود ہے۔ کہ جس وقت 7 ہجری کا زمانہ آیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد پیغمبر اسلام نے تمام اطراف کے ممالک کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ کیئے۔ مصر کے جانب، روم کی جانب گیا تو ایک خط کسری کی جانب گیا جو ایران کے بادشاہوں کا لقب ہوتا ہے۔ پرویز نام کا شخص اسوقت حاکم تھا۔ یہ خط جب اس کے سامنے پیش

کیا گیا اور اس نے یہ دیکھا کہ اس خط کا آغاز ہوتا ہے مِنْ محمد رسول اللہ الی کسری عظیم الفارس۔ یہ خط اللہ کے رسول کی جانب سے ہے۔ ملک فارس (ایران) کے حاکم کے لیے۔ تو ایک مرتبہ غیظ وغضب کی حالت طاری ہوگئی۔ عبداللہ ابن احق وہ صحابی ہیں جو پیغمبر اسلام کا یہ خط لے کر گئے۔ پرویز کسری ایران یہ کہتا ہے کہ وحشی اور بدو عرب جو اونٹ کا دودھ پیتے اور اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں، ان کی آج یہ ہمت اور مجال کہ میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا۔ یہ کہہ کر پیغمبر کے خط کو پارہ پارہ کر دیا۔ جب یہ خبر پیغمبر کو مدینے میں ملی ہاتھوں کو اٹھایا اللھم مَزِّقْ مِلْکَهٗ۔ خدا جس طرح اس نے میرے خط کو پھاڑا ہے اسی طرح تو اس کی مملکت کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ تو اس کی مملکت کو بھی حصوں میں تقسیم کر دے۔ اور ادھر پرویز جو ایران کا حاکم تھا اور عرب اس کی مملکت کا صوبہ تھا، یمن کے گورنر کو یہ خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ سرزمین حجاز میں ایک ایسا شخص ظاہر ہوا ہے جو اپنے آپ کو رسول کہتا ہے۔ تم معلوم کر کے تو بتاؤ کہ یہ کون ہے اور اگر تم یہ دیکھو کہ کوئی خطرہ ہے۔ حکومت کے لیے تو اس کے خلاف فوج بھیج کر اسے ختم کرا دو۔ گورنر نے پرویز کا خط پڑھا۔ ایک مرتبہ اپنے دو انتہائی ذہین اور ہوشیار وزیروں کو تیار کیا۔ کہ تم جاؤ اور پہلے مدینے کے اندر اس سے ملاقات کر کے آؤ، یہ کون شخص ہے کہ جس کے بارے میں ہمارے حاکم نے یہ خط لکھا ہے۔ وہ نمایندے چلے، شہر مدینہ کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ روایت یہ ہے کہ پتہ پوچھتے پوچھتے پیغمبر اسلام کے

پاس آئے۔ اطلاع ملی رسول کو کہ یمن کے گورنر کے دو قاصد آئے ہیں۔ پیغمبر مسجد نبویؐ میں ستون کیساتھ تشریف فرما تھے۔ ایک مسافر آیا ہے۔ مہمان بن کر آیا ہے اور وہ مسلمان بھی نہیں کہ اس سے اپنی شریعت کی پابندی کروائی جائے مگر روایت میں یہ ہے کہ جب پیغمبر اسلام کے پاس پہنچے۔ تو؟ فسدر النظر وعلیھا۔ رسولؐ نے انتہائی کراہیت اور ناراضگی سے اپنے چہرے کو ان سے موڑ لیا۔ ان کی جانب پیغمبر توجہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ رسولؐ جو ابو جہل اور ابولہب سے باتیں تو کرتے ہیں۔ ملاقات تو کرتے ہیں۔ ان کے چہرے کو تو دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ پیغمبر کا آنکھیں پھیرتا۔ لوگ حیران و پریشان ہوئے۔ ادھر سے آنیوالے مہمان، ہوسکتا ہے کہ مسلمان ہو جائیں۔ رحمۃ للعلمین خلق عظیم کے مالک اور اسطرح سے پیغمبر منہ پھیر رہے ہیں۔ لوگ حیران کہ پیغمبر کو آج کیا ہوا ہے۔ روایت یہ ہے کہ مہمان سونے کے ہار پہنے ہوئے تھے، چاندی کے کمر بند باندھے ہوئے تھے۔ مونچھوں کو بڑھائے ہوئے تھے داڑھی کو منڈوائے ہوئے تھے۔ پیغمبر نے ایک مرتبہ ان کے چہرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے داڑھی کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ تباہی اور بربادی اور جہنم ہو تمھارے لیے۔ کس نے تمہیں حکم دیا ہے اس بات کا کہ تم نے اپنی داڑھیوں کو منڈوایا ہے۔ یہ پیغمبر ایک کافر سے کہہ رہے ہیں جو شریعت اسلام کا پابند نہیں مگر پیغمبر فرما رہے ہیں ویل لکم مَنْ اَمَرَ بکم ھذا۔ کس نے اس بات کا تمہیں حکم دیا۔ پس وہ لوگ ایک مرتبہ جواب

دیتے ہیں۔ اَمَرنارَبُّنا کِسریٰ۔ ہمیں ہمارے حاکم کسریٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے۔ پیغمبرؐ فرماتے ہیں۔ ولکن ربی امرنی لحیتی لیکن میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی داڑھی کو بڑھاؤں اور داڑھی کو صاف نہ کروں۔ اب اس مقام پر ایک بات بتادی جائے کہ یہ تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عرب کے لوگوں میں داڑھی رکھنے کا رواج تھا۔ ابوجہل اور ابولہب کے چہرے پر داڑھی تھی۔ ایران کے لوگ ابتداء ہی سے داڑھی منڈواتے تھے۔ ایران کے لوگوں میں شروع ہی سے داڑھی منڈوانے کا رواج تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ لوگ پہلے داڑھی رکھتے ہوں اور بعد میں حکم کسریٰ کے تحت داڑھی منڈواتے ہوں۔ لڑکا بالغ ہوا اور اس نے داڑھی منڈوالی۔ اب اگر ان لوگوں کی اس احمقانہ دلیل کو مانا جائے کہ جی داڑھی کو منڈوانا ان کے لیے حرام جو داڑھی رکھ کر منڈواتے ہیں۔ یہاں پر یہ واقعہ بالکل واضح طور پر ہمیں بتا رہا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ایسے آدمی کو بھی جو داڑھی رکھتا ہی نہیں تھا۔ پہلے دن ہی سے shave کرتا تھا۔ اسے بھی پیغمبر نے منع کیا۔ جب کہ وہ کافر اور بت پرست ہے۔ پیغمبرؐ کو اخلاق کا مظاہرہ کر کے مسلمان کرنا چاہیے مگر ایک مرتبہ نفرت کیساتھ پیغمبرؐ نے نگاہوں کو پھیر لیا۔ کچھ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بتایئے کہاں لکھا ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے۔ یہ سارے کے سارے جوابات روایات میں موجود ہیں مگر فقط اس لیے یہاں بیان کیے جاتے ہیں کہ اس قسم کے احمقانہ اعتراضات کی کوئی حد نہیں کیونکہ آپ یہ جواب دیں گے وہ نئے

اعتراض لے کر آجائیں گے۔ ورنہ اسی روایت میں دونوں چیزوں کا جواب ہے۔ اس کے بعد پیغمبرؐ سے وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کسریٰ حاکم کی جانب سے آئے ہیں تاکہ آپ کی کیفیت وحالت کو دیکھیں اور یہ معلوم کریں کہ کہیں ارادۂ بغاوت تو نہیں ہے۔ پیغمبر کا علم رسالت بتا رہا ہے کہ یہ لوگ کس مقصد کے لیے آرہے ہیں۔ یہ دشمن آرہے ہیں۔ یہ وہ لوگ آرہے ہیں جو ایک بہت بڑی فوج رکھتے ہیں۔ سیاست کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ان کو ناراض نہ کیا جائے مگر داڑھی کا منڈوانا اتنا بدترین عمل ہے کہ پیغمبرؐ اس پر راضی ہیں کہ یہ ناراض ہوجائیں اس پر راضی نہیں کہ ایسے چہرے پر نگاہ ڈالیں۔ تو جب پیغمبرؐ اسلام ان کے چہرے نہیں دیکھ سکتے کہ جن سے پیغمبرؐ کا کوئی ظاہری اعتبار سے تعلق بھی نہیں۔ ویسے تو ساری کائنات کے رسولؐ ہیں تو وہ کہ جو خود پیغمبرؐ کا کلمہ پڑھ چکے ہیں پیغمبرؐ کیسے ان سے راضی اور خوش رہ سکتے ہیں۔

ایک آدمی ایک حکم دیتا ہے غیر آدمی نہ مانے تو اس پر کوئی بس نہیں چلتا اور نہ عقل کہتی ہے لیکن اگر اپنا سگا بیٹا نہ مانے اپنے گھر والے نہ مانیں تو سختی بھی ہوتی ہے ناراضگی بھی۔ تو جو حکم پیغمبرؐ کافر نہیں مانتا تو پیغمبرؐ ناراض ہیں تو جب مومن نہ مانے مسلمان نہ مانے تو پیغمبر کتنے ناراض ہوں گے۔ اتنے ناراض کہ اعلان کردیا۔ وہ ہم میں سے نہیں اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں جو بے حیائی کی باتیں کرے اور جو اپنی داڑھی کو منڈواتا ہے۔ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ جس کے بارے میں پیغمبرؐ فرمادیں کہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اب

اس کی کیا حیثیت اور کیا مقام ہوگا۔ اتنا بدترین عمل کہ پیغمبرؐ دیکھنے کو تیار نہیں شفاعت تو بعد کی چیز ہے۔ بخشش تو بعد کی بات ہے۔ ان لوگوں کا کیا ہوا۔ یہ تو بہت لمبی بات ہے اور کس طرح ان لوگوں نے بعد میں داڑھی رکھ لی۔ کچھ ایسی حکایتیں بھی ہمارے سامنے آتی ہیں۔ جو یہ بتاتی ہیں کہ معصومین ہمارے اس عمل سے راضی نہیں۔

مولا علیؑ اور داڑھی:

جب حبابہء والبہ جو دورِ امیر المومنینؑ کی ایک انتہائی دنیدار خاتون تھیں وہ نقل کرتی ہیں کہ میں نے مولا کائنات کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں کوڑا لیے کوفے کے بازار کے اس حصے میں کہ جہاں گوشت فروخت ہوتا تھا) جارہے ہیں۔ اور تمام لوگوں کو جو مار ماہی ایک قسم کی مچھلی کہ جس کے اوپر چھلکے نہیں ہوتے، اسے فروخت کرتے نظر آرہے ہیں انہیں مار مار کر اٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے بنی اسرائیل کے مسخ شدہ اور بنی مردان کے لشکر کو بیچنے والو۔ فرات ابن احنق یہ جملہ سن کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کون ہیں بنی اسرائیل کے مسخ شدہ اور بنی مردان کا لشکر۔ مولا جواب دیتے ہیں یہ ایک ایسی قوم ہے جو اپنی داڑھیوں کو منڈواتی تھی اور اپنی مونچھوں کو بڑھاتی تھی فَمَسَخَ اللـــــہ، پس اللہ نے انہیں مسخ کردیا اس مچھلی کی صورت میں۔ حبابہء والبہ وہ راویہ ہیں کہ جو کثرت کیساتھ عبادت کرتی تھیں اسی وجہ سے انکا جسم سوکھ چکا تھا۔ اور ان کا چہرہ کثرت سجود کی وجہ سے جل چکا تھا۔ اس مقدس راویہ کی

زبان سے یہ روایت ہمارے پاس پہنچی کہ جس میں کسی قسم کے شک وشبے کی گنجائش نہیں اسی لیے ہماری آٹھ مستند کتابوں میں یہ روایت آئی اور وہ سب متفق ہیں اس بات پر کہ نے حضرت نے فرمایا کہ خدا نے اس قوم کو مسخ کردیا جو اپنی داڑھیوں کو منڈایا کرتی تھی۔ یہ ہمارے ہاں ثابت ہے کہ جس انسان کو بھی خدا نے مسخ کیا وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ کتنا بدترین شخص ہے جو داڑھی منڈواتا ہے۔

امام حسینؑ اور داڑھی:

وہ روایت مفاتیح الجنان میں، زیارت کے سفر کے آداب کا طریقہ جہاں بتایا گیا ہے، حصہ دوم کا پہلا یا دوسرا باب صفحہ نمبر بھی غالباً 296 ہے۔ یہاں ایک واقعہ ہے کہ ایک زائر کربلا معلٰی امام حسینؑ کے روضے کی زیارت کے لیے گیا۔ ایک رات کو خواب میں امام حسینؑ کو دیکھتا ہے وہ فرماتے ہیں۔ اے شخص تیرا ایک عمل ایسا ہے جو روزانہ ہمارے جسم کو زخمی کردیتا ہے اور اس وقت بھی زخمی کرتا تھا جب تو اپنے وطن میں یہ کام کرتا تھا۔ لیکن تیرے قریب آنے کیوجہ سے اب اور زیادہ ہمیں تکلیف ہے اور ہمارے، زخموں میں اضافہ ہوگیا ہے۔ زائر نے پوچھا کہ مولا میرا کون سا ایسا عمل ہے۔ فرمایا تیرا داڑھی مونڈھوانا۔

امام سجادؑ اور داڑھی:

ایک اور روایت کہ جسے نعیم الابرار کے مصنف درج کرتے ہیں کہ امام

سجادؑ ساری زندگی یہ ارشاد فرماتے رہے اپنے ماننے والو سے، کہ 3 کام ہرگز نہ کرنا۔اس لیے کہ یہ وہ کام ہیں کہ جب ان کا کرنے والا ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو ہمیں یزید اور دربار یزید یاد آجاتا ہے۔پوچھا گیا کہ مولا وہ کون سے کام ہیں۔کہا کہ دیکھو!

1۔شطرنج کھیلنا۔اس لیے کہ جب ہم دربار یزید میں گئے تھے تو اسوقت یزید شطرنج کے کھیل میں مشغول تھا

2۔شراب پینا۔اس لیے کہ جب ہم دربار یزید میں گئے تھے تو یزید شراب پی رہا تھا۔

3۔داڑھی منڈوانا۔اس لیے کہ جب ہم دربار یزید میں پہنچے تھے تو یزید تازہ تازہ داڑھی کو منڈوا کر وہاں پر آیا تھا۔

یہ وہ راوی ہے کہ جسکا مختصر بیان بحار میں بھی ہے اور جلاء العیون میں بھی۔لیکن وضاحت کیساتھ صرف نعیم الابرار میں۔رسولؐ نے فرمایا کہ آخری زمانے میں میری امت کے کچھ مرد ایسے ہوں گے کہ جو عورتوں کی شبیہہ بنیں گے اور کچھ ایسی عورتیں ہوں گی جو مردوں کی شبیہہ بنیں گی۔یہ میری امت کا بدترین گروہ ہوگا اور اس پر خدا کی لعنت ہوتی رہے گی۔عورتیں مرد کی شبیہہ بنیں گی۔مرد عورتوں کی شبیہہ بنیں گے۔اس میں اکثر وہ چیزیں ہیں کہ جن کو شریعت نہیں مانتی۔مثلاً عورتوں کو مرد کے لباس پہننا۔مرد کو عورت کے لباس پہننا۔مرد کا بال بڑھانا۔عورت کا بال کٹوانا۔

امام زمانہؑ اور عورتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم.

قرآن کریم کی یہ آیت تمام صاحبان ایمان سے مدد طلب کر رہی ہے۔اور وہ مدد بھی خدا اپنے لیے مانگ رہا ہے۔ان تنصر اللہ اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو ینصرکم تو خدا تمہاری مدد کرے گا و یثبت اقدامکم اور تمہارے قدموں کو استقامت عطا کرے گا۔خدا قادر مطلق و قادر علی کل شئی قدیر کو مدد کی ضرورت کوئی مطلب و معنی نہیں رکھتی۔درحقیقت یہ دینِ خدا کی مدد کے لیے ہمیں بلایا جا رہا ہے۔اور دینِ خدا کا محافظ وہ امام وقت ہے کہ جس کے لیے ہماری اور آپ کی مدد مانگی جا رہی ہے۔اب ہم کس انداز سے اپنے امام وقت کی اور دینِ خدا کی مدد کر سکتے ہیں؟ دینِ خدا کی مدد اور امامؑ وقت کی مدد ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔اگر دینِ خدا کی مدد کیجائے گی تو وہ امامؑ وقت کی مدد ہوگی اور اگر امامِؑ وقت کی مدد کی جائے تو وہ دینِ خدا کی مدد ہوگی۔

امامِ زمانہؑ کی دشمن: بے پردہ خواتین

روایات کے مطابق ظہور کے بعد پہلی مدد وہ عورتیں کریں گی کہ جو پردہ نشین ہیں۔اور امام کی مدد کو آنیوالوں کو روکنے کا فریضہ بھی عورتیں انجام دیں گی۔وہ عورتیں جو

بے پردہ ہونگی۔

سفیانی کی 70 ہزار نیم برہنہ عورتوں کی فوج:

روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امام زمانہؑ کے ظہور سے کچھ عرصہ پہلے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام ہوگا عثمان ابن اثیبہ عتبہ۔ شام کے علاقے سے اس کا تعلق ہو گا۔ اس کا لقب روایات میں سفیانی کہا گیا ہے۔ اس کا امام کے آنے سے پہلے آنا یقینی ہے اتنا یقینی کہ روایات میں یہاں تک کہا گیا کہ **لامھدی الابالسفیانی** کہ امام آ ہی نہیں سکتے کہ جب تک اس سے پہلے سفیانی نام کا یہ شخص نہ آجائے۔ یہ شخص شام کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور آخری زمانے میں شام کے علاقے میں اس کی حکومت قائم ہوگی۔ اس کے اور امام کے درمیان میں زیادہ سے زیادہ نوے دن کا فاصلہ ہوگا۔ یہ آدمی انتہائی ظالم ہوگا خاص طور پر آل محمد کے ماننے والوں پر بے انتہا ظلم کرے گا اور ان کا قتل عام کرے گا۔

اس کی یہ کوشش ہوگی کہ کوفے کے شہر کو بھی تباہ کر دیا جائے۔ اور مکے کے شہر کو بھی تباہ کر دیا جائے۔ 70 لاکھ آدمیوں کی فوج اس کے ساتھ ہوگی۔ یہ اپنی فوج کا ایک بہت بڑا دستہ کوفے کی جانب اور دوسرا بڑا دستہ مکے کی جانب بھیجے گا۔ کوفہ اس لیے کہ وہ امام کا دارلحکومت ہوگا اور مکہ اس لیے کہ وہاں سے امام ظاہر ہوں گے۔ اس کی 70 ہزار کی ایک فوج عورتوں کی ہوگی۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو بے پردہ ہوں گی۔ ان کا کام یہ ہوگا کہ امام کا ساتھ دینے والوں کو روکنے کی کوشش کریں۔ ان کو دیکھ کر دوسری عورتیں بھی بے پردہ ہوں گی اور بے پردہ عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ اب نصرتِ امام کرنے کا

ایک طریقہ یہ ہے کہ عورت اپنے اس پردے کو بچائے۔

اسلامی ایرانی انقلاب: پردے کا انقلاب

شاہ نے جب ایرانی معاشرے کو غیر اسلامی معاشرہ بنانا تھا تو اس نے سب سے پہلے بے پردگی کو رواج دیا۔ 1963ء کے وہ قوانین جنہیں شاہ نے سفید انقلاب کا نام دیا تھا۔ اس میں عورتوں کو بے حیائی کی ترغیب دلائی گئی تھی۔ اور یہی وہ سبب تھا کہ ایک وہ دور آیا تھا ایران کے شہروں کو دیکھنے والے کہتے تھے کہ ایران کے شہر تو لندن اور پیرس سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں اور یہی سبب ہے کہ جب انقلاب اسلامی ایران آگیا تو انقلاب کے آغاز سے قبل سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ عورتوں کو اسلامی حجاب کی ترغیب دلائی گئی۔ اور انقلاب اس وقت تک آ ہی نہیں سکا کہ جب تک ایران کی وہ عورتیں جو شاہ کے زمانے کے لالچ میں آکر اپنی چادر کو اتار کر بے پردہ بن رہی تھیں وہ دوبارہ اپنے پردے میں واپس نہ چلی گئیں۔ یہی اسلامی ایرانی انقلاب کی کامیابی کا سبب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آیۃ اللہ خمینی فرماتے ہیں کہ ہماری عورتوں کا پردہ ہمارے شہیدوں کے خون سے زیادہ مقدس اور قیمتی ہے۔ ایک جلیل القدر فقیہ ایسی بات کہہ رہا ہے۔ اور اسی لیے آیۃ اللہ خمینی فرماتے ہیں کہ دشمن ہمارے شہیدوں کے خون سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا ہماری عورتوں کے پردے سے ڈرتا ہے۔ باالفاظ دیگر انقلاب اسلامی آ ہی نہیں سکتا جب تک پردے دار عورتیں اس کا ساتھ نہ دیں۔ اور امام زمانہؑ کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں حجاب اور پردے کی اہمیت کو سمجھ کر پردہ کریں۔

گھر کو جنت کیسے بنائیں؟/ میرا گھر: میری جنت

آخرت میں جو جنت ملنے والی ہے اگر ویسی ہی امن وسکون والی جنت اگر کوئی اپنے گھر کو بنانا چاہے تو اس کے لیے جن چیزوں کو اختیار کرنا پڑتا ہے اور جن چیزوں سے اجتناب کرنا یعنی دوری اختیار کرنا پڑتی ہے ان کا تذکرہ ہوگا۔ فطرت انسان میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ اپنے گھر میں سکون چاہتا ہے۔ بعض اوقات گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے انسان کچھ ایسے طریقے اختیار کر لیتا ہے جو اس کے گھر میں سکون پیدا کرنے کی بجائے ہنگامے اور فساد اور بڑھا دیتے ہیں۔

ساس بہو کے جھگڑے ختم کرنے کے صدیوں پرانے غیر مفید طریقے:

مثلاً ایک ماں شادی سے ہونیوالے ہنگامے کیوجہ سے اپنی بہو کو طلاق دلوا کر بیٹے کی جان چھڑا نا چاہتی ہے۔ یہ سوچ کر کہ شاید اس عمل کے نتیجے میں میرے گھر کا سکون واپس پلٹ آئے گا۔ ایک بہو ہنگامے سے بچنے کے لیے، اختلاف سے بچنے کے لیے اپنے شوہر کو اس کے گھر والوں سے علیحدہ کر کے ایک الگ مکان میں رہ کر یہ سمجھتی ہے کہ شاید اس طریقے سے میں اپنے گھر میں امن وسکون کو حاصل کرلوں۔ لیکن اس طریقے سے بھی اس کا

مسئلہ حل نہیں ہوتا اور گھر جنت نہیں بن پاتا اور اسی طرح جہنم کا نمونہ پیش کرتا ہے جس طرح علیحدگی سے پہلے پیش کر رہا تھا۔ طلاق ہوگئی مگر ہنگامے ختم نہیں ہوئے بلکہ بڑھ گئے۔ بیٹے اور ماں میں جدائی ہوگئی مگر بہو کو سکون نہیں ملا یہ اختلافات اپنی جگہ باقی ہیں تو بجائے اس کے کہ ہم اپنے انہی طریقوں کو جنہیں سالوں سے استعمال کرتے آرہے ہیں بلکہ روز بروز اختلافات بڑھ رہے ہیں۔ آیئے ان سے دریافت کریں کہ جو مالک جنت ہیں، جو قسیم الجنۃ والنار ہیں اور اس سے پوچھیں جو خالق جنت ہے کہ اس دنیا میں اپنے گھر کو جنت بنانے کے لیے ہم کیا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہمارا گھر جنت بن سکے۔

ا۔ گھر میں کسی پر ظلم نہ ہو:

اس طریقے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ظلم نہ ہو۔ جس گھر میں کسی پر ظلم ہو رہا ہو۔ لاکھ انسان کوشش کرے لاکھ عبادتیں کرے۔ کبھی وہ گھر امن وسکون کا گہوارہ نہیں بن سکتا۔

۲۔ گھر کے کسی بھی فرد کے بارے میں بدگمانی نہ کی جائے:

دوسری بات کہ جس کی وجہ سے گھر میں برکت رحمت نازل ہوا کرتی ہے۔ جس سے مصیبت، پریشانیاں اور بلائیں ٹلتی ہیں۔ جس سے ہنگامے اور فساد ختم ہوتے ہیں۔ وہ دوسری چیز امام موسی ابن رضاؑ کی روایت جو حیات القلوب کی پہلی جلد میں بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ کسی کا کوئی راز معلوم ہو۔ ہمیشہ اسے چھپا کر

رکھیں، ہمیشہ اس پر پردہ ڈالیں۔ کسی دوسرے کو یہاں تک کہ سگے باپ اور سگی ماں اور سگی اولاد تک کو خبر نہ ہونے دیں۔ یہ راز ہے اپنے گھروں کو جنت بنانے کا۔ یہ طریقہ ہے اپنے گھروں کو امن وسکون کا گہوارہ بنانے کا۔ اس پر عمل کر کے دیکھ لیجئے کہ جس کا بھی عیب معلوم ہو جس کی بھی برائی آپ کے کانوں تک پہنچے، کوشش یہ کریں کہ کبھی آپ کی زبان سے دوبارہ وہ برائی سننے میں نہ آئے۔ ذہن سے اس کو مٹا دیجئے عیب کو چھپانا سیکھ جایئے اور اپنی زبان پر قابو پانا سیکھ جایئے۔ آپ مشاہدہ کریں گے کہ آپ کا گھر کتنی جلدی اور کتنی آسانی سے جنت بن جاتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا غیبت کا سلسلہ جاری رہا، عیب بیان کیے جاتے رہے، ہر شخص دوسرے کی برائی میں لگا رہا، اگر کسی نے ایک مرتبہ غلطی کر دی تو بجائے اس کو نظر انداز کرنے کے اسے طعنے دیئے جاتے رہے۔ بار بار اسے اس کی غلطی یاد دلائی جاتی رہی اور شرمندہ کیا جاتا رہا۔ تو آپ کا گھر سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن کبھی جنت نہیں بن سکتا، کبھی امن وسکون کا گہوارہ نہیں بن سکتا۔

رزقِ حلال کی اہمیت

تِلکَ الدَّارُ الاٰخِرۃُ نَجعَلُھَا لِلَّذِینَ لا یُرِیدُونَ عُلُوًّا فِی الاَرضِ وَلافسادًا وَالعاقِبَۃُ لِلمتقین (سورہ قصص)۔

ترجمہ یہ آخرت کی دنیا ان لوگوں کے لئے ہے جو اس دنیاوی زندگی میں نہ تکبر سے کام لیتے ہیں نہ فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔ اور پھر قرآن ایک اصول بتا رہا ہے کہ والعاقبۃ للمتقین ۔ عاقبت صرف متقین کیلئے ہے۔

اسلام میں تقویٰ کا مقام:

قرآن ہو یا حدیث، جنت کے بارے میں رسولؐ کا وعدہ ہو یا امامؑ کا سب میں بنیادی شرط ہمیں تقویٰ نظر آتا ہے۔ مثلاً قرآن نے جنت کے بارے میں کہا اُعِدَّت للمتقین (ترجمہ) جنت تو بنائی ہی صاحبانِ تقویٰ کیلئے ہے۔ اسی طرح والعاقبۃ للمتقین ۔ محبت اہلبیتؑ کا حقدار کون ہے؟ سورۃ توبہ آیت ۱۱۹

"یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصادقین" اے ایمان لانے والو پہلے تو امامؑ قسم کھا کر فرما رہے ہیں۔ "واللّٰہ مَا شِیعَتُنا اِلَّا مَنِ اتَّقَی اللّٰہ۔" خدا کی قسم ہمارا شیعہ وہی ہو گا جس میں تقویٰ ہو گا۔ ولایتِ علیؑ کا اعلان غدیرِ خم میں ہوا مگر کس کیلئے۔

لَا یَنَالُ وَلَا یُنَالُ اِلَّا بِالطَّاعَةِ وَالتَّقْوٰی. معصوم فرما رہے ہیں کہ کوئی ہماری ولایت حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اطاعت الٰہی نہ کرے اور تقویٰ اختیار نہ کرے۔ الغرض قرآن واحادیث میں جہاں کسی چیز کا وعدہ ہے وہ متقی کیلئے ہے۔ یہاں تک کہ دنیاوآخرت کی برکتوں کیلئے بھی یہی اعلان کیا گیا۔ لَوْ اٰمَنَ و التَّقٰی اَهْلَ الْقُرٰی لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ. " اگر یہ دنیاوالے، اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ لاتے تو ہم آسمان سے ان کیلئے برکتوں کے دروازے کھول دیں گے''۔ پس آپ نے دیکھا کہ جنت اس کا حق جس کے پاس تقویٰ ہے، عاقبت اس کا حق جس کے پاس تقویٰ ہے، شیعیت اس کا حق جس کے پاس تقویٰ ہے۔ آلِ محمدؐ کی شیعیت اور ساتھ اس کا حق کہ جس کے پاس تقویٰ ہے۔ ولایتِ علیؑ اس کا حق کہ جس کے پاس تقویٰ ہے اسی طرح مولا کے القاب ''امیر المومنین وامام المتقین '' پر غور کر لیں۔ علیؑ امیر تو سب کے ہیں لیکن امامؑ صرف ان کے ہیں جو صاحبِ تقویٰ ہیں۔ تقویٰ بظاہر دیکھیں تو بڑی مشکل چیز لگتی ہے۔ کسی نے پوچھا یا امیر المومنین تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ سوال کرنے والے کی عقل کے مطابق جواب دیا جاتا ہے۔ سوال کرنیوالا ایک بدو عرب ہے۔ چنانچہ مولا نے فرمایا کہ صحرا میں جو پودے ہوتے ہیں ان میں پودے کم اور کانٹے زیادہ ہوتے ہیں۔ (پروردگار نے نظام ہی ایسا رکھا ہے تا کہ پانی کا wastage کم ہو اور حفاظت زیادہ) جب تو صحرا میں سفر کے دوران ایسے راستے سے گزر رہا ہو، جہاں دونوں جانب کانٹے دار جھاڑیاں ہوں اور ایک دم سے تیز ہوا چلنے لگے، تیرے جسم پر انتہائی ڈھیلا ڈھالا اور نازک لباس ہو تو تو کیا کرے گا۔ جواب دیا۔ اپنے لباس کو اچھی طرح جسم کے گرد

سمیٹ کر پھونک پھونک کر قدم بڑھاؤں گا۔ جہاں ذرا احساس ہو کہ میرے لباس میں کانٹا چبھ گیا ہے رک جاؤنگا۔ جب تک اس کانٹے کو نہ نکالوں گا۔ آگے قدم نہیں بڑھاؤں گا۔ میرے مولا نے فرمایا۔ یہی تقویٰ ہے کہ انسان خیال کرے کہ پروردگار نے اسے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ ایمان کا لباس اس کے جسم پر ہے۔ جو ہے تو سب سے قیمتی مگر بڑا نازک لباس ہے۔ دونوں طرف دنیا کی لذتیں، دنیا کی خواہشات اور دنیاوی مزوں کی جھاڑیاں ہیں۔ ہر خواہش دنیا ایک کانٹا ہے۔ اور جہاں شک ہو کہ شاید مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہے۔ فوراً رک کر دیکھیں کہ کانٹا چھپا ہے یا نہیں۔ اگر چبھ چکا ہے تو فوراً توبہ کر کے اس کانٹے کو نکالے اور اگر نہ چبھا ہو تو شکر ادا کرتے ہوئے آگے بڑھ جائے۔ اور اگر اس لمبی تعریف کو ایک جملے میں سمیٹیں تو تقویٰ کا مطلب ہے تمام واجبات کی ادائیگی اور ہر حرام سے اپنے آپ کو بچانا۔ یہ تقویٰ ہے کہ جس کے بغیر خدا کوئی وعدہ کر رہا ہے اور نہ کوئی معصومؑ۔

حرام غذا کا روح پر وہی اثر جو زہر کا جسم پر:

اور اگر انسان کی غذا صحیح نہ ہو تو وہیں سے تقویٰ کا اختتام ہو جاتا ہے۔ شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ مومن اگر نماز نہیں چھوڑ، صوم وصلاۃ کا پابند ہے، دیندار ہے، اچھے اخلاق کا مالک ہے تو میں کسی طرح اس کی غذا میں حرام شامل کر دوں۔ کیونکہ حرام غذا کا روح پر وہی اثر ہوتا ہے جو زہر کا جسم پر۔ زہر انسان کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ختم کر دیتا ہے تو حرام غذا انسان کے ایمان کو پارا پارا کر دیتی ہے۔

رزق حرام کی وجہ سے کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی:

معصومؑ نے فرمایا مَنْ اَکَلَ لُقْمَۃَ بحرام جوایک لقمہ حرام کا کھاتا ہے لَنْ یَقْبَلَ اللّٰہُ صَلاتَہُ وَ صِیامَہُ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا. 40دن تک خدا نہ اس کی کوئی نماز قبول کرتا ہے نہ کوئی روزہ۔انسان جو چیز کھاتا ہے اسی کی طاقت سے عبادتیں انجام دیتا ہے۔جس طرح اگر ہم نجس پانی سے وضو کریں تو ہمارا وضو صحیح نہیں کیونکہ بنیاد نجس پانی ہے جو کہ صحیح نہیں۔جس طرح اگر ہم ایسی جگہ نماز پڑھیں کہ جہاں ہماری پیشانی لگ رہی ہو وہ جگہ نجس ہو تو نماز صحیح نہیں اسی طرح جب ہم عبادت کر رہے ہیں تو یہ طاقت جس غذا سے حاصل ہوئی ہے وہ چونکہ حرام ہے اسی لئے عبادت بھی قبول نہیں۔جس طرح اگر کوئی شراب بیچ کر مسجد بنواتا ہے یا امامؑ بارگاہ بنواتا ہے تو وہ خدا اور معصومینؑ کی بارگاہ میں ایسی مسجد یا امامؑ بارگاہ کا کوئی مقام نہیں اور ایسے شخص کو کوئی ثواب نہیں۔ہم جو یہ سوچتے ہیں کہ چلو ایک مسجد تو بن گئی تو یہ سوچ غلط ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ اولیاءِ خدا اس معاملے میں انتہائی احتیاط کیا کرتے ہیں۔

امام صادقؑ کا واقعہ:

چنانچہ مدینے میں خاندانِ بنو عباس کی حکومت کا دور تھا۔ایک دفعہ مہنگائی کافی بڑھ گئی۔چھٹے امامؑ کے گھر کے معاشی حالات ذرا بگڑ گئے۔کیونکہ امامؑ رہے تو اسی معاشرے میں ہیں اور معجزے کی طاقت سے تو زندگی نہیں گزارتے۔امامؑ نے اپنے غلام مصادق کو بلایا۔۱۰۰۰ دینار دیئے اور مصر میں تجارت کیلئے بھیجا۔۱۰۰۰ دینار آج بھی کوئی چھوٹی رقم نہیں۔اس زمانے میں تو اور قیمتی رقم تھی۔مصادق کاروبار کرنے گئے۔جب مصادق کا قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو ایک قافلہ مصر سے نکل رہا تھا۔دونوں قافلوں کی ملاقات

ہوئی۔پوچھا کہ مصر کی حالت کیا ہے۔مارکیٹ کیسے چل رہی ہے۔انہوں نے پوچھا کہ تم سامان کیا لے کر آئے ہو پھر ہم بتائیں گے۔جواب دیا کہ ہمارے پاس فلاں فلاں سامان ہے۔انہوں نے جواب دیا۔اسی چیز کی بہت ضرورت ہے۔تم بہت خوش قسمت ہو۔گویا سونا لے کر جا رہے ہو۔پھر چیز کی double قیمت لگانا کیونکہ وہ اس کے بہت محتاج ہیں۔مجبوراً انہیں ڈبل قیمت دینا پڑے گی۔یہ جو سنا تو آپس میں agreement کیا کہ کوئی بھی سامان کو کم قیمت پر نہیں بیچے گا۔جتنا بھی پیسہ مل سکتا ہے اتنا پیسہ کیوں کر نہ کھینچیں۔مصر والوں کو جب پتہ چلا کہ ایک ایسا قافلہ ایسا سامان لے کر آ رہا ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے، دوڑ کر آئے۔جب لوگوں نے قیمت پوچھی تو سو روپے والی چیز دوسو روپے۔سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ 105 روپے کی بکتی تھی اب دوسو کی کیوں؟ کہا۔خریدنا ہے تو خریدو ورنہ ہم اگلے شہر جا کر بیچ دیں گے۔ایک دن، دودن، تین دن کتنا صبر کرتے۔وہ تو محتاج تھے،لوگوں نے پیسہ نکالا ہوگا، جائداد بیچی ہوگی، زیور نکالا ہوگا آئے اور سامان لے گئے۔اور قافلے والے تو بہت مالا مال ہو گئے۔واپس آئے مصادق بھی بڑی خوشی کے عالم میں آئے امامؑ کے پاس۔اور دو تھیلیاں امامؑ کے سامنے رکھ دیں۔ایک تو وہی پرانی تھیلی ہزار دینار کی۔دینار نئے تھے مگر تھیلی تو وہی تھی۔کیونکہ پرانے زمانے میں تھیلیاں سکوں کے حساب سے بنائی جاتی تھیں۔اتنی 500 دینار کی تھیلی ہوتی اور اتنی بڑی ہزار دینار کی۔یہ اتنی چھوٹی 50 دینار کی تھیلی ہے۔تھیلی رکھتے ہوئے کہا۔مولا یہ تو وہ پیسے ہیں جو آپ نے دیئے تھے۔اور دوسری تھیلی وہ نفع ہے جو میں نے کمایا ہے۔فرمایا۔اتنا زیادہ نفع! کہا۔مولا جو سامان تجارت ہم یہاں سے لے کر گئے تھے راستے میں پتہ چلا کہ یہ تو مصر

میں ہاتھوں ہاتھ بکے گا۔لوگ دوڑٹ دوڑ کر آئے۔اور منہ مانگی قیمت رکھی۔یہ سنتے ہی امامؑ کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرمایا۔ہٹاؤ اس کو میرے سامنے سے۔مصادق گھبرا گئے۔مولا میں اتنا کامیاب سودا کر کے آرہا ہوں۔مصادق سمجھ رہے تھے شاباش ملے گی، مبارکباد دی جائے گی، انعام ملے گا۔لیکن امامؑ تو واپس کر رہے ہیں۔پوچھا مولا کس لئے؟ فرمایا۔تم نے مسلمانوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے یعنی black marketing کی ہے۔خبردار میں اس میں سے ایک پائی لینے کو تیار نہیں۔جو کسی مسلمان کی مجبوری سے حاصل شدہ پیسہ ہے۔مصادق نے کہا۔مولا چلیں 100 سے 100 نہیں تو پانچ روپے نفع تو ہمارا حق تھا۔اتنا تو آپ اٹھا لیجئے۔امامؑ نے فرمایا نہیں۔چونکہ یہ نفع سبب بنا ہے کہ اس کو حاصل کرتے ہوئے مسلمانوں کا خون چوسا گیا ہے۔اسی لئے میں اسے بھی ہاتھ لگانے کو تیار نہیں ہوں۔پھر امامؑ نے ایک بہت اہم جملہ فرمایا۔یا مصادق۔اَنَّ مُجادَلَةَ السیُوف اَهْمَزُ مِنْ طَلَبِ الحلال۔اے مصادق یاد رکھو تلواروں کا چلانا اور اپنی جان میدانِ جہاد میں دے دینا زیادہ آسان ہے۔حلال رزق حاصل کرنے کے مقابلے میں۔ایک ایک لمحے گناہ سے بچنا پڑتا ہے۔بچے فاقوں سے تڑپ رہے ہیں۔بیوی پریشان بیٹھی مگر حلال رزق کی خاطر انسان ہر مصیبت برداشت کرلے مگر حرام کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔

اہم فقہی مسئلہ:

ایک درزی کیلئے ایک سوٹ کیلئے مناسب کپڑا جتنا لینا چاہئے۔اس سے زائد کپڑا لینا حرام ہے۔جوڑے بنانے کے بعد جو کترنگ / cut pieces بچ جاتے ہیں اس پر واجب

ہے کہ اس کے مالک کو واپس کرے۔یا کم از کم اس سے اجازت لے لے کہ میں اتنی احتیاط نہیں کر سکتا آپ مجھے معاف کر دیں۔اسی طرح اگر آپ 12 روٹیاں لینے گئے۔بھولے سے تیراں روٹیاں لے آئے تو ایک روٹی اس کے مالک کو واپس کر دیجئے۔وہ کھانا حرام ہوگی۔

اہلبیتؑ رزق میں خاص احتیاط کرتے ہیں:

ہم اور آپ عام حالات میں احتیاط کرنے کو تیار نہیں اور اندازہ کریں اس گھرانے کا جس پر کئی وقت کے فاقے گزر چکے ہیں۔اور جب بازار سے قافلہ گزرتا ہے اور گھر کی چھت سے کھجوریں پھینکی جاتی ہیں۔اور چھوٹے چھوٹے بچے جب کھجوریں اٹھا لیتے ہیں تو مائیں یہ کہہ کر نظر انداز کرتیں کہ ارے یتیم بچے ہیں ان سے کیا کہا جائے جبکہ حیرانی کی بات ہے کہ بچے اتنے دنوں سے فاقے سے ہیں کہ اب تو ماں کا صبر بھی جواب دے جانا چاہئے۔تاریخ بتاتی ہے کہ باقاعدہ منہ میں انگلیاں ڈال کر کھجور کو نکالا جاتا ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ یہ صدقہ ہے جو ہم اہلبیت نبوت پر حرام ہے۔پیٹ بھری حالت میں بچنا پھر بھی آسان ہے۔لیکن جس کا بچہ کئی دنوں سے فاقے سے ہو۔رزقِ حرام جو آرہا ہے اس سے اجتناب کیا جارہا ہے۔

رزق میں بے صبری نہیں کرنا چاہیے

اَللّٰهُمَّ اغفرلی الذنوب اتی تهتک العصم. اے اللہ میرے وہ گناہ معاف کردے، جن گناہوں کی وجہ سے تو، کرنیوالے کو protection مہیا نہیں کرتا۔اس کی حفاظت نہیں کرتا۔

اگراللہ ہم سے اپنی توجہ ہٹالے تو یادرکھئے۔صاحبانِ ایمان تو دنیا میں دشمنوں کے درمیان ایسے رہتے ہیں جیسے 32 دانتوں میں زبان رہتی ہے۔ہم پر خاص رحمتِ الٰہی ہے جس کی وجہ سے ہم محفوظ ہیں۔ورنہ جیسے ہمارے خلاف منصوبے بنائے جا گئے۔جیسی ہمارے خلاف سازشیں کی گئیں، جیسے ہمارا خون بہایا گیا۔آج نام ونشان مٹ جانا چاہئے تھا۔آج تاریخ میں یہ آجاتا کہ ایک شیعہ نامی 12 اماموں کو ماننے والا فرقہ تھا۔پس کوئی protection دینے والا ہے۔کوئی بچانے والا ہے۔

لیکن یادرکھئے انفرادی طور پر(individually) 7 گناہ ایسے ہیں کہ خدا اس شخص سے کہتا ہے کہ جب تم بالکل ہی میری مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہو۔تو تم جانو اور تمہارا کام۔ایک منزل آتی ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی نافرمانیوں کی وجہ سے کہتا ہے۔اچھا تم اب اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے ہو تو ٹھیک ہے میں تمہارے معاملات تمہارے حوالے کر دیتا ہوں۔اب تم جانو اور تمہارا کام۔اگر چہ اس کے بعد جب بیٹا پریشانی میں پھنستا ہے تو باپ کو رحم آہی جاتا ہے۔وہ ارحم الراحمین بھی ہماری پریشانی دیکھ کر مدد کر ہی دے گا۔لیکن 7 گناہ ایسے ہیں جنکے بارے میں حدیث آگئی کہ **تھتک العصم**۔

پہلا: شراب،

دوسرا: بے صبری دوسرا گناہ بے صبری، بظاہر بہت چھوٹا سا لفظ ہے۔صبر مومن کی اہم ترین صفت قرار دی گئی۔یہ تو مومن کے سر پر تاج کی مانند ہے۔معصومؑ فرماتے ہیں: جو ہم سے محبت کرتا ہے، وہ نے صبر کی چادر پہن لے کیونکہ بغیر صبر کے وہ اس دنیا میں رہ ہی نہیں سکتا۔

حدیثِ مولا علیؑ۔اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ کَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ فَاِذَا ذَهَبَ الرَّاسُ ذَهَبَ الْجَسَدُ فَاذا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْاِیْمَانُ. صبر ایمان کے ساتھ اسطرح ہے جس طرح سر جسم کے ساتھ ہے جب سر چلا جائے تو جسم بھی ختم ہو جائے گا جب کسی مومن کے پاس سے صبر چلا جائے تو ایمان باقی نہیں رہتا۔

اہل بیتؑ کے بے شک کپڑے پھٹے پرانے ہوں، کھانے کو خشک روٹی ہو لیکن گھوڑا بہترین ہوتا ہے۔بہترین قسم کا لوگوں کو دکھانے کے لئے نہں ہوتا۔آپ کہیں گے واہ۔کپڑے پھٹے پرانے، روٹی خشک لیکن سواری بہترین۔یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ بہترین گھوڑا جہاد میں بہترین مددگار ہوتا ہے۔

رزق کا وعدہ تو خدا نے کیا ہے۔بارھویں سپارے کی پہلی آیت: مَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا. زمین پر چلنے والا کوئی کیڑا بھی ایسا نہیں جس کے رزق کی ہم نے ذمہ داری نہ لی ہو۔'' پھر بے صبری کس بات کی۔

حدیث رسولؐ ہے کہ ''نیکی کا پیغام اس سے بہتر کوئی ھدیہ اور تحفہ تم کسی مومن کو دے ہی نہں سکتے ہو''۔

ایک دفعہ موسیٰؑ کوہ طور پر گئے۔خدا نے کہا موسیٰؑ آج میں تمہیں ایک چیز دینا چاہتا ہوں۔''میرے ماننے والوں سے کہنا۔جب تک 4 باتیں ہوں 4 کام نہ کریں۔جب تک اُنہیں میرے خزانے خالی ہونے کا یقین نہ ہو تو اپنے روزگار اور روزی کے بارے میں پریشان نہ ہوں''۔

اگر کوئی شخص کہے نہیں میں تو روزگار چاہیے حلال ہو کہ حرام اس کے حصول میں صبر

نہیں کروں گا۔تو خدا کیا کہے گا؟ کہ جاؤ جس طرح بیٹا باپ سے کہتا ہے کہ میں فلاں کام تو کر کے رہوں گا۔باپ کیا کہتا ہے تنگ آ کر اور مجبور ہو کر؟ جاؤ تم جانو اور تمہارا کام۔لیکن دیکھو۔پریشانی میں پھنس جانا تو یہاں واپس نہ آنا۔اسی طرح تم حرام کی جانب گئے کیوں؟ کیا تمہیں جو چاہیئے تھا وہ اللہ نہیں دے سکتا۔کیا اللہ کے پاس کمی ہے کہ تم نے شیطان کے دروازے کو کھٹکھٹایا؟

ہر حرام ہمیں حلال ہو کر ملے گا:

جتنی بھی چیزیں اسلام نے حرام کی ہیں ان کی اکثریت اللہ ہمیں حلال طریقے سے دلوانے والا ہے۔شرابِ طہورہ جنت میں آپکا انتظار کر رہی ہے۔زنا حرام ہے۔حوروں کی ایک لائن جنت میں آپکا انتظار کرت رہی ہے۔دعاؤں میں تعقیباتِ نماز کی دعاؤں میں، ماہِ رمضان کی دعائیں، حج کی دعائیں۔زَوِّجْنَا بِحُوْرِ الْعِیْنِ بار بار یہ فقرہ آیا تا کہ یاد دلایا جائے کہ تم کیوں حرام کی جانب جا رہے ہو۔ پیغمبرؐ نے شب معراج آسمانوں میں 22 قسم کے گناہ گاروں کے عذاب کو دیکھا۔ایک عذاب یہ بھی دیکھا کہ ایک گروہ جس کے سامنے دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے اور نعمتیں رکھی تھیں۔بہترین کھانے تھے، اور دوسری جانب بدترین غزا، سڑا ہوا کتا، سڑا ہوا سور کہ جس پر کیڑے رینگ رہے ہیں اور یہ غلیظ کھانا کاٹ کاٹ کر انہیں کھلایا جا رہا ہے۔انہیں قہہ ہو رہ ہے۔پھر بھی اٹھا اٹھا کر دوبارہ کھلایا جا رہا ہے۔پیغمبرؐ نے دیکھا تو پوچھا۔پروردگار یہ کون لوگ ہیں۔جواب آیا۔اے رسول تمہاری امت کا وہ گروہ جن کو میں نے ہر چیز حلال کر کے دینا چاہی مگر یہ خود ہی حلال کو چھوڑ کر حرام کی جانب گئے۔بے

صبری کی۔حرام کے ترک کرنے کے بدلے میں جنت میں نعمات ہوں گی

ایک دفعہ معصومؑ سے سوال کیا گیا کہ اللہ نے مرد پر سونا کیوں حرام قرار دیا۔اس کی کئی وجوہات ہیں۔وہ سائنسی وجوہات بھی ہیں۔لیکن امامؑ نے اس وقت مختصر جواب دیا۔پوچھا کہ کیا دنیا کی 50 سال کی زینت چاہیئے یا آخرت کی لاکھوں سال کی زینت۔کہا۔مولا لاکھوں سال بہتر ہے۔فرمایا کہ دنیا میں سونا اس لئے حرام ہے تا کہ تمہیں جنت میں سونا پہنایا جائے۔

بچے کے کان میں اذان دینے اور خاکِ شفاء چٹانے کا فلسفہ: نمازی ومجاہد بننے کا پیغام دینا:

آقائے مظاہری تربیتِ اولاد (کتاب کا نام) میں یہ واقعہ علامہ مجلسی کا لکھا ہے۔مجلسی اوّل۔یہ جو مشہور مجلسی ہیں ان کے والد۔مشہور باقرِ مجلسی ہیں۔بیٹا پیدا ہوا۔شروع ہی سے اس کی تربیت اسلامی احکامات کے مطابق کی گئی اور ایک اصول یہ بھی کہ اولاد کو پیدا ہوتے ہی مجاہد و نمازی بناؤ۔وہ کیسے پتہ چلا۔کہا۔بچہ پیدا ہوا اس کے کان میں اذان دو۔اور یہ جملہ بھی کہو کہ حی علی الصلوۃ آؤ نماز کی جانب۔ابھی بچہ گھنٹے کا یا ایک دن کا۔نماز کا پیغام اس کے کان میں ڈال دو۔تا کہ اسے پتہ چلے کہ مومن کی اصل ہے نماز۔اور مجاہد بنانے کا اس طرح پتہ چلا کہ بچے کی ولادت کے بعد مستحب ہے کہ فرات کا پانی اس کے تالو سے لگایا جائے اور خاکِ شفاء اسے چٹائی جائے۔فرات کا پانی بھی کربلا کا پانی اور خاک شفا بھی کربلا کی مٹی۔یعنی اسے پہلا پیغام یہ دینا کہ

تمہارا تعلق اس سرزمین سے ہے جو شہیدوں کی ہے۔ چنانچہ پہلی تمنا ہے کہ نمازی اور شہیدِ راہِ خدا بنے۔ اور اسلام نے یہ بھی کہا کہ اپنے بچے کو کچھ ایسے کھیل سکھاؤ جو سارے جہاد میں کام آئیں۔ تیراندازی، پہلوانی، گھڑسواری، شمشیرزنی۔

شہزادوں کے حالاتِ زندگی میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ حسنین کس طرح پہلوانی کے مقابلے کرتے تھے۔ دیکھئے اسلام نے شرط لگانا ہر جگہ حرام قرار دیا ہے لیکن تیراندازی اور گھڑسواری میں شرط کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر دیکھنے والوں میں نہیں۔ حصہ لینے والوں میں۔ ایک حرام اس لئے حلال کیا کہ اسلامی معاشرے میں ہر آدمی شہ سوار ہو، نیزہ باز ہو، تلوار چلانے والا ہو کیونکہ یہ ساری چیزیں میدانِ جہاد میں کام آئیں گی۔

رزق حرام کا اثر: علامہ مجلسی کا واقعہ

چنانچہ علامہ مجلسی نے اپنے بچے کو ایک کھلونا تیر کمان دیا۔ اگلے دن ایک بہشتی/ ساقی / ماشکی/ مشک بھرنے والا آیا اور آکر کہا۔ نائب امام سے کہ آپ کے بیٹے نے کھیل کھیل میں مجھے ایسا نقصان پہنچا دیا۔ میری تو ساری زندگی گزر گئی پانی کی مشک سے۔ اسی سے روزی کماتا ہوں۔ اس نے اپنا کھلونا تیر چلایا جس کے نتیجے میں مشک میں سوراخ ہو گیا۔ میرا تو ذریعہ معاش چھن گیا۔ آپ نے اسے پیسے دیئے کہ جاؤ مرمت کراؤ۔ لیکن پریشانی کے عالم میں گھر آئے۔ بیوی کو بٹھایا۔ کہا دیکھو ہمارے بیٹے نے آج کھیل کھیل میں صحیح

ایک مومن کے مال کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ بچہ ہے، معصوم ہے۔ یہ خرابی اس میں کیسے آئی۔ یا میں نے کوئی ایسا کام کیا ہے یا تم نے۔ شوہر و بیوی سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے۔ علامہ مجلسی کو کچھ یاد نہیں آرہا۔ آخر بیوی کو یاد آیا کہ ایک دن جب یہ بچہ میرے شکم میں تھا۔ میں اصفہان میں شوہر کے گھر سے اپنے میکے جارہی تھی۔ اپنے ساتھ سوئی دھاگہ بھی میں نے رکھا ہوا تھا۔ راستے میں بہت پیاس لگی۔ ایک انار کے باغ کے قریب سے گزری۔ انار پکے ہوئے تھے اور پھلوں سے بھری ہوئی ٹہنیاں لٹک رہی تھیں۔ میں نے وہ سوئی ایک انار میں داخل کی چند قطرے نکلے جن کو چوسا اور یوں اپنی پیاس بجھائی۔ علامہ مجلسی نے فرمایا جب یہ بچہ تمہارے پیٹ میں تھا تب تم نے ایک مومن کے مال میں سوئی کو داخل کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ اس نے آج دوسرے مومن کی مشک میں تیر داخل کیا۔ یوں ماں کے افعال کے اثرات اولاد میں منتقل ہوتے ہیں۔ ہمارے بچے کی بنیاد گناہِ کبیرہ پر ہے۔ ماں نماز نہیں پڑھ رہی۔ کس ماں کی بات ہے جو نمازی ماں ہے۔ اور اگر پڑھنا چاہے۔ ایسی مائیں ہیں جو پڑھنا چاہتی ہیں نماز، تو ایک ہنگامہ ہو جاتا ہے خاندان میں۔ عورتیں تیار نہیں ہوتیں کہ کوئی اس حالت میں نماز پڑھے۔ اچھا، اگر کوئی تارکِ صلوۃ نماز نہ پڑھے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ ایسی بچیاں ہیں کہ جنہوں نے مسئلہ جاننے کے بعد اس مسئلے کی پابندی کرنا چاہی تو ساس پیچھے پڑ گئی، ماں پیچھے پڑ گئی۔

صلہ رحمی

اگر کوئی قطع رحمی کرے تو بھی ہمیں صلہ رحمی کرنا ہے:

اور اگر ایک رشتہ دار نے دوسرے سے قطع رحمی کی مثلاً نہیں ملا۔ ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم بھی نہیں ملیں گے مثلاً اس کے بیٹے کی شادی تھی، اس نے نہیں بلایا۔ ہم بھی نہیں بلائیں گے۔ ایسا نہیں کر سکتے۔ جائز نہیں۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ ہوتا تو چل جاتا۔ صلہ رحمی شریعت کی وجہ سے واجب ہے۔ خدا کی وجہ سے واجب ہے۔ اگر اس نے حق صلہ ادا نہ کیا۔ تو ہم پر سے صلہ رحمی ساقط نہیں ہوتی۔ ہمیں اپنی خوشی کی تقریب پر دعوت ضرور دینا ہے۔

امامؑ موسیٰ کاظم نے شہادت قبول کرنا گوارا کیا مگر صلہ رحمی ترک نہ کی:

جب ہارون رشید کی سیاست کا یہ تقاضہ ہوا کہ ساتویں امام کو گرفتار کیا جائے۔ تو انہیں لوگوں کو بتانے کیلئے کوئی جواز چاہیے تھا۔ چنانچہ وزیر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ علمائے اسلام سے اس طرح فتوے لیے جائیں جس طرح یزید نے قاضی شریح سے فتویٰ لیا۔ علماء سے بات کی۔ علماء فتوے دینے کو تیار۔ کہا کہ کوئی ہمیں بھی تو بہانہ دیا جائے۔ ہم کیا کہہ کر انکے خلاف فتویٰ دیں۔ جیسے یزید نے یہ بہانہ بنایا کہ چونکہ یہ مدینہ سے لشکر لے کر نکلے ہیں اور بیعت سے انکار کیا اور خلیفہؑ

وقت کے ہوتے ہوئے کوفے میں حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تھی اس لئے واجب القتل۔ پھر ہارون نے یحیٰی سے کہا کہ علماء بھی بہانہ مانگتے ہیں۔ اس نے کہا اچھا میں کوشش کرتا ہوں۔ اور اپنے جاسوس دوڑا دیئے۔ کہ امام کے خاندان میں تلاش کرو کہ ہے کوئی دولتِ دنیا کا لالچی کہ وہ امام کیخلاف گواہی دینے کو تیار ہو جائے۔ پتہ چلا کہ امام کے سگے بھتیجے محمد ابنِ اسماعیل جن سے اسماعیلی فرقہ چلا۔ وہ مدینے میں ہر جگہ رو کر یہی کہتے تھے کہ حق میرے بابا اسماعیل کا تھا۔ باپ کے بعد مجھے ملنا چاہئے چچا چھین کر لے گیا۔ جاسوسوں نے اطلاع دی کہ یہ آدمی ہمیں اپنے مطلب کا لگ رہا ہے۔ چنانچہ یحیٰی برمکی کا خاص خط اس کے نام آیا۔ کہا کہ بغداد آجاؤ۔ اپنے چچا کے خلاف گواہی دے دو۔ ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے بلکہ تمہیں رئے صوبے کا گورنر بنا دیں گے۔ یہ وہی رئے جس کے لئے پسر سعد نے اپنا ایمان بیچا۔ اب محمد ابنِ اسماعیل کی باری آگئی۔ تیار تو ہو گیا لیکن تھا انتہائی کاہل اور ناکارہ آدمی۔ جیب میں کچھ نہیں ہے۔ وزیر اعظم کے پاس جانا ہے۔ کیسے جائے۔ امام کے پاس آئے۔ کہا: چچا آپ مجھے اکثر نصیحت کیا کرتے تھے کہ اللہ ایسے مومن کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰہَ یَبْغُضُ رَجُلًا کَاھِلًا ﴾ کہ اللہ اس شخص سے نفرت کرتا ہے، جو لوگوں کی بھیک اور امداد پر زندگی گزار رہا ہو جبکہ کام کرنے کے قابل ہو۔ تو چچا میری اتنی مدد کر دیں کہ میں بغداد چلا جاؤں۔ وہاں جا کر کاروبار کروں گا۔ امام نے کچھ رقم دی۔ اور جب وہ چلنے لگے تو امام نے فرمایا۔ ''جس نے کسی امام کے قتل میں ذرا سا بھی حصہ لیا وہ آدمی کبھی بخشا نہیں جا سکتا''۔ کہا چچا آپ نے یہ کیا

کہا؟۔ فرمایا ایک نصیحت میں نے کی ہے جیسے پہلے کرتا ہوں۔ دل میں چور تھا جلدی سے چلے گئے کہ کہیں امام رقم واپس نہ لے لیں۔ بغداد پہنچے۔ انہیں سکھایا پڑھایا گیا۔ اگلی صبح دربار میں گئے۔ ہارون کو سلام کیا۔ ہارون ایسے بیٹھ گیا جیسے جانتا ہی نہ ہو۔ وزیر سے پوچھا یہ کون آدمی؟ کہا مدینہ سے ایک مہمان آیا ہے۔ ہارون نے پوچھا۔ مدینہ کے حالات کیا ہیں؟ اب اسے موقع مل گیا۔ کہا: مدینے کے حالات یہ ہیں کہ مدینہ میں سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ حکمران ہیں یا میرے چچا حکمران ہیں۔ ہارون نے کہا: کیا مطلب! کہا: فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ ہتھیار جمع کیے جا رہے ہیں۔ خزانہ قائم کیا گیا ہے۔ اور آپکے خلاف بغاوت کی ساری تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ ہارون مڑا علماء دربار کی طرف۔ جو آدمی جائز خلیفۂ رسولؐ کیخلاف بغاوت کرنے اس کا کیا حکم ہے؟ وہیں سے فتویٰ تیار ہوا۔ دستخط کر کے ہارون کے حوالے کیا گیا۔ لیکن جب چچا سے پیسوں کی تھیلی لے کر تیزی کیساتھ نکل گئے کہ کہیں چچا واپس نہ لے لیں اور جو قریبی صحابی امام کے اردگرد بیٹھے تھے۔ صحابی نے پوچھا۔ مولا صبح سے شام تک سینکڑوں لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ آج تک ایسا جملہ آپ نے کسی سے نہیں کہا۔ فرمایا اس لئے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آگے کیا ہونے والا ہے اور مجھے پتہ ہے کہ یہ بغداد کیوں جا رہا ہے اور مجھے پتہ ہے کہ اسی کی گواہی پر میری قید اور میرے بچوں کی یتیمی کا سامان ہوگا۔ تو پہلا سوال یہ کیا گیا کہ مولا جب سب پتہ ہے تو آپ نے مالی مدد کیوں کی۔ فرمایا اس لئے کہ وہ میرا بھتیجا ہے۔ اور قیامت کے دن اللہ اس سے الگ پوچھے گا کہ بتاؤ تم نے چچا کا کتنا حق ادا

کیا اور مجھ سے الگ پوچھے گا کہ بتاؤ تم نے اس بھتیجے کا کیا حق ادا کیا۔ وہ الگ جوابدہ ہوگا۔ ہم الگ جوابدہ ہوں گے۔ اب یہاں امام سمجھا رہے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا رشتہ دار آپ سے قطع رحمی کرے تو آپ کیلئے بدلہ لینا جائز نہیں۔ یہ Business یا ملازمت نہیں۔ مثلاً اگر آپ سے 6 گھنٹہ کام لیا گیا اور تنخواہ 2 گھنٹے کی دی گئی تو اگلے مہینے آپ کم کام کر سکتے ہیں یعنی کاٹ سکتے ہیں۔ صلہ رحمی عبادت ہے عبادت میں یہ نہیں ہوتا کہ اس نے عبادت نہیں کی تو ہم بھی خدا کی عبادت (حکمِ الٰہی کی پیروی) نہ کریں۔ عبادت کہتے ہی اس عمل کو ہیں جو اللہ کیلئے کیا جائے۔

یہاں ایک قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ امام کا مسئلہ کچھ جدا ہوتا ہے۔ ہمارا مسئلہ کچھ اور۔ اگر ہمیں علم ہو جائے کہ کوئی ہمیں قتل کرنے کی سازش تیار کر رہا ہے تو ہمیں پوری حفاظت کرنا ہوگی۔

تو جو غلط باتیں ہمارے معاشرے میں ہیں کہ جی اس نے ہمیں شادی میں نہیں بلایا تھا۔ ہم بھی نہیں بلائیں گے۔ ایک دفعہ ایسا رویہ اختیار کیا جو ہمیں پسند نہیں آیا۔ تو یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ آدمی بات چیت بند کر دے۔ تعلقات توڑ کر بیٹھ جائے وصیت کر دے کہ فلاں کو میرے جنازے پر نہ آنے دینا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ صفِ عزا پر بیٹھ کر یہ ارادہ کرنا تو بڑا آسان ہے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے لیکن جب عملی زندگی میں ایسے آدمی سے سامنا کرنا پڑے تو واقعا آدمی کا خون کھولنے لگتا ہے۔ اگر دل میں خوفِ خدا ہو تو نہ آدمی اپنی ناک کٹنے کی فکر کرتا ہے، نہ اپنی مونچھیں نیچیں ہونے کی فکر کرتا ہے۔ نہ اپنی توہین و تذلیل کا خیال کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی

سوچ یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونا ہے ہو جائے آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ شہزادیؑ نے جو اپنے خطبے کے آخر میں جو جملہ فرمایا ہے کہ آیت قرآن کی سورہ عمران کی تھی اور شہزادی نے اسے اپنے خطبے کا جزء بنایا ہے۔ واتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ. اللہ کی نافرمانی سے اس طرح ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ حالتِ اسلام میں موت آئے۔ خطبے کے شروع میں شہزادی نے بہت سی چیزوں کا تذکرہ کیا کہ۔ نماز پڑھو۔ روزے رکھو، حج کرو وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر بہت سی چیزوں سے روکا۔ کہ شراب نہ پیو۔ زنا کے قریب نہ جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ اور آخر میں یہ قرآنی آیت fit کر دی۔ یعنی واجبات کا بیان۔ پھر حرام چیزوں کا۔ پھر آخر میں اس انداز سے اس قرآنی آیت کو جوڑا کہ اگر کوئی شہزادیؑ کا بیان سننے کے بعد، شہزادی سے ایک سوال کرے کہ شہزادی آپ نے تو سارے احکامات پہنچا دیئے۔ اتنے مشکل احکامات ہم کیسے عمل کریں۔ شہزادی کا جواب۔ وَاتقو اللّٰہ . اللہ سے ڈرتے رہو تو کوئی مشکل مشکل نہیں رہے گی۔ عذاب خداوندی ذہن میں ہوں، نعمات جنت اور زحماتِ جہنم، قبر و برزخ و پلِ صراط کا تصور ذہن میں ہر وقت ہو تو صبح اٹھنا بڑا آسان ہو جائے گا۔ گانا چھٹنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ حجاب کرنے میں کوئی زحمت پیش نہیں آئے گی۔ اگر خوفِ خدا دل میں ہو۔ خالی خوفِ خدا نہیں کہا۔ حَقَّ تقاتُه. جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ تو خوفِ خدا جس طرح ڈرنے کا حق ہے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ عہد کرلیں کہ فلاں واجب چھوڑنا نہیں فلاں حرام کرنا نہیں۔